آیت سخرہ
قرآن کا درس توحید

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدیہ منجانب الشیخ مولانا حامد علی

سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت سخرہ

قرآن کا درس توحید

(تالیف)

سید محمد حسین زیدی برستی

(ناشر)

ادارہ نشر اشاعت حقائق السلام

نزد ڈاکخانہ لاہوری گیٹ چنیوٹ ضلع جھنگ

نام کتاب : آیت نخرہ قرآن کا درس توحید

نام مولف : سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر : ادارہ نشرواشاعت حقائق الاسلام

کمپوزنگ : سید سعید عباس کاظمی

طباعت اول : ایک ہزار

اشاعت : اول ماہ مئی 2005

مطبع : معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور

فہرست

پیش لفظ

خداوند تعالیٰ نے جتنے انبیاء بھیجے وہ سب کے سب توحید کا پرچار کرنے کیلئے بھیجے۔اور یقیناً تمام انبیاء نے اپنا یہ فرض بڑی تندہی اور بڑی جدوجہد کے ساتھ انجام دیا۔ مصائب برداشت کیے، تکالیف جھیلیں۔اور بڑی سے بڑی مشکل کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنا یہ فرض ادا کیا۔

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جتنی نسل انسانی زمین پر پھیلی اس نے کچھ ہی عرصہ بعد خدائے واحد و یکتا و یگانہ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش شروع کردی لہذا خدا نے انکی ہدایت کے لئے حضرت نوح کو بھیجا جو سب سے پہلے اولی العزم پیغمبر ہیں۔قرآن کے مطابق حضرت نوح نے 950 سال اپنی قوم کو ہدایت کی۔مگران کی قوم بڑی سختی کے ساتھ بت پرستی پر جمی رہی۔

" و قالوا لا تذرن الهتكم ولا تذرن ودا و لا سواعاً ولا يغوث و يعوق ونسراً" (پ29 ع10۔نوح)

اورانہوں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑنا۔نہ سواع کو چھوڑنا۔نہ یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑنا۔

غرض 50 کم ایک ہزار سال ہدایت کے نتیجہ میں صرف اتنے سے آدمی ایمان لائے کہ وہ سب کے سب ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ود و سواع و یغوث و یعوق و نسران کے بزرگوں کے نام تھے۔اور مفسیرین کے نزدیک یہ اللہ کے صالح اور نیک بندے تھے۔شیطان نے ان بزرگوں کی بزرگی نیکی اور کرامات کے حوالہ سے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ خدا نے ان بزرگوں کو تمہاری حاجت روائی کی قدرت

وطاقت عطا کردی ہے لہذا وہ انکے مجسمے بنا کر ان کے سامنے اپنی حاجتوں کے لئے دعائیں مانگنے لگ گئے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔ تدعون من دون اللہ" یدعون من دون اللہ"۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے ان بزرگوں سے جن کے وہ مجسمے تھے دعائیں مانگنے لگ گئے۔ اور چونکہ دعا افضل عبادت ہے لہذا خدا نے ان مجسموں کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کرنے کو ہی عبادت سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ یعبدون من دون اللہ" وہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرنے لگ گئے اور انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ۔ "لاتذرن الھتکم" الخ۔ تم نوح کی بات مان کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ دینا۔

اس سے پتا چلا کہ جب شیطان کسی قوم کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دے کہ خدا نے ان کے ان بزرگوں کو انکی حاجت روائی مصیبتوں کو ٹالنے اور مشکلات کے حل کرنے کی طاقت عطا کردی ہے تو پھر خدا کے بھیجے ہوئے اولوالعزم پیغمبر کے کہنے سے بھی وہ باز نہیں آتے۔ لہذا نوح نے ان کے لئے بددعا کی اور وہ سب کے سب طوفان نوح میں غرق ہو گئے اور صرف چند آدمی جو نوح پر ایمان لائے تھے اور انکے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے نجات پا سکے۔ طوفان نوح کے بعد کشتی سے اتر کر یہ اہل ایمان نوح کے ساتھ زمین پر نئے سرے سے آباد ہوئے اور پھر نوح کے ساتھ بچ رہنے والے یہی اہل ایمان زمین پر پھیلے اور آباد ہوئے یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور سنت الہیہ اسی طرح ساری وجاری رہی۔ ھود آئے اور قوم عاد ہلاک ہوئی صالح آئے اور قوم ثمود ہلاک ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی سے لیکر پیغمبر گرامی اسلام کی خانہ کعبہ کی بت شکنی تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ کیا کوئی تصور کرسکتا ہے کہ وہ گھر جسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اپنے پاک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا خود انکی اولاد نے اسے بتوں سے بھر دیا ساری قوم قریش حضرت اسماعیل کی اولاد تھی مگر شیطان نے انہیں بھی اسی روش پر ڈال دیا۔ لہذا خدا نے حسب سابق قوم قریش میں

سے ہی یعنی قوم قریش کے پاس انہیں میں سے پیغمبر گرامی اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو مبعوث برسالت کیا۔ مگر آپ کی ہدایت سے آپکی قوم کے بہت ہی کم لوگ ایمان لائے آخر آٹھ ہجری میں آنحضرت نے فتح مکہ کے موقع پر سارے بتوں کا صفایا کردیا۔ اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کردیا۔ اور اہل اسلام بتوں سے پاک ماحول میں زندگی بسر کرنے لگ گئے۔ اور اس دن سے آج تک امت محمدیہ یعنی اہل اسلام میں شرک بت پرستی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا۔

لیکن شیطان نے آدم علیہ السلام کے سجدے سے انکار کے وقت جو چیلنج کیا تھا اسے وہ امت مسلمہ میں بھی روبہ عمل لاکر رہا۔ چونکہ شرک توحید کی ضد ہے لہذا اس نے اہل اسلام کو کس کس عنوان سے شرک پر مائل وراغب وعامل بنایا۔ اور مسلمانوں نے شیعہ ہوں یا سنی شرک کی کون کون سی اقسام کو اختیار کیا اسے آپ اس کتاب یعنی آیت محرہ قرآن کا درس توحید میں مطالعہ کرینگے۔

آیت سخرہ قرآن کا درس توحید

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین. اما بعد فقد قال الحکیم فی کتابہ الکریم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم . ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام. ثم استوی علی العرش . یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثاً والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین ، ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ، انہ لا یحب المعتدین ، ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا ، وادعوہ خوفاً و طمعاً ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ،(الاعراف 54 تا 56)

ترجمہ۔ بیشک تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق فرمایا ۔ پھر وہ عرش پر غالب آ گیا وہ (اپنے حکم اور تدبیر سے) رات کو ڈھانک دیتا ہے دن پر جو اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔ اور اسی نے سورج، چاند اور ستاروں کو مسخر، اپنے تابع اور زیر فرمان رکھا ہوا ہے اور یہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع فرمان اور مسخر ہیں سن لو سمجھ لو اور آگاہ رہو کہ (تمام مخلوقات) کا پیدا کرنا بھی صرف اور صرف اسی کا کام ہے اور (اپنی مخلوقات پر تکوینی و تشریع طور سے) حکم چلانا بھی خاص اسی کے لئے ہے۔ بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (یعنی وہ ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے تو اپنی دنیوی اور اخروی حوائج کے لئے اسی سے التجا کرنی چاہئے لہذا) اے لوگو تم (اپنی حاجت برآری کے لئے) اپنے پرروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پوشیدہ طور

سے دعا کیا کرو کیونکہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں اسکی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ ڈالنا۔ اور اس میں خرابی پیدا نہ کرنا۔ اور (زمین میں خرابی یا عذاب کے) خوف اور اسکی رحمت کی آس لگا کر اسی خدا سے دعائیں مانگتے رہنا بیشک نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت قریب ہی ہے۔

آیت سحرہ کی خاصیت

شیخ عباس قمی مفاتیح الجنان کی کتاب باقیات الصالحات میں لکھتے ہیں کہ:

از برائے دفع شیاطین و جادوگران از حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وارد شدہ کہ آیہ سحرہ بخوانند و آں این است ان ربکم اللہ تا قریب من المحسنین شیاطین (جن بھوت پریت آسیب وغیرہ) اور جادوگروں (ٹونے ٹوٹکے تعویز گنڈے اور سحر وغیرہ کرنے والوں) کے اثرات رفع کرنے کے لئے رسولخدا صلی الہ علیہ وآلہ سے وارد ہوا ہے کہ آیت سحرہ پڑھیں اور وہ ان ربکم اللہ سے لیکر قریب من المحسنین تک ہے

شیاطین (جن بھوت پریت آسیب وغیرہ) اور جادوگروں (ٹونے ٹوٹکے۔ تعویز کرنے کے لئے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے وارد ہونا اپنے مقام پر ایک بڑی ہی کارآمد بات ہے لیکن ہم نے اس روایت کو اس لئے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس آیت کو آیت سحرہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور وہ ان ربکم اللہ سے شروع ہو کر قریب من المحسنین تک ہے اور جس طرح آیت الکرسی اللہ لاالا ھو سے شروع ہو کر ہم فیھا خالدون تک پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ تین آیتیں ہیں اسی طرح آیت سحرہ ہے۔ جو ان ربکم اللہ سے شروع ہو کر قریب من المحسنین تک پڑھی جاتی ہے اور یہ بھی تین آیتیں بنتی ہیں۔ اس خاصیت کے علاوہ جو اس کے پڑھنے سے دنیا

میں فائدہ حاصل ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس آیت کو سمجھ کر پڑھے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ بنائے تو انشاءاللہ صحیح العقیدہ اس دنیا سے رخصت ہوگا اور آخرت میں اس کا فائدہ اٹھائیگا۔

آیت سخرہ کا ھدف

توحید در عبادت تمام اسلامی فرقوں میں متفق علیہ مسئلہ ہے یعنی عبادت صرف اللہ کے سوا اور کسی کے لئے سزوار نہیں ہے لہذا اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ کیوں سزوار عبادت ہے؟ اور اسکی بارگاہ میں اپنی حاجات پیش کرنے دعا مانگنے، مشکلات، بلائیں اور مصائب کو ٹالنے اور برطرف کرنے کے لئے اسکی حضور میں درخواست کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اس آیت کا ایک ھدف یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یکتا پرستی کی روح کو پیدا کرے اور انہیں ہر قسم کے شرک سے بچانے کا راستہ دکھائے اور انہیں اس ایک ہی آیت میں تمام بنیادی عقائد سے روشناس کرادے۔

ہم نے اس آیت کو دس جملوں میں تقسیم کر کے ہر جملہ کو ایک باب قرار دیا ہے اور پھر قرآنی حکم "افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا (محمد۔24) کی خدائی دعوت کے مطابق اس کے معنی ومطالب میں غور وفکر کر کے اس کے نتائج کو سپرد قلم کر دیا ہے اور مطلب کے ثبوت میں قرآن کریم احادیث پیغمبر اور ارشادات معصومین علیہم السلام کو پیش کر کے غلط اور باطل افکار وعقائد کا رد کیا ہے۔

باب اول

"ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام"

بلاشک تمہارا رب تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا

اس آیت کے اس جملہ کا سب سے پہلا لفظ ''ان'' ہے جو رفع شک اور اثبات یقین کے لئے آتا ہے۔ یعنی اس بات میں جو بیان کی جارہی ہے ذرا سا بھی شک وشبہ نہیں ہے یہ بات قطعی اور یقینی ہے اور یہ رفع شک اور اثبات یقین جس بات کا کرایا جارہا ہے وہ اس سے اگلا لفظ ''ربکم'' ہے یعنی تمہارا رب، تمہار پروردگار، اگرچہ خدا عالمین کا رب ہے، ساری کائنات کا رب ہے تمام جہانوں کا رب ہے تمام مخلوق کا رب ہے۔ لیکن یہاں ''ربکم'' میں خصوصیت کے ساتھ صرف انسانوں سے خطاب کی وجہ سے ربکم کہا ہے، یعنی اے انسانوں تمہارا رب، تمہار پروردگار صرف اور صرف وہ اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق فرمایا ہے۔

آیت میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس کی تمام مخلوقات میں سے کسی نے بھی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کے کار ربوبیت میں شریک نہیں بنایا ہے۔ لہذا آیت میں الفاظ کی بندش اور آیت کا لب ولہجہ یہ بتلا رہا ہے کہ 'ربکم' کا یہ خطاب بھی خصوصیت کے ساتھ ان انسانوں سے ہے جو اللہ کو ہی آسمانوں اور زمیں کا خالق مانتے ہیں، لیکن وہ اللہ کے علاوہ اپنا رب اپنا پرودگار دوسروں کو مانتے ہیں۔ لہذا خدا انہیں یہ بتلا رہا ہے، کہ خدا کے علاوہ جن جن کو تم اپنا رب بنائے بیٹھے ہو وہ تمارے رب نہیں ہو سکتے وہ تمہارے پروردگار نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ تمہارا پروردگار ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ عرب کے بت پرست اور تمام مشرکین مکہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہ اللہ ہی کو مانتے تھے۔ اور خود خدا نے قرآن کریم میں اس بات کی تصدیق کی ہے، کہ مشرکین مکہ اور بت پرست اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہ اللہ ہی کو مانتے تھے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ''

"لئن سالتهم من خلق السموات والارض و سخر الشمس والقمر لیقولن الله فانی توفکون" (العنکبوت 61) اے رسول اگرتم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے تمام آسمانوں اوزمین کو خلق کیا ہے؟ اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا ہے تو وہ یقینی طور پر ضرور ضرور یہی جواب دینگے کہ اللہ نے تو پھر وہ کہاں بھکے چلے جاتے ہیں۔اور سورۃ لقمان میں اسطرح ارشاد ہوا ہے کہ "ولئن سالتهم من خلق السموات والارض يقولن الله قل الحمد الله بل اكثرهم لا يعلمون" (لقمان-25)

"اگرتم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے تو وہ ضرور ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے"

اے رسول ان سے کہہ دو کہ پھر حمد کے لائق تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ اتنا بھی نہیں جانتے۔

اور سورۃ زمر میں اسطرح ارشاد ہوا ہے کہ "ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله قل اريتم ما تدعون من دون الله ان اردانی الله بضر هل هن كاشفات ضره او اردنی برحمة هل هن ممسكات رحمته قل حسبی الله عليه يتوكل المتوكلون" (الزمر-38)

اور اے رسول اگرتم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے تو یہ لوگ یقیناً ضرور ضرور یہی جواب دینگے کہ ان کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے تم کہہ دو کہ کیا تم نے اس بات میں غور نہیں کیا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن سے دعائیں مانگتے ہو اور ان سے اپنی حاجت اور مرادیں طلب کرتے ہو۔ اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس کے نقصان کو مجھ سے دور کر سکتے ہیں۔ یا اگر خدا مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ لوگ اس کو مہربانی کرنے سے روک سکتے ہیں اے رسول تم کہہ دو کہ میرے لئے تو خدا

ہی کافی ہے اسی پر سب بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

سورۃ العنکبوت، سورہ لقمان، اور سورۃ الزمر کی مذکورہ آیات میں اور ان کے علاوہ بھی اور دوسری آیات میں اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اے رسول اگر تم ان مشرکین سے پوچھو، ان بت پرستوں سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو یہ یقیناً وہ یہی جواب دینگے کہ ان کو تو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خدا نے ایک ہی بات کو بار بار کیوں دہرایا ہے، اچھی طرح سے غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کے قصہ کو قرآن میں کئی طرح سے دہرایا ہے اور ایک ہی بات کی بار بار تکرار کی ہے تو وہاں ہر دفعہ اور ہر جگہ ایک نئی بات کی وضاحت کی ہے اسی طرح یہاں بھی اس بات کو بار بار دہرا کر ہر جگہ ایک نئی بات کی وضاحت کی ہے۔

سورۃ العنکبوت کی آیت میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو وہ ضرور ضرور یہی جواب دینگے کہ ان کو تو اللہ نے ہی خلق کیا ہے ا۔ انہیں متنبہ کیا ہے کہ جب وہ اللہ کو ہی سارے آسمانوں اور زمین کا خالق مانتے ہیں تو اس خالق حقیقی اور مالک و منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں سے التجائیں کرنے دوسروں سے دعائیں مانگنے کی جو فی الحقیقت عبادت شمار ہوتی ہے حماقت کیوں کرتے ہیں؟ اور کیوں بہک جاتے ہیں۔ (فانی یوفکون)

اور سورۃ لقمان میں اسی بات کو دہرا کر یہ کہا گیا ہے کہ " قل الحمدللہ " یعنی حمد مخصوص صرف اللہ کیلئے ہے جب مشرکین عرب اپنے بتوں کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرتے تھے ان سے دعائیں مانگتے تھے، تو وہ انہیں ان کاموں کا انجام دینے والا سمجھتے ہوئے ان کی حمد و ثنا بھی کرتے تھے، لہذا انہیں اس آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ لائق حمد تو

صرف اللہ کی ذات ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور انہیں حاجتیں برلانے والا سمجھتے ہوئے انکی حمد وثناء میں لگے ہوئے ہیں۔

اور سورۃ الزمر میں اس بات کو دہرا کر یہ کہا گیا ہے کہ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ تم اللہ کے سوا اور اللہ کو چھوڑ کر جن سے دعائیں کرتے ہو۔ جن سے التجائیں کرتے ہو جن کے سامنے حاجت برآ ری کے لیے اپنی حاجت بیان کرتے ہو اگر خدا مجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو کیا یہ اس مصیبت کو مجھ سے دور کر سکتے ہیں اور اگر خدا مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اسکی رحمت اور مہربانی کو مجھ تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ مجھے تو اللہ ہی کافی ہے اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ مشرکین عرب اللہ کو ہی اللہ مانتے تھے آسمانوں اور زمیں کا خالق بھی اللہ ہی کو مانتے تھے مگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ انکو خدا نے اپنے کچھ کام یا تمام کارھائے ربوبی سپرد کر دیئے ہیں لہذا وہ ان بتوں سے اپنی حاجات بر آری کے لیے درخواست کرتے تھے۔ انکی حمد کرتے تھے اور مصیبتوں کے ٹالنے مشکلات کے حل کرنے اور کشائش کے لئے ان سے دعائیں کرتے تھے۔ لہذا پیغمبر کے ذریعہ سورۃ الزمر کی آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر جن سے تم دعائیں مانگتے ہو نہ تو یہ کسی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں اور اگر خدا کسی پر اپنی رحمت کرے تو نہ یہ اس کو روک سکتے ہیں لہذا توکل کرنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

اس مضمون کی کچھ تفصیل آگے چل کر بھی آئیگی یہاں پر یہ بات تو واضح ہو گئی ہے کہ مشرکین عرب اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور اسکو آسمانوں اور زمین کا خالق مانتے تھے اور مشرک دراصل کہا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ پر تو ایمان رکھتا ہو لیکن اس کے کاموں میں دوسرں کو شریک قرار دیتا ہو۔

لیکن جو شخص خدا کے ساتھ دوسروں کو خدا مانے اس کو قرآن میں خداوند تعالی نے کافر قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ

''لقد کفر الذین قالو ان اللہ ھو المسیح ابن مریم'' (المائدہ-17)

یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی خدا ہے۔

اسی بات کو اسی سورۃ میں آگے چل کر پھر مکرر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

''لقد کفر الذین قالو ان اللہ ھوا المسیح ابن مریم و قال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی و ربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ وما واہ النار و ما للظالمین من انصار'' (المائدہ-72)

یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی خدا ہے۔ حالانکہ مسیح نے تو خود یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل صرف اسی اللہ کی عبادت کرو جو ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے (پروردگار ہے پالنے والا ہے) کیونکہ بلاشک وشبہ جس نے اللہ کا کسی کو شریک بنایا اس پر خدا نے بہشت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں ہے۔

اس آیت میں چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے اور ان اللہ ھوا المسیح ابن مریم میں لفظ ھو مفید حصر ہے یعنی مسیح ہی خدا ہے۔ مسیح کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے گویا خدا کے نزدیک اور قرآن کے نزدیک جو شخص خد کے سوا کسی دوسرے کو خدا مانے وہ کافر ہے یہ کفر تو خدا کی بجائے عیسیٰ مسیح کا خدا ماننے کی بنا پر ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ حالانکہ عیسیٰ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اس میں اللہ کی عبادت کی علت

یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے گویا جس نے بھی اللہ کی عبادت کی ہے وہ اس کے رب ہونے کی بنا پر کی ہے۔ لہذا جس نے بھی شرک کیا ہے وہ اللہ کے سوا دوسرں کو رب ماننے یا اس کے تمام یا بعض کاموں کو کسی کو تفویض کرنے کا عقیدہ اپنانے کی بنیاد پر کیا ہے۔ اسی لئے "اعبدوا الله ربی وربکم" کے فوراً بعد فرمایا۔

"ومن يشرک بالله فقد حرم الله عليه الجنة وما واه النار وما للظالمين من انصار" یعنی جس نے بھی کسی کو اللہ کا شریک بنایا اور اسکی صفات ربوبی کا حامل مانا تو یقینی طور پر اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالمین کا کوئی بھی ناصر ومددگار نہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ نے تو یہ فرمایا کہ جس نے شرک کیا اس پر خدا نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی ناصر ومددگار نہ ہوگا۔ اور خدا نے خود دوٹوک الفاظ میں یہ کہا ہے کہ: ان الله لا يغفر ان يشرک به و يغفر ما دون ذالک لمن يشاء ومن يشرک بالله فقد ضل ضلالاً بعيدا" (النساء۔116)

یقیناً اللہ اسکو نہیں بخشے گا جو اسکا کسی کو شریک ٹھہرائے اور اس کے علاوہ جو بھی گناہ ہو، وہ جس کو چاہے گا بخش دیگا۔ اور جس نے کسی کو خدا کو شریک بنایا وہ تو بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بھی خدا کے سوا کسی کو خدا مانے وہ خدا کے نزدیک۔ قرآن کے نزدیک اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے نزدیک کافر ہے اور جو کوئی کسی کو صفات ربوبی کا حامل جانے وہ مشرک ہے اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت علیؑ کو خدا ماننے والوں کو غالی کہا ہے، کافر کہا ہے، اور مفوضہ کو جو حضرت علیؑ کے لئے صفات ربوبی کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کر کے اپنے تمام کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں وہ

مشرک ہیں آپ کا ارشاد اس طرح ہے" الغلاة کفار والمفوضة مشر کون "غالی یعنی حضرت علیؑ کو خدا ماننے والے تو کافر ہیں اور تفویض کے قائل مشرک ہیں

ہمارے یہاں منبروں پر مجالس عزا میں مذہب شیخیہ کے ذاکرین و واعظین و مبلغین و مقررین کی یلغار ہے۔ جب وہ بعض بے تکی دلیلوں سے عقیدہ تفویض کو بیان کرتے ہیں تو وہ خود ہی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ وہ حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں، تو شیعہ عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے اور انہیں بے وقوف بنانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ ہم علیؑ کو خدا نہیں مانتے، اور بے خبر عوام یہ سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ انہیں خدا ماننے والوں کا بیان نہیں ہے، حالانکہ اگر وہ حضرت علیؑ کو خدا مانتے تو وہ اس طرح سے ارشاد امام علیہ السلام کے مطابق کافر ہوتے جس طرح نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا ماننے والوں کو خدا نے یقینی اور حتمی طور پر کافر کہا ہے۔ لیکن جس بات کو چھپانے کے لئے وہ یہ اعلان کرتے ہیں وہ ان کیلئے صفات ربوبی کی تفویض ہے جس کی بنا پر آئمہ اطہار علیہم السلام نے مفوضہ کو مشرک کہا ہے اور خدا نے یہ فرمایا ہے کہ میں ہر گناہ بخش دونگا مگر شرک کو نہیں بخشوں گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کا کسی کو شریک بنایا اس پر خدا نے جنت کو حرام کر دیا ہے پس سب سے کھلا اور سب سے واضح شرک کسی میں صفات ربوبی کا عقیدہ رکھنا ہے، آئیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ رب کے معنی کیا ہیں اور رب کسے کہتے ہیں۔

رب کے معنی

راغب اصفہانی نے اپنی لغت کی معروف کتاب "مفردات القران" میں (الرب) کے معنی اس طرح لکھے ہیں الرب کے اصل معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشو ونما

دیگر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں (مفردات القرآن ص372)

پھر لکھتے ہیں "الرب (صیغہ صفت) جمع ارباب قران میں ہے

"ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار (12-39) بھلا (دیکھو تو سہی کہ) جدا جدا معبود اچھے ہیں یا خدائے یگانہ وزبردست.

اصل تو یہ تھا کہ رب کی جمع نہ آتی کیونکہ قرآن پاک میں یہ لفظ خاص کر ذات باری تعالی کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن عقیدہ کفار کے مطابق بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے۔

(مفردات القرآن ص372-373)

آیت اللہ استاد جعفر سبحانی اپنی تفسیر موضوعی میں لکھتے ہیں۔اس بات کا واضح اور روشن گواہ کہ مقام ربوبیت وہی جہان آفرینش کی تدبیر اور امور کے ادارہ کرنے کا مقام ہے یہ ہے کہ سورۃ رحمٰن میں "فبای آلاء ربکما تکذبان" کی آیت 31 بار وارد ہوئی ہے اور لفظ "رب" لفظ "آلاء" کے جو نعمتوں کے معنی میں ہے ساتھ ساتھ آیا ہے، اور نعمتوں کے موضوع کو پیش کرنا، بشر کی زندگی اور اسکو نابودی و ہلاکت سے بچانے کے لئے خدا کے مقام تدبیری کے ساتھ مناسب اور زیادہ سازگار ہے۔

قرآن میں پانچ مواقع پر شکر گزاری کا مسئلہ لفظ رب کے ہمراہ آیا ہے، اور شکر نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو انسانی حیات کی بقا اور اسکی زندگی کو برقرار رکھنے اور اسکو فساد و نابودی سے بچانے کا سبب ہے اور انسان کی تدبیر کی حقیقت اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔کئی مقامات پر قرآن خدا کی ربوبیت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔اور اس کے بعد بلا فاصلہ بارش برسانے اور مال و اولاد اور باغ و انہار دینے کی بات کرتا ہے اور یہ مسائل جہان آفرینش کے مقام تدبیر اور کارگردانی کے ساتھ زیادہ سازگار ہیں۔جیسا کہ فرماتا ہے

"فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم

مدرارا و یمددکم باموال وبنین و یجعل لکم جنات ویجعل لکم انهارا"

(نوح-10-12)

میں نے ان سے کہا کہ تم خدا سے طلب بخشش کرو اور وہ گناہوں کے بخشنے والا ہے وہ آسمانوں کو فراواں بارش کرنے کیلئے مقرر کرتا ہے، اور تمہاری مال و اولاد سے مدد کرتا ہے اور تمہارے لئے باغ اور نہریں قرار دیتا ہے۔ (تفسیر موضوعی جلد دوم ص 261)

پھر اس کے بعد قرآنی آیات سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس وسیع بحث سے دو نتیجے اخذ کئے جاسکتے ہیں

نمبر 1: خدا کی ربوبیت وہی مقام تدبیر اور اسکی کارگردانی ہے نہ کہ مقام خالقیت اور آفرید گاری۔

نمبر 2۔ ان میں کچھ آیات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ توحید در تدبیر کا مسئلہ، توحید در خالقیت کے مسئلہ کے بر خلاف متفق علیہ نہیں تھا۔ اور ایک گروہ نے عالم کی تدبیر اور کارگردانی یا اس کے کچھ حصہ کی تدبیر غیر خدا کے سپرد اور تفویض کر دی تھی۔ اور وہ اس کے سامنے رب کے عنوان سے خضوع کرتے تھے"

(تفسیر موضوعی جلد دوم ص 261-262)

بتوں کی پرستش کیوں؟ اور کیسے؟

دنیا کا کوئی بھی انسان چاہے وہ کتنا ہی کم عقل ہو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے لکڑی یا پتھر کے مجسموں کی نہ تو پرستش ہی کر سکتا ہے، نہ ہی ان کے سامنے خضوع کر سکتا ہے اور نہ ان سے مصائب کے ٹالنے، بارش برسانے، اولاد کے دینے، اور مشکلات کے حل کرنے کی درخواست والتجا اور دعا کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کو خدا یا رب مان سکتا ہے۔

اگر چہ آج دنیائے عرب اور تمام ممالک اسلامیہ سے بت پرستی ختم ہو چکی ہے۔ اور کہیں بھی بت نظر نہیں آتے۔ جس سے بت پرستی کا طریقہ اور وجہ معلوم کی جاسکتی، ان کا آج ذکر اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ صرف قرآن میں یا حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مل سکتا ہے جس سے بت پرستی کی وجوہات اور بت پرستی کے طریقہ کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ لیکن حسی اور علمی طور پر ہندوستان کے ہندووں اور کیتھولک عیسائیوں کے یہاں ان کی عبادت گاہوں میں آج بھی لکڑی یا پتھر یا کسی اور میٹریل سے بنے ہوئے مجسمے دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے عملی طور پر انکی پرستش کی وجہ اور پرستش کے طریقہ کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ لوگ ان مجسموں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ اور انکی پرستش کا طریقہ کیا ہے؟

ہم نے ہندوستان میں ہندووں کے مندروں میں ایسے مجسمے دیکھے ہیں اور ہندوون کو انکی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے، ہمارے مشاہدے کی مطابق وہ لوگ لکڑی یا پتھر سے بنے ہوئے ان مجسموں کی پوجا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ مجسمے ان کے بزرگوں کے ہیں۔ جین مت کے مندروں میں مہاویر سوامی کا مجسمہ ہوتا ہے، آریہ سماجی قسم کے ہندووں کے مندروں میں سری کرشن جی مہاراج، رام چندر جی وغیرہ کے مجسمے ہوتے ہیں اور بدھ مت کے لوگوں کی عبادت گاہوں میں مہاتما بدھ کا مجسمہ ہوتا ہے۔ یہ مجسمے ان بزرگوں کو محسوس و ملموس طور پر انکے سامنے موجود ہونیکا تصور دیتے ہیں۔ اور وہ جو کچھ مانتے ہیں۔ وہ ان بتوں یا مجسموں کو نہیں مانتے بلکہ ان بزرگوں کو مانتے ہیں جن کے یہ مجسمے ہیں۔

مہاویر سوامی جین مت کے پیشوا اور رہنما تھے مہاتما بدھ، بدھ مت کے پیشوا اور رہنما تھا، کرشن جی مہاراج اور رامچندر جی مہاراج آریہ سماجی قسم کے ہندووں کے پیشوا و رہنما تھے۔ اور دنیا بھر میں رومن کیتھولک گرجا گھروں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے مجسمے ہیں اور یہ سب مذاہب ان لکڑی یا پتھر کے بنے ہوئے مجسموں کی عبادت نہیں کرتے

تھے بلکہ یہ ان بزرگوں کو جن کے یہ مجسمے ہیں انکی دعائیں سننے، انکی حاجات برلانے انکی مشکلیں حل کرنے بارش برسانے اور انکی مرادیں برلانے پر قادر سمجھتے ہیں۔ لہذا وہ ان بزرگوں کو ان مجسموں کی صورت میں محسوس وملموس طور پر اپنے سامنے موجود پا کر اس سے التماس کرتے ہیں۔ ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اے کرشن جی مہاراج میری مشکلوں کو حل کردواے کرشن جی مہاراج میری فلاں حاجت پوری کردو۔ اور اسطرح وہ ان مجسموں کے سامنے جنہیں اصطلاح میں بت کہا جاتا ہے خضوع وخشوع کے ساتھ انکی حمد وثناء بیان کرتے ہیں۔ انہیں ان امور پر قادر ہونے کا اظہار کر کے ان سے اپنی حاجتیں بیان کرتے ہیں۔

میں نے ایک کتاب میں جو استاذی المکرم پروفیسر علامہ قمرالزمان صاحب کی لکھی ہوئی تھی۔ جو پاکستان بننے سے پہلے منصبیہ عربی کالج میرٹھ میں پڑھاتے تھے اور پاکستان بننے کے بعد پاکستان میں لاہور کے ایک کالج میں پڑھاتے رہے، ہندووں کے ان بزرگوں کے بارے میں یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ خداوند تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے ہو سکتا ہے کہ یہ ہستیاں خدا کی برگزیدہ ہوں اور انہوں نے تو توحید کی ہی تبلیغ کی ہو۔ لیکن ان کے اس جہاں سے جانے کے بعد ان کے پیروکاروں نے انکی تعلیمات میں تبدیلیاں کردی ہوں اور انکی طرف غلط طور پر ان باتوں کو منسوب کردیا ہو جیسا کہ کرشن جی مہارج کی طرف منسوب یہ قول بھگوت گیتا میں لکھا ہوا ہے کہ: "لوگوں نے مجھے پہچانا ہی نہیں ہے حالانکہ میں نے ہی سارے جہان کو خلق کیا ہے۔"

بہر حال یہ خدا کی برگزیدہ ہستیاں ہوں یا نہ ہوں یہ ہستیاں ہندووں، جین مت، اور بدھ مت کے لوگوں کی پیشوا و رہنما ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکی طرف جو غلط باتیں منسوب ہیں وہ انہوں نے نہ کہی ہوں جسطرح حتمی طور پر حضرت عیسیٰ تو خدا کے برگزیدہ

پیغمبر تھے۔ اولوالعزم نبی تھے صاحب کتاب وشریعت، رسول تھے جنکی قرآن نے تصدیق کی ہے اور قرآن کی تصدیق کے مطابق انہوں نے ہمیشہ یہی تبلیغ کی کہ اس خدا کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور یقیناً انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں یا میں ہی خدا ہوں۔ میں ہی رب ہوں اور سارے جہان کا خالق میں ہی ہوں، لیکن ان کے چلے جانے کے بعد ان کے بارے میں کیا کچھ نہیں کیا گیا؟ حتیٰ کے ان کے مجسمے بنا کر گرجا گھروں میں رکھ لئے گئے اور رومن کیتھولک عیسائی ان کے سامنے خضوع وخشوع کرتے ہوئے ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے اپنی حاجت براری کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور یہی بس انکی عبادت ہے۔ اپنے بزرگوں کے ان مجسموں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی مدح وثناء کرنا ان کے سامنے خضوع وخشوع کرنا اور ان سے مرادیں طلب کرنا ان کے نزدیک عبادت ہے۔ اور وہ اسی چیز کو عبادت کہتے ہیں۔ اور خدا نے بھی ان کے بزرگوں کے مجسموں کے سامنے کھڑے ہو کر خضوع وخشوع کرنے، التجائیں کرنے اور دعائیں مانگنے کو ہی انکی عبادت قرار دیا ہے، اسی طرح حضرت علی علیہ السلام، خدا کے برگزیدہ بندے تھے خاتم الانبیاء کے خلیفہ بلافصل تھے، وصی رسول تھے امام وھادی خلق تھے معصوم عن الخطاء تھے، منصوص من اللہ تھے، مصطفےٰ تھے اور مجتبےٰ تھے ان کا یہ قول عام مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا

کفی لی فخراً ان تکون لی رباً

وکفی لی عزاً ان اکون لک عبداً

یعنی میرے لیے فخر کی یہی بات کافی ہے کہ تو میرا رب ہے اور میرے لئے عزت کی یہی بات کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ لیکن نصیریوں نے انہیں خدا مان لیا، حضرت علی نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے خدا مانو۔ لیکن وہ حضرت علی ہی کو خدا مانتے ہیں۔ اور حضرت علی ہی کے

نام کا ورد کرتے ہیں۔ اور ان ہی سے ہر قسم کی مدد طلب کرتے ہیں۔ جو لوگ حضرت علی کو خدا مانتے ہیں وہ اصطلاح شریعت میں غالی کے نام سے مشہور ہیں

مفوضہ ان سے ایک درجہ نیچے اتر آئے اور انہوں نے حضرت علی کو خدا کی ایسی مخلوق مان لیا جس کے بعد خدا نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا وہ علیؑ نے کیا۔ خدا نے اپنے تمام کام انہیں سپرد کر دیے ہیں۔

ہم نے ہندوستان کے بت پرستوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارا مشاہدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے خود خدا نے قرآن میں بیان کیا ہے اور حضرت علی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی صحیح احادیث اور تواریخ سے بیان کیا ہے۔ اور مشرکین عرب کے بارے میں آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنی کتاب تفسیر موضوعی جلد دوم میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اسطرح ہے کہ:

''اس گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ مقام خلقت، تدبیر و کارگردانی کے مقام سے الگ چیز ہے وہ چیز جو خدا کے ساتھ مربوط ہے وہ صرف خلقت و آفرینش ہے لیکن چونکہ تدبیر خلقت سے الگ ہے اسی بناء پر تدبیر دوسرے موجودات کیساتھ مربوط ہے جو اس جہاں کا اختیار رکھتے ہیں۔ اور جہان آفرینش کی تدبیر و کارگردانی انہیں تفویض اور سپرد ہوئی ہے اور خدا جہان خلقت کے کسی ایک حصہ کی یا ان تمام کی تدبیر کرنے میں کوئی دخل نہیں رکھتے۔

(تفسیر موضوعی جلد دوم ص 252)

اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''بارش طلب کرنا، اور مدد چاہنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ بتوں کو عالم کی تدبیر و کارگردانی اور انسان کی زندگی میں دخیل سمجھتے تھے۔ اور وہ ان کے لئے اس قسم کے کاموں کے کرنے کے قائل تھے۔ (تفسیر موضوعی جلد دوم ص 252)

اس کے بعد آیت اللہ استاد جعفر سبحانی بتوں کی پرستش کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ہندوستان کے بت پرستوں کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ ہندوستان کے بت پرستوں کے بت ان کے بزرگوں مثلاً کرشن جی مہاراج اور رام چندر جی مہاراج، مہاتما بدھ، یا مہابیر سوامی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہر حاجت برلانے کی قدرت رکھتے ہیں لہذا وہ انکی حمد وثناء کے گیت گاتے ہیں اور پھر ان سے اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان سے اپنی حاجات برآری کی درخوات کرتے ہیں اور ان سے ہر قسم کی مدد مانگتے ہیں۔

تو آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے بھی عرب کے ان بت پرستوں کی بت پرستی کی وضاحت اسطرح کی ہے

"یہ تصور نہ ہو کہ وہ ان لکڑی کے بتوں کو متصرف اور عالم خلقت کا کارگردان و مدبر سمجھتے تھے تاکہ یہ کہا جائے کہ کوئی بے عقل بھی لکڑی اور دھات کے بت کو اس قسم کے حوادث اور روئیداد کا مبداء خیال نہیں کرسکتا بلکہ یہ لکڑی کے بت انکی نظر میں ان متصرف خداؤں کی واقعی صورت کو نمایاں کرنے والے تھے۔ جنہیں عالم کی تدبیر و کارگردانی تفویض وسپرد کی گئی ہے۔ اور چونکہ ان کے لئے حس ولمس سے دور موجود کی پرستش مشکل اور پیچیدہ تھی اس لئے ان کی صورتوں کو لکڑی اور دھات کے بتوں کے قالب میں ڈھال کر خود معبود کی پرستش کی بجائے انکی ملموس صورتوں کی پوجا کرتے تھے"

(تفسیر موضوعی جلد دوم ص 252 بحوالہ تفسیر مجمع البیان جلد نمبر 10 ص 264۔)

اس کے بعد اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

"یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کی بت پرستی پورے طور پر غلط اور جاہلانہ تھی۔ اور وہ کسی فکری نظام کے ماتحت نہیں تھی۔ اور ہرگز یونانیوں اور پارسیوں کی طرح

سے نہ تھی۔ کہ انکی بت پرستی کسی فلسفہ کی بنیاد پر استوار ہو۔ لیکن اس کے باوجود اس میں سے ایک گروہ اپنے بتوں کی ربوبیت اور کارگردانی کا معتقد تھا۔

(تفسیر موضوعی جلد دوم 254)

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ ہندوستان کے ہندو بھی اپنے بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے یہ بزرگ انکی مشکلیں حل کرنے اور انکی حاجتیں پوری کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ عرب کے بت پرست بھی یہی عقیدہ اپنے بزرگوں کے بارے میں رکھتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ لہذا ہندوستان کے ہندو، عرب کے بت پرست اور رومن کیتھولک عیسائی محسوس وملموس طور پر اپنے سامنے انکے مجسموں کی صورت میں ان بزرگوں کو موجود کر کے ان سے دعائیں مانگتے تھے ان کے سامنے خضوع وخشوع کرتے تھے۔ اور انکی حمد وثناء کے گیت گاتے تھے۔ حالانکہ خدا نے ان کے بزرگوں میں سے کسی کو بھی کچھ کارہائے ربوبی یا تمام کارہائے ربوبی تفویض یا سپرد نہیں کیے تھے اور نہ ہی ان کاموں کو کرنے کی انہیں قدرت عطا کی تھی۔ لہذا ان سے دعائیں مانگنا اور ان سے حاجات طلب کرنا غلط بات تھی اور چونکہ وہ ظاہر طور پر ان بتوں کے سامنے خضوع وخشوع کرتے تھے۔ اور ان کے سامنے دعائیں مانگتے تھے اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے جو ان کے سامنے محسوس وملموس طور پر موجود تھے لہذا وہ بھی اور دوسرے حضرات بھی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان لکڑی یا پتھر سے بنے ہوئے بتوں سے ہی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اور ان سے دعائیں مانگنا اور ان سے حاجات طلب کرنا اور ان کے آگے خضوع وخشوع کرنا ہی ان کے نزدیک بھی اور دوسروں کے نزدیک بھی، خود ان بتوں کی ہی عبادت کرنا تھا۔ اور "ود" و سواع" "ولیغوث" و یعوق" ونسر وغیرہ اب انہیں موجود ومحسوس وملموس بتوں کے نام تھے۔

حالانکہ نہ ان لکڑی اور پتھر سے بنے ہوئے مجسموں کے سامنے خضوع و خشوع کرنا، ان سے دعائیں مانگنا، ان سے اپنی حاجت برآری کے لئے درخواست کرنا صحیح ہے اور نہ ہی ان بزرگوں سے جن کے یہ مجسمے تھے۔ دعائیں مانگنا اور اپنی حاجت روائی کے لئے درخواست کرنا صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ انہیں بھی اس قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

لیکن شیخ احمد احسائی، روسائے مذہب شیخیہ اور ان کے پیروکار بت پرستوں سے بھی شرک میں آگے بڑھ گئے۔ جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ خدا پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ اور قرآن اس بات کے گواہ ہیں کہ بت پرست اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور وہ اللہ ہی کو خدا مانتے تھے اور وہ اللہ ہی کو ساری کائنات کا خالق سمجھتے تھے۔ لیکن شیخ احمد حسائی نے اس عقیدہ کو رواج دیا کہ خدا نے محمد وآل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا۔ ان کے خلق ہونے کے بعد جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا۔ آسمانوں اور زمین کے خالق بھی وہی ہیں، جو کچھ اب تک خلق ہو چکا ہے اسکے خالق بھی وہی ہیں اور جو کچھ آئندہ خلق ہوگا اس کے خلق کرنے والے بھی وہی ہیں اور خدا نے اپنے تمام کام انہیں تفویض اور سپرد کردیئے ہیں۔

لہذا مذہب شیخیہ کے پیروکار جو کچھ مانگتے ہیں وہ انہیں سے مانگتے ہیں۔ رزق انہیں سے مانگتے ہیں اولاد انہیں سے مانگتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مدد انہیں سے مانگتے ہیں مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب العقائد الحقہ کا مطالعہ کریں۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام کو یہ بات یہاں تک کے بیان میں اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی۔ کہ بت پرست بتوں کی پرستش کیوں کرتے تھے؟ اور کس طریقہ سے کرتے تھے؟ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ بارش برساتے ہیں اور اولاد دیتے ہیں اور انہیں کچھ یا تمام کارھائے ربوی خدا نے تفویض اور سپرد کردیئے ہیں۔ کیونکہ آنکھ او جھل ان بزرگوں سے التجائیں کرنا۔ اور دعائیں مانگنا مشکل

تھا۔ لہذا انہوں نے محسوس وملموس طور پر اپنے سامنے موجود ہونے کا تصور کرنے کے لئے ان کے مجسمے بنائے تھے جن کو اصطلاح میں بت کہتے تھے۔

ظاہر میں تو وہ بت ان کے سامنے تھے لیکن حقیقت میں وہ اپنے ان بزرگوں کے سامنے ہی خضوع وخشوع کرتے تھے۔ انکی حمد وثناء کرتے تھے ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ ان سے مدد طلب کرتے تھے ان سے ہی اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کی درخواست کرتے تھے۔ اور اسطرح سے دعا کرنے، التجا کرنے درخواستیں کرنے کو وہ بھی عبادت سمجھتے تھے اور دوسرے بھی اسے انکی عبادت ہی قرار دیتے تھے۔ اسی لئے قرآن میں ان کے اس فعل اور عمل کو کہیں ''یدعون،، وہ ان سے دعائیں کرتے ہیں اور تدعون'' تم ان سے دعائیں کرتے ہو، کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہیں انکے اسی فعل وعمل کو ''یعبدون وتعبدون،، کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں۔

بت پرستی بطرز جدید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے بعد تو ایک دفعہ پھر سے بتوں کا رواج ہو گیا تھا۔ اور خانہ کعبہ تک پر انکا قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف سے فتح مکہ کے دن بت شکنی کے بعد آج تک تمام ممالک اسلامیہ میں مجسمے کی صورت میں کہیں بھی بتوں کا قبضہ نہ ہوا۔ اور آج تک اپنے بزگوں کے مجسمے بنا کر کسی نے اس قسم کی جسارت نہیں کی۔ اگرچہ مفوضہ کا اور مذہب شیخیہ کا عقیدہ ان بت پرستوں سے بھی بڑھ کر شرک ہے اور وہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے اپنے تمام کارہائے ربوبی ان بزرگوں کو سپرد کر دیئے ہیں اور بت پرستوں کے برخلاف آسمانوں اور زمین اور ساری کائنات کا خالق وہ ان بزگوں کو ہی کہتے ہیں۔ لیکن بتوں کی صورت میں مجسمے بنا کر کسی نے

بھی اس قسم کی جسارت نہیں کی ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مجسمے بنا کر وہ اس قسم کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے بت پرستوں کی اس ٹھرک کو کس طرح پورا کیا اس کے لئے شیخی مبلغ علامہ اثیر جاڑوی کا بیان قابل ملاحظہ ہے جو ھدیہ قارئین کیا جاتا ہے

شیخی مبلغ علامہ اثیر جاڑوی نے آیت اللہ روح اللہ الخمینی کی کتاب کشف الاسرار کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور جا بجا آیت اللہ الخمینی کے بیان کی خطوط وحدانی کے اندر مزید وضاحت کی ہے اور خطوط وحدانی کی اندر مترجم لکھ دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وضاحت مترجم کی طرف سے ہے، آیت اللہ روح اللہ الخمینی کی جس عبارت کی وضاحت شیخی مبلغ اثیر جاڑوی نے کی ہے وہ عبارت یہ ہے

"اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ سے بعنوان غیر اللہ مدد مانگے تو وہ ہرگز مشرک نہیں ہے اور اس کلیہ میں یہ فرق نہیں کہ وہ غیر اللہ زندہ ہو یا مردہ لہذا عنوان مذکور سے مانگنے والے پتھر سے مانگے یا لکڑی سے مانگے پھر بھی انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا، یہ علیحدہ بات ہے کہ ایسی درخواست لغو، بیہودہ اور فضول ہوگی۔

(عقائد الابرار ترجمہ کشف الاسرار ص 51-52)

شیخی مبلغ اثیر جاڑوی نے آیت اللہ روح اللہ الخمینی کی کتاب کشف الاسرار کی مذکورہ عبارت کا اردو ترجمہ کرنے کے بعد اسکی مزید وضاحت خطوط وحدانی کے اندر اس طرح سے بیان کی ہے۔" (یہاں ممکن ہے ہمارے پاکستانی نابالغ مجتہدین کرام یہ گرہ لگائیں کہ ذوالجناح، علم اور شبیہ روضہ مبارکہ سید الشہدا علیہ السلام یا دیگر آئمہ معصومین اور شہدائے مظلومین کی ضریحوں پر نذر و نیاز دینا بھی اسی پتھر اور لکڑی کے ضمن میں آئیگا اور بفرمان خمینی اعظم یہ نذر و نیاز بھی فضول ہے۔

یہان ان دشمنان آل محمد کی خدمت عالیہ میں گزارش کرتا چلوں کہ مملکت

پاکستان کے ان پڑھ سے ان پڑھ شیعہ سے بھی اگر جا کر پوچھا جائے کہ شبیہ ذوالجناح، شبیہ علم عباس علمدار، اور شبیہ ضریح سید الشہدا وغیرہ علیہم السلام پر جو نذر و نیاز آ چڑھاتے ہیں اور جو منت مانتے ہیں۔ وہ کس کی ہوتی ہے اور دعا کس سے مانگتے ہیں۔ تو ہر شیعہ آپکو یہی جواب دیگا کہ میں صاحب ذوالجناح صاحب علم اور صاحب ضریح کو مخاطب کر کے اپنی التجا عرض کرتا ہوں اور نیاز بھی اسی کے نام کی دیتا ہوں مترجم)

(عقائد الابرار ترجمہ کشف لاسرار ص 52)

شیعی مبلغ علامہ اثیر جاڑوی اپنی اس وضاحت میں لکھتے ہیں کہ" ہر شیعہ آپ کو یہی جواب دیگا۔ گویا ان کے نزدیک تمام شیعہ ایسے ہی ہیں۔ یا جو لوگ ایسے ہیں وہ صرف انہیں کو شیعہ سمجھتے ہیں۔ باقیوں کو تو وہ مقصر کہتے ہیں۔ منکر فضائل آل محمد کہتے ہیں۔ اور اپنے مذکورہ بیان میں تو انہوں نے انہیں دشمنان آل محمد کہہ کر خطاب کیا ہے۔ یعنی ان کے اس خطاب میں ان کے مخاطب اہل سنت والجماعت یا دوسرے گروہ نہیں ہیں بلکہ واضح الفاظ میں جن سے خطاب کیا ہے وہ۔" ہمارے پاکستانی نابالغ مجتہدین کرام" ہیں بہر حال انہوں نے ایک استثنا تو کر دیا چاہے انہوں نے انہیں دشمنان آل محمد کہہ کر ہی استثنا کیا ہے۔

ہم نے اپنے سابقہ بیان میں ثابت کیا تھا کہ ہندو، جن مجسموں کے آگے التجائیں کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں وہ کرشن جی مہاراج۔ رامچندر جی وغیرہ کے مجسمے ہیں جو ان کے بزرگ رہنما و پیشوا تھے۔ جین مت والے جس مجسمے کے آگے التجائیں کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ وہ ان کے بزرگ مہابیر سوامی جی کا مجسمہ ہے اور بدھ مت والے جس مجسمے کے سامنے التجائیں کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں وہ ان کے بزرگ رہنما و پیشوا مہاتما بدھ کا مجسمہ ہے۔ عیسائی حضرات جس مجسمے کے آگے اپنی

التجائیں پیش کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں وہ ایک پیغمبر اولوالعزم صاحب شریعت حضرت عیسیٰ کا مجسمہ ہے۔ یعنی وہ انکے مجسمے کے سامنے کھڑے ہوکر خود حضرت عیسیٰ سے التجا کرتے ہیں۔ اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور عالم عرب کے سارے بت پرست بھی جن مجسموں کے آگے کھڑے ہوکر دعائیں مانگتے تھے وہ ان کے بزرگ تھے۔

اور اثیر جاڑوی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہم مشرب سارے شیعہ کہلانے والے افراد شبیہ ذوالجناح اور شبیہ علم حضرت عباس علمدار اور شبیہ ضریح سید الشہدا وغیرہ علیہم السلام کے سامنے جو منتیں مانتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں تو وہ دعا کس سے کرتے ہیں۔؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ ہر شیعہ کا جواب یہی ہوگا کہ میں صاحب ذوالجناح، صاحب علم اور صاحب ضریح کو مخاطب کر کے اپنی التجا عرض کرتا ہوں۔ ''فاعتبروا یا اولی الابصار

اثیر جاڑوی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اسے دوبارہ پڑھ لیا جائے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہر شیعہ کا بلکہ ان پڑھ سے ان پڑھ شیعہ کا جواب یہی ہوگا۔ لیکن شیعہ کہلانے والوں میں سے جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہوگی۔ وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے گا کہ شیخی مبلغ اثیر جاڑوی کے ہم مشرب شیعہ کہلانے والوں کے عمل میں اور عرب کے بت پرستوں، ہندوستان کے بت پرستوں اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ بطور جدید بت پرستی ہے۔

بہرحال شیخی مبلغ اثیر جاڑوی صاحب نے اپنا توضیحی بیان خطوط وحدانی میں مترجم لکھ کر ختم کیا اور پھر آیت اللہ روح اللہ خمینی کا ترجمہ شروع کیا جو اس طرح ہے۔

''ثانیاً جب ہم مدد کی درخواست کرتے ہیں تو وہ صرف ارواح انبیاء آئمہ علیہم السلام سے اس ارادہ سے کرتے ہیں کہ ذات احدیت نے ان ہستیوں کو مشکل کشائی کی قدرت مرحمت فرما رکھی ہے۔ چونکہ حیات و ممات روح کا مسئلہ خالصۃً فلسفیانہ ہے اس لیے

ارباب فلسفہ کی رائے آخری ہوگی۔اور فلسفہ اعلیٰ میں قطعی دلائل اور محکم براہین سے یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ قید جسم سے آزاد ہونے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔"

(عقائد الامیر ار ترجمہ کشف الاسرار ص 52)

اس کے بعد آیت الہ روح اللہ الخمینی نے 12 مشہور فلاسفہ کی آراء بقائے روح کے بارے میں پیش کی ہیں اور چھ آیات قرآنی سے روح کی بقا پر استدلال کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فلاسفہ بھی بقائے روح کے قائل ہیں لیکن وہ روح کے ایک مستقل اور جسم انسانی کی خلقت سے پہلے موجود ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ جسم انسانی کی خلقت کے وقت جوہری تغیرات کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی چیز تصور کرتے ہیں لیکن قرآن اور آحادیث معصومین روح کو جسم انسانی کی خلقت سے بہت پہلے خلق کیے جانے والی ایک مستقل مخلوق مانتے ہیں۔اور یہی روح باقی رہنے والی ہے لہذا فلاسفہ کی نسبت قرآن اور معصومین علیہم السلام کا بیان بقائے روح کے بارے میں زیادہ حتمی اور یقینی ہے۔اور جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور عالم برزخ میں یا تو جنت برزخ میں ہوتی ہے یا دوزخ برزخ میں عذاب بھگت رہی ہوتی ہے۔اور شیعہ علماء کے درمیان بقائے روح کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے چاہے وہ کسی نبی کی روح ہو یا کسی رسول کی روح ہو یا کسی امام کی روح یا کسی ولی کی روح ہو یا صدیقین وشہداء وصالحین کی روح ہو یا عام آدمی کی روح ہو۔ متقی و پرہیزگار کی روح ہو یا فاسق وگنہگار کی روح ہو۔اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر ارواح کی ذمہ داریوں کی بارے میں کچھ گفتگو کریں۔

تمام بنی آدم کی ارواح سے عہد و پیمان

یہ دنیا دار عمل ہے اور ہر روح جو بھی اس دنیا میں آتی ہے اس کے ذمہ ایک فریضہ اور ایک ذمہ داری ہوتی ہے اور خداوند عالم نے تمام ارواح سے روز الست اپنی ربوبیت کا اقرار لینے اور قیامت کے دن حجت تمام کرنے کے واسطے ہر روح کو اسکی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ان سے روز الست اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کے ساتھ ہی تمام ارواح سے یہ عہد و پیمان لیا کہ انہوں نے دنیا میں جا کر کیا کرنا ہے۔ چنانچہ خدا نے تمام ارواح بنی آدم سے یہ عہد و پیمان لیا کہ ان کے پاس انہی میں سے اپنے رسول اپنے احکام دے کر بھیجا کرونگا۔ لہٰذا تم نے انکی اطاعت و پیروی کرنی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔" یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی فمن اتقی واصلح فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون (الاعراف -35)

اے بنی آدم جب تمہی میں سے تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں اور تم کو میرے احکام بیان کریں (تو تم انکی اطاعت و پیروی کرنا) پس جو کوئی میری نافرمانی سے بچا رہے گا اور عمل صالح بجا لائیگا تو انکو نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی حزن وملال ہوگا

انبیاء ورسل کی ارواح سے عہد و پیمان

خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہی ارواح کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان ارواح سے جنہیں اس نے اولاد آدم میں سے انبیاء ورسل کے منصب پر سرفراز کرنا تھا یہ عہد لیا کہ تم نے میرے بندوں کے پاس میرے احکام پہنچانا ہیں اور انہیں ہدایت کرنا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا

" واذا اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک و من نوح و ابراھیم و

موسیٰ و عیسے ابن مریم ۔ و اخذنا منھم میثاقاً غلیظا لیسئل الصادقین عن صدقھم و اعدللکافرین عذابا الیما (الاحزاب۔8)

اور جب ہم نے تمام انبیاء سے (عام طور پر) اور تم سے اور نوح وابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ ابن مریم سے خاص طور پر عہد و پیمان لیا اور ان سب سے ہم نے بہت پختہ پکا اور سخت عہد لیا تاکہ سچوں (انبیاء ورسل) سے ان کی سچائی (تبلیغ رسالت) کے بارے میں ان سے سوال کرے اور (انکی اطاعت قبول نہ کرنے والے) کافروں کے لئے تو اس نے دردناک عذاب تیار کر ہی رکھا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عالم ارواح میں ہی اولاد آدم کی تمام ارواح کے فرائض تقسیم ہو چکے تھے اولاد آدم کی ارواح میں سے اولاد آدم کے پاس جن کو نبی و رسول بنا کر بھیجنا تھا ان سے ان کا فریضہ ادا کرنے کا عہد و پیمان لیا، اور ان کو یہ بتلا دیا کہ قیامت کے دن تم سے اس فریضہ کی ادائیگی کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ اور دوسری ارواح اولاد آدم سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ ان انبیاء ورسل کی اطاعت و پیروی کرینگے اور جو ان کی اطاعت و پیروی نہ کریگا اور کفر پر اڑا رہے گا۔ اس کیلئے دردناک عذاب ہے اور جو اطاعت و پیروی کریگا اسے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی حزن و ملال ہوگا۔

یہ سب عہد پیمان عالم ارواح میں لئے گئے اور جس وقت یہ اروح دنیا میں آئیں تو یہاں بھی انہیں اس بات کی یاددہانی کرائی گئی کہ انبیاء ورسل نے بھی ایک ذمہ داری قبول کی ہوئی ہے جس کا بوجھ ان کے اوپر ہے اور تمام بنی آدم نے بھی ایک ذمہ داری قبول کی ہوئی جس کا بوجھ ان کے اوپر ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ماحمل و علیکم ماحملتم و ان تطیعوہ تھتدوا و ما علی الرسول الا البلاغ المبین (النور۔54)

اے رسول تم ان سے کہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم سرتابی کروگے تو رسول پر تو بس اتنا ہی واجب ہے جس کے وہ ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ اور جس بات کے تم ذمہ دار بنائے گئے ہو وہ تم پر واجب ہے اور اگر تم اسکی اطاعت کروگے تو ہدایت یافتہ ہو جاءوگے اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف احکام کا پہنچا دینا ہے۔

انبیاء ورسل اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں

انبیاء ورسل جب تک اس دنیا میں رہتے ہیں وہ اپنے فرائض کو ادا کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں لیکن جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے ذمہ کچھ نہیں رہتا اب قیامت کے دن ہی خدا نے ان سے یہ پوچھنا ہے کہ انہوں نے کیا کچھ پہنچایا ہے البتہ قرآن کریم میں سورۃ الانعام کی ایک آیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر خود انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے بارے میں غلط عقائد رواج پا گئے تو وہ بھی خدا ان سے پوچھے گا چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت یہ کہتی ہے کہ خدا حضرت عیسےٰ سے یہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں مریم کو دونوں کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا خدا مان لو تو حضرت عیسیٰ جواب میں یہی کہیں گے کہ تیری ذات پاک ہے مجھے کیا اختیار تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ اور اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھے بھی تو اس کا علم ہوگا، کیونکہ تو تو میرے دل کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے لیکن میں تیرے علم سے آگاہ نہیں ہوں اور اس کے بعد فرمائینگے کہ:

"وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شئی شھیدا (الانعام-117)

یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا ان کے اوپر گواہ تھا۔ پھر جب تو نے مجھے ان کے درمیان سے اٹھالیا تو تو ہی انکا نگہبان تھا۔ اور تو تو ہر چیز کا گواہ ہے پس ہر نبی و رسول اس وقت تک اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے اور اپنے فرائض کو بجالاتا ہے جب تک کہ وہ لوگوں کے درمیان اس دنیائے ظاہر میں رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں ان کے درمیان میں نہیں رہتا چاہے زندہ اٹھالئے جانے سے ہو چاہے موت کے ذریعہ اس دنیا سے رخصت ہو، اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کے ذمہ اور کوئی کام نہیں رہتا۔ البتہ خدا ہر نبی کو اور ہر رسول کو اور اپنے طرف سے بھیجے ہوئے ہر ہادی کو اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی نشانی دیکر ضرور بھیجتا ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سے پہچان کر اسکی اطاعت و پیروی کریں کہ واقعا یہ خدا کا فرستادہ ہے۔ اور کوئی شیاد ومکار وعیار آدمی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو فریب سے اپنے پیچھے نہ لگاتا پھرے اس نشانی کو قرآن میں خدا نے آیت کہا ہے یا برھان کہا ہے یا بینہ کہا ہے یا سلطان کہا ہے اور خرق عادت ہونے کی وجہ سے اور اس عمل کو کرنے سے عاجز آنے کی بنا پر لوگوں نے اصطلاح کے طور پر اسے معجزہ کہا ہے۔

لہذا ان معجزات کو دلیل بنا کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ وہ نابینا کو دیکھنے ولا، کوڑھی کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کرتے تھے لہذا اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے انبیاء کو مشکلات کو حل کرنے اور مصیبتوں کو ٹالنے اور ہر طرح کے خدائی کام کرنے کی قدرت عطا کر دی ہے۔ اس وجہ سے خدا نے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسطرح فرمایا ہے۔ "قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا" (بنی اسرائیل-59)

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ خدا کے سوا تم اور جن جن کو اپنا معبود سمجھتے ہو۔ ان کو وقت پڑے پر پکار کر دیکھو کہ وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف اور مصیبت کو ہی دور کر سکتے ہیں

اور نہ ہی اس کو بدل سکتے ہیں۔

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ملائکہ کو۔ اور حضرت عزیز کو اور حضرت عیسےٰ کو اپنا رب مانتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عیسےٰ روز قیامت خدا کے حضور میں یہ جواب دینگے کہ بارالہا میں نے تو انہیں کچھ بھی نہیں کہا تھا سوائے اس کے کہ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور جب خود حضرت عیسیٰ کے بارے میں خدا نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ وہ کشف الضر یعنی مشکلات کے حل کرنے اور مصیبتوں کو ٹالنے کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں رکھتے تو ان کے معجزات کو دلیل بنا کر دوسرں کے لئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے انکو مشکلات کے حل کرنے اور مصیبتوں کو ٹالنے کا اختیار دیدیا تھا جب تک کہ نص صریح نہ ہو۔

انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی تعلیمات انکے بعد بھی قابل پیروی ہیں

جیسا کہ قرآن کریم کی واضح آیت سے ثابت کیا جا چکا ہے ہے کہ انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے ذمہ کچھ فرض باقی نہیں رہتا البتہ انکی چھوڑی ہوئی تعلیمات امت کے لوگوں کے لئے ان کے بعد بھی لائق پیروی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ سورۃ انعام میں آیا ہے کہ:

”اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (الانعام-91)

تمام مشہور گزشتہ انبیاء کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام انبیاء ورسل وہ تھے جن کو خدا نے ہدایت دی تھی۔ پس اے میرے حبیب تم بھی ان ہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

چنانچہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے بھی اپنے بعد کے لئے واضح الفاظ

میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی فان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی (الحدیث)

یعنی میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے اہل بیت اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

یہ دونوں چیزیں تعلیمات پیغمبر گرامی اسلام کے محافظ ہیں قرآن وہ کتاب ہدیت ہے جس میں تمام احکام الٰہی اور اوامر و نواہی محفوظ ہیں اور اہل بیت پیغمبر وہ ہادی ہیں جو تعلیمات پیغمبر گرامی اسلام کا عملی نمونہ ہیں۔

ارواح انبیاء و رسل سے درخواست کرنے کا طریقہ

بیشک فرقہ وہابی کا مزارات انبیاء و رسل پر کھڑے ہو کر ان کی ارواح سے درخواست کرنے کو شرک کہنا غلط ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ درخواست کی نوعیت کیا ہے؟ کیونکہ انسان جو الفاظ زبان سے نکالتا ہے ان الفاظ سے ہی انکے مطلب و مقصد کا پتہ چلتا ہے۔ جو درخواستیں انسان انبیاء و رسل اور ہادیان دین سے انگی زندگی میں کرتا تھا ایسی ہی درخواستیں انکے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی کرنا عین صحیح بالکل جایز اور درست ہیں لیکن ایسی درخواستیں جو آپکی زندگی میں بھی جائز نہیں تھی وہ انکے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی جائز نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً یاسر خادم والی روایت میں امام علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا نے ہمیں امور دین سپرد کیے ہیں لیکن خلق و رزق کا معاملہ اس نے ہمیں سپرد نہیں کیا۔ یا علی ابن احمد الدلال کی روایت کے مطابق امام زمانہ کا فرمان کہ خلق کرنے کا کام صرف اسی خدا کا ہے البتہ ہم جس چیز کے لئے دعا کرتے ہیں خدا اسے قبول کر لیتا ہے۔ تو ان کی زندگی میں بھی ان کے پیروکار ان سے التماس کرتے تھے کہ آپ ہمارے لئے دعا کیجیے۔ جیسا کہ

شیخ صدوق کے والد کی درخواست کا بیان اس کتاب میں آیا ہے ۔ ان کے والد نے امام زمانہ سے یہ درخواست کی کہ میرے اولاد نہیں ہے آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد زرینہ عطا کرے۔ اسطرح کی درخواست جائز ہے اور خود امام ہی سے کہنا کہ مولا مجھے اولاد دو مولا مجھے رزق دو تو ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کے لئے ان امور کی تفویض کا قائل ہے اور بالاتفاق تفویض کا عقیدہ شرک ہے۔ جہان تک وہابیوں کا تعلق ہے تو وہ مطلقاً مزار کے سامنے کھڑے ہو کر ارواح انبیاء و رسل اور ہادیان دین سے کسی بھی قسم کی درخواست کرنا جائز نہیں سمجھتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد روح کی بقاء اور صاحب قبر کے ساتھ اس کے ارتباط سے آگاہ نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ اہل اسلام ہے کہ تمام ارواح خواہ وہ کسی کی بھی روح ہو۔ رسول کی روح ہو، امام کی روح ہو یا عام آدمی کی روح ہو۔ متقی کی روح ہو یا فاسق و فاجر کی روح ہو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور صاحب قبر یا اپنے جسد عنصری کے ساتھ اسکا رابطہ رہتا ہے۔ اور جسم کو جو تکلیف عالم برزخ میں ہوتی ہے اسکو محسوس کرنے والی روح ہوتی ہے اور جو کوئی ان سے خطاب کرے تو وہ اسکی آواز کو سنتی ہیں اور اسکا ثبوت قبر میں مردے کو تلقین کا سنانا ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ اسمع افہم سن اور سمجھ تو یہ سننے والی اور سمجھنے والی روح ہی ہوتی ہے جو اپنے جسم کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے ہوتی ہے لہذا بعض ذاکرین اور مقررین کا یہ کہنا غلط ہے کہ مومن مرتا نہیں ہے جب پیغمبر نہ رہے تو اور کون ہے جو نہ مریگا دراصل انہیں روح کی بقا اور اس کے جسم کے ساتھ رابطے اور سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کا علم نہیں جبکہ احادیث پیغمبر اور امیر المومنین کا کلام مرنے کے بعد روح کی اس صلاحیت کو واضح طور پر بیان کر رہا ہے جیسا کہ علامہ مجلسی نے جنگ بدر کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"روایت ہے کہ مشرکین روز جنگ بدر زوال آفتاب کے وقت بھاگ گئے۔

حضرت نے فرمایا چاہ بدر کو پاٹ دو اور مشرکین کے کشتوں کو اسی میں ڈال دو اسکے بعد
حضرت چاہ بدر کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور ایک ایک مشرک کا نام لیکر پکارا اور فرمایا کہ
آیا اپنے پروردگا کا وعدہ تم نے سچا پایا۔ تم اپنے پیغمبر کے لئے بری قوم تھے غیروں نے میری
تصدیق کی اور تم نے مجھے جھٹلایا۔ تم نے مجھے گھر سے نکالا اور دوسروں نے پناہ دی۔ تم نے
مجھ سے جنگ کی اور غیروں نے پناہ دی۔ تم مجھ سے لڑے اور دوسروں نے میری مدد کی۔
صحابہ میں کچھ لوگوں نے کہا یا حضرت مردوں سے کلام کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ
میری باتیں اسطرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے''

(حیات القلوب جلد دوم ص 554)

اہل سنت کے یہاں بھی جنگ بدر کے بارے میں اسی قسم روایت صحیح بخاری میں
روایت ہوئی ہے جو اسطرح ہے۔

''ابو انصاری طلحہ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے بدر کے دن قریش کے چوبیس
سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں ایک گندے ناپاک کرنے والے کنویں میں پھینک
دینے کا حکم دیا۔ اور بدر سے چلتے دفعہ اس کنویں کی مینڈ پر کھڑے ہوئے اور قریش کے
کافروں کے نام بنام آواز دینے لگے۔ ان کا اور ان کے باپوں کا نام لیتے اور فرماتے
فلانے فلانے کے بیٹے اب تم کو یہ اچھا لگتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا فرمان مان لیتے
۔ ہم سے تو جس ثواب اور اجر کا ہمارے مالک پروردگا نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پالیا۔ تم
سے جس عذاب کا پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔ تم نے بھی وہ پایا یا نہیں ابو طلحہ نے کہا۔ یہ سن کر
حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم آپ ایسی لاشوں سے باتیں کرتے ہیں جن میں
جان نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم اسکی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے میں جو باتیں کر رہا ہوں
تم ان سے زیادہ نہیں سنتے (صحیح بخاری مترجم کتاب المغازی پ 16 ص 12)

ارواح کے جسم کے ساتھ رابطے اور ان کے سننے کے بارے میں ایک کلام امیر المومنین سے بھی مروی ہے، جو اس طرح ہے کہ

"وقال علیه السلام وقد رجع من صفین فاشرف علی القبور بظاهر الکوفه . یا اهل الدیار الوحشة و محال المغفرة ، والقبور المظلمة، یا اهل التربة ، یا اهل الغربة، یا اهل الوحدة ، یا اهل الوحشة ، انتم لنا فرط سابق و نحن لکم تبع لاحق ،اما الدور فقد سکنت ، واما الازواج فقد نکحت ،و اما الاموال قد قسمت .هذا خبر ما عندنا . فما خبر ما عندکم ؟ ثم التفت الی اصحابه فقال امالو اذن لهم الکلام لاخبرو کم ان خیر الزاد التقوی"

(نہج البلاغہ جلد سوم کلام نمبر 130 مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ ص 809)

صفین سے پلٹتے ہوئے کوفہ سے باہر قبرستان پر نظر پڑی تو فرمایا۔ اے وحشت افزا گھروں۔ اجڑے مکانوں۔ اور اندھیری قبروں کے رہنے والوں۔ اے خاک نشینوں۔ اے عالم غربت کے ساکنو اے تنہائی اور الجھن میں بسر کرنے والو۔ تم تیز رو ہو جو ہم سے آگے بڑھ گئے ہو اور ہم تمہارے نقش قدم پر چل کر تم سے ملا چاہتے ہیں۔ اب صورت یہ ہے کہ گھروں میں دوسرے بس گئے ہیں۔ بیویوں سے اوروں نے نکاح کر لئے اور تمہارا مال واسباب تقسیم ہو چکا ہے۔ یہ تو میرے یہاں کی خبر ہے اب تم کہو تمہارے یہاں کی کیا خبر ہے؟ پھر حضرت اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر انہیں بات کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ تمہیں بتائیں گے کہ بہترین زادہ راہ تقویٰ ہے۔

امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ: " انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال" اس بات پر غور کرو کہ کیا کہا ہے؟ یہ مت دیکھو کہ کس نے کہا ہے؟

اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو ہر مذہب ہر ملت، ہر قوم اور ہر فرقے میں بزرگ علماء ہوتے ہیں۔ لیکن کسی بھی مذہب اور کسی بھی ملت کا عالم خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو اسکی بات کسی معقول دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

عرب کے بت پرست ہرگز ہرگز بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے ہم سابق میں سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 61 سورۃ لقمان کی آیت نمبر 25، سورۃ الزمر کی آیت نمبر 38 سے یہ بات ثابت کر آئے ہین۔ کہ خدا اور سول اور قرآن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مشرکین عرب اللہ ہی کو اللہ مانتے تھے اور اللہ ہی کو آسمانوں اور زمین کا خالق مانتے تھے۔ لہذا وہ ان بتوں کو اپنا اللہ مان کر ان سے دعائیں نہیں کرتے تھے۔ یا ان کو خدا مان کر ان سے التجائیں اور اپنی حاجت براری کے لئے درخواستیں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان لکڑی اور پتھر کے بتوں سے بھی التجائیں اور دعائیں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ لکڑی یا پتھر کے بت ان کے بزرگوں کے مجسمے تھے لہذا دراصل وہ اپنے بزرگوں کے آگے اپنی درخواستیں پیش کرتے تھے ان سے التجائیں کرتے تھے۔ اور ان کے مجسموں کو محسوس وملموس طور پر اپنے سامنے موجود رکھ کر یہ تصور کرتے تھے جیسا کہ ان کے وہ بزرگ انکے سامنے ہیں۔

اب اگر آیت اللہ روح اللہ الخمینی کی یہ بات درست ہو کہ: اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ سے بعنوان غیر اللہ مدد مانگے تو وہ ہرگز مشرک نہیں ہے اور اس کلیہ میں یہ فرق نہیں کہ وہ غیر اللہ زندہ ہو یا مردہ۔ لہذا عنوان مذکورہ سے مانگنے والے پتھر سے مانگے یا لکڑی سے مانگے پھر بھی انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا۔

(عقائد الابرار ترجمہ کشف الاسرار ص 51-52)

تو اس میں اصل قابل غور بات یہ ہے کہ جو شخص پتھر کے مجسمے سے مانگ رہا ہے یا لکڑی کے بنے ہوئے مجسمے سے مانگ رہا ہے وہ اس پتھر یا لکڑی کے مجسمے کو کیا سمجھ کر مانگ

رہا ہے۔ ہم اس کتاب میں ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمام مذاہب جو پتھر یا لکڑی کے مجسموں کے سامنے کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے ہیں وہ انکے بزرگوں کے مجسمے ہیں اور وہ اپنے بزرگوں کو محسوس و ملموس طور پر مجسموں کی صورت میں موجود تصور کرتے ہیں۔ اور اپنے ان بزرگوں سے اپنی حاجتیں بیان کرتے تھے۔

اگر وہ اپنے ان بزرگوں سے جن کے وہ مجسمے تھے یہ کہہ کر درخواست کرتے کہ اے ہبل تم خدا سے دعا کرو کہ وہ بارش برسائے اے لات تم خدا نے دعا کرو کہ وہ ہماری مشکلات کو ٹال دے مصیبت کو دور کر دے تو یہ صورت تھی وہ جس کی بنا پر انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن دراصل وہ تو انہیں سے دعائیں مانگتے تھے انہیں سے مشکلات حل کرنیکی درخواستیں کرتے تھے۔ انہیں سے بارش برسانے اور اولاد دینے کی التجائیں کرتے تھے۔ اور یہ بات نہیں تھی مگر صرف اس لئے کہ انکا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بزرگوں کو ان امور کے سر انجام دینے کی قدرت اور اختیار حاصل ہے حالانکہ نہ انکے بتوں کو اس قسم کی قدرت و اختیار حاصل تھا اور نہ ہی ان کے بزرگوں کو اس قسم کی کوئی قدرت و اختیار حاصل تھا اور مشرکین عرب حتما و یقیناً ان بتوں کو اللہ یا خدا بھی نہیں مانتے تھے بلکہ وہ تو اپنی حاجتیں پیش کرنے اور ان سے دعائیں مانگنے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ:

"ھو لاء شفائونا عند الله (یونس-18) یہ ہمارے بزرگ (جن کے یہ مجسمے ہیں) اللہ کے پاس ہماری حاجت روائی کے لئے سفارش کرینگے۔

مشرکین عرب کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ ان بتوں کو خدا مانتے تھے بلکہ انکا شرک اس وجہ سے تھا کہ انکا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے بزرگوں کو خدا نے مشکل کشائی کی قدرت عطا کر رکھی ہے۔ لہذا وہ اپنے بزرگوں کے مجسموں کے سامنے کھڑے ہو کر مخاطب انہیں کو کرتے تھے دعائیں انہیں سے مانگتے تھے مدد انہیں سے طلب کرتے تھے اور بارش برسانے اولاد

دیے مشکلوں کو حل کرنے کی درخواست انہیں سے کرتے تھے۔ اور اعتراض کی صورت میں وہ یہ جواب دیتے تھے کہ ان کے یہ بزرگ جن کے یہ مجسمے ہیں انکی بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرینگے۔ یہ صرف غلط توجیہ تھی۔

لہذا آیت اللہ روح اللہ الخمینی کے قاعدہ کلیہ کے مطابق اور شیخی مبلغ اشیر جاڑوی کی وضاحت کی روشنی میں مشرکین عرب کو بھی ہرگز ہرگز مشرک نہیں کہنا چاہیے چونکہ وہ خدا کو ہی خدا مانتے تھے اور آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہ خدا ہی کو مانتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ ان بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ جبکہ خدا نے قرآن نے اور پیغمبر گرامی اسلام نے واضح الفاظ میں ان کو مشرک کہا ہے۔

لہذا آیت اللہ موصوف کے اس کلیہ کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ۔ اگر کوئی کسی غیر اللہ سے غیر اللہ کے عنوان سے مدد مانگے تو وہ مشرک نہیں ہے چاہے وہ غیر اللہ زندہ ہو یا مردہ لکڑی کا ہو یا پتھر کا" بلکہ ماننا پڑے گا کہ شرک کے کچھ دوسرے اسباب ہیں جس کا بیان ہم آگے چل کر اپنے مقام پر کرینگے۔

لیکن بقائے روح کے ثابت ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ارواح کے باقی رہنے کی وجہ سے انکو مشکل کشائی کی قدرت عطا کر دی ہے۔ اور معجزات کو دلیل میں پیش کرنا بالکل مفوضہ کی دلیل ہے انہوں نے بھی ان ہستیوں کے معجزات کو ہی دلیل بنا کر یہ عقیدہ بنایا تھا۔ کہ خدا نے انہیں اپنے تمام کام سپرد کر دیے ہیں۔ اور یہ حضرات مشکل کشائی کی قدرت رکھتے ہیں۔

اور مفوضہ کے بارے میں تمام شیعہ فرقے متفق ہیں کہ وہ مشرک ہیں۔ حالانکہ وہ بھی اللہ ہی کو اپنا خدا مانتے ہیں اور ان حضرات سے غیر اللہ کے عنوان سے ہی مدد مانگتے ہیں اور ان سے دعائیں کرتے ہیں اور اپنی حاجات طلب کرتے ہیں لہذا غیر اللہ کے عنوان سے

مدد مانگنے دعائیں مانگنے اور حاجات طلب کرنے کی صورت میں انہیں مشرک نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن امام علیہ السلام نے انہیں مشرک کہا ہے اور تمام شیعہ فرقے فرمان امام کیمطابق ان کو مشرک مانتے ہیں۔

لہذا ارواح انبیاء و آئمہ سے درخواست کرنے کا طریقہ بھی یہ ہے کہ ان سے اسی طرح التماس دعا کیلیے درخواست کی جائے جس طرح انکی زندگی میں درخواست کی جاتی تھی کہ مولا آپ میرے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا کریں کہ وہ مجھ کو اولاد دے رزق میں فراخی کرے میری مشکلات کو حل فرمادے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہابی حضرات ارواح انبیاء و آئمہ سے اس قسم کی درخواست کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ لہذا انکی رد میں روز بدر ارشاد پیغمبر اور صفین سے پلٹتے ہوئے امیر المومنین کا کوفہ کے قبرستان میں مردوں کا ارواح سے خطاب اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ ارواح نہ صرف باقی رہتی ہیں بلکہ انکا جسم کے ساتھ بھی رابطہ رہتا ہے اور وہ ان سے خطاب کرنے والوں کی بات سنتی ہیں اور اگر انہیں اجازت ہو تو وہ جواب بھی دے سکتی ہیں لیکن وہابیوں کے جواب کی آڑ میں مفوضہ والی بات یا شیخیوں والی بات یا صوفیوں والی بات منوانا قابل قبول نہیں ہے

دراصل کسی غیر اللہ کو اللہ ماننا غلو ہے اور غلو کفر ہے اور خدا کے کارھائے ربوبی میں کسی کو شریک گردانا اور یہ عقیدہ اپنانا کہ یہ کام یہ ہستیاں کرتی ہیں۔ یہ تفویض ہے یعنی خدا کے کارھائے ربوبی کے بارے میں یہ عقیدہ اپنانا کہ یہ ہستیاں ہی یہ کارھائے ربوبی انجام دیتی ہیں یہ شرک ہے اور اس بات کا اعلان اور اظہار خداوند تعالیٰ نے روز الست اپنی ربوبیت کا اقرار لیتے وقت کر دیا تھا۔ جس کا بیان آگے آتا ہے۔

روز الست اقرار ربوبیت کا بیان

خداوند تعالی سورہ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے

"واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهررهم ذریتهم و اشهدهم علی انفسم ، الست بربکم قالوا بلیٰ شهدنا ان تقولوا یو م القیامه ان کنا عن هذا غافلین ، او تقولو ا انما اشرک آباونا من قبل و کنا ذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون " (الاعراف۔172-173)

ترجمہ اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتون سے (پیدا ہونے والی اولاد) کی ارواح کو نکالا اور خود ان کے اپنے نفسوں پر گواہ بنا کر ان سے پوچھا اور یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے (یہ اقرار ہم نے اس لئے لیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم قیامت کے دن یوں کہنے لگو کہ (ہم کیا کرتے) ہمارے تو باپ داداؤں نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا۔ اور ہم تو ان کے بعد ہونے والی اولاد تھے اور ان کے بعد دنیا میں آئے تھے تو کیا تو ہمیں ان لوگوں کے جرم کی سزا میں ہلاک کرے گا۔ جو باطل پر عمل کرنے والوں نے کیا تھا۔

یہ آیت بھی آدم کی اروح کی خلقت کو بیان کر رہی ہے اس آیت میں لفظ "اذ" اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ یہ واقعہ کبھی زمانہ ماضی میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اور یقینی طور پر خدا نے زمانہ ماضی میں جسکا اگر تعین کرنا ہو تو ہم اسے روز الست کہیں گے۔

عالم ذر میں یا عالم ارواح میں بنی آدم کی پشتوں سے پیدا ہونے والی تمام اولاد کی ارواح کو خلق کر کے یکبارگی ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔

بنی آدم کی ان ارواح میں نبی ہونے والی روحیں رسالت کے منصب پر فائز

ہونے والی روحیں، امامت کے منصب پر فائز ہونے والی روحیں، اولیاء وصدیقین وشھداء و صالحین میں شمار ہونے والی روحیں۔ ایمان پر ثابت قدم رہنے والی روحیں ایمان لا کر پھر جانے والی روحیں۔ دنیا میں جا کر کفر اختیار کرنے والی روحیں نفاق سے کام لینے والی روحیں، مشرکین کی روحیں اور فسق وفجور میں مبتلا ہونے والی روحیں سب شامل ہیں (اصول کافی) روح کی کسی زمانہ ماضی میں خلقت کے بارے میں تو بزرگ علماء کے درمیان اختلاف ہے لیکن مرنے کے بعد روح کی بقا کے بارے میں تمام علمائے شیعہ بلکہ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے: لیکن ارواح کی خلقت کے بارے میں علمائے شیعہ کے درمیان اتفاق نظر نہیں آتا ہے۔

ایک گروہ زمانہ ماضی میں روز الست تمام بنی آدم کی ارواح کی خلقت کا قائل ہے اور وہ سورۃ اعراف کی مذکورہ آیت نمبر 172-173 کے علاوہ معصومین علیھم السلام کی احادیث واخبار کو بھی اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

لیکن علمائے شیعہ کا دوسرا گروہ ارواح کی خلقت کو مراحل خلقت میں سے چھٹے مرحلہ پر پیدائش کا وقت سمجھتا ہے۔ اور وہ چھ مراحل یہ ہیں۔ اول نطفہ دوم علقہ، سوم مضغہ، چہارم عظام پنجم عظام پر لحم کا چڑھانا اور چھٹے مرحلہ میں فخلفناہ خلقاً آخر کی منزل میں روح پیدا ہوئی۔ یہی فلاسفہ شیعہ خصوصاً ملا صدرا کا نظریہ ہے کہ روح عناصر کے ایک زمان ومکان میں مکانیکی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔

روح کی خلقت کا بیان

مادہ پرستوں کے نزدیک زندہ چیزوں میں حیات صرف مادہ کے زمانہ اور مکانی رابطے اور انکی باہمی وضعی کیفیت وابستگی وپیوستگی کا نام ہے، وہ روح کے استقلال اور اصلیت

کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اسے صاحب حکمت خالق کی مخلوق نہیں سمجھتے۔ انکا نظریہ ہے کہ اس کائنات کی تمام زندہ مخلوق چاہے وہ نباتات ہوں یا حیوانات وانسان ان کی تخلیق میں جو منظم حساب وکتاب اور حکمت کارفرما ہے وہ سب مادہ کی حرکت کا نتیجہ ہے اور بے شعور اتفاق کی پیداوار ہے اگر مادہ کے اجزاء مخصوص زمانی ومکانی رابطہ پیدا کرلیں تو وہ ذی روح ہو جاتے ہیں ۔اور روح انہیں اجزائے ذی روح کے رابطہ کا نام ہے اور جب یہ رابطہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ بے روح ہو جاتا ہے۔

پس مادئین کے نزدیک روح مادہ کے فعل وانفعال سے پیدا ہوتی ہے اور مادہ کے زمانی ومکانی رابطہ کے ختم ہو جانے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے لہذا ان کے نزدیک روح باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔

لیکن مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک روح خالق حکیم کی ایک بالکل علیحدہ مخلوق ہے۔ جو اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ یہ ایک عرصہ تک جسم کے ساتھ دنیا میں رہتی ہے اور جب مقررہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو خداوند تعالی اپنے بھیجے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ واپس بلالیتا ہے پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ

"تمہیں بقا کے لئے خلق کیا گیا ہے فنا کے لئے نہیں"

لہذا روح انسان کے مرنے سے لیکر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے تک عالم برزخ میں رہتی ہے اور دنیا میں اپنے کئے ہوئے اعمال کا نتیجہ دیکھتی ہے۔ نعمتوں میں رہتی ہے یا عذاب میں رہتی ہے۔ اور آخر میں جب خدا سب مردوں کو زندہ کریگا تو روح کو اس کے جسم میں داخل کر کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کھڑا کریگا۔ اور پھر حساب وکتاب اور روز محشر کے سوال وجواب کے بعد یہ روح اپنے جسم کے ساتھ یا ہمیشہ جنت میں رہے گی یا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگی ۔اور بعض ارواح ایسی بھی ہونگی جو اپنے جسم کے ساتھ کچھ عرصہ اپنے اعمال

کی وجہ سے دوزخ میں رہنے کے بعد خداوند تعالیٰ کے اذن سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گی اور پھر وہ بھی ہمیشہ جنت میں رہیں گی۔

پس مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک روح ایک علیحدہ مخلوق ہے۔ روح کا ایک مستقل وجود ہے۔ روح نور ہے روح فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ باقی رہتی ہے مرنے کے بعد عالم برزخ میں رہتی ہے۔ قیامت کے دن دوبارہ جسموں میں داخل ہو کر یا جنت میں جائیگی یا دوزخ میں رہے گی۔

روح کی خلقت کے بارے میں اختلاف

مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کے درمیان بھی روح کی خلقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت روح کے جسموں کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے یا چودہ ہزار سال پہلے یا کئی ہزار سال پہلے عالم ارواح میں خلق ہونے کی قائل ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک ہر انسان کی روح اس کے جسم کی تکمیل کے بعد خلق کر کے اس میں پھونکی جاتی ہے علامہ محمد تقی فلسفی اپنی کتاب ،معاد، میں ان دونوں نظریات کو بایں عنوان بیان کرتے ہیں

روح کی تخلیق کے بارے میں دو نظریے

جو لوگ روح کو ایک خلق شدہ چیز اور حادث مانتے ہیں انکی پیدائش کے بارے میں ان کے دو نظریے ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ روح کی تخلیق بدن کی پیدائش سے پہلے ہوئی اور بدن کے ختم ہو جانے کے بعد روح باقی اور پائیدار رہتی ہے۔ بنا بریں ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق روح ''روحانیۃ الحدوث'' بھی ہے اور روحانیۃ البقا'' بھی ہے (یعنی علیحدہ سے مستقل طور پر پہلے سے روح ہی خلق ہوئی ہے اور

علیحدہ سے مستقل طور پر باقی رہنے والی مخلوق ہے۔ جو پیدائش کے وقت جسم میں داخل کیجاتی ہے اور موت کے وقت نکال لی جاتی ہے موت سے قیامت تک عالم برزخ میں رہے گی۔ اور قیامت کے بعد دوبارہ انہیں جسموں میں پھر داخل کر کے ان جسموں کو زندہ کیا جائیگا۔ پھر جنت یا دوزخ)

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کی روح اس کے جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اور اسکی پیدائش نطفہ کے مختلف مراحل طے کرتے جسم کے مسلسل متغیر رہتے اور مادہ کے انتہائی ارتقاء کی صورت میں ہوتی ہے اس لئے ان کے نزدیک انسانی روح "جسمانیۃ الحدوث" ہے اور روحانیۃ البقا" ہوتی ہے

(ترجمہ کتاب معاد علامہ محمد تقی فلسفی ص 235)

اس نظریہ میں جو جسمانیۃ الحدوث کہا گیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جسم انسانی اپنی خلقت کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا پہلے نطفہ سے علقہ یعنی منجمد خون بنتا ہے پھر مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر وہ گوشت کا لوتھڑا عظام یعنی ہڈیوں میں بدل جاتا ہے۔ ان ارتقائی منازل میں اور مراحل خلقت میں سے آخری مرحلہ روح کی خلقت کا ہے

اور روحانیۃ البقا" کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ روح جب پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ باقی رہتی ہے اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مولف "معاد" یعنی علامہ محمد تقی فلسفی اس موضوع کی مزید تشریح کرتے ہوئے اگلے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

جسم سے پہلے روح کی تخلیق

بعض مسلمان علماء اور فلاسفہ کا تعلق پہلے گروہ سے ہے اور وہ جسم کی تخلیق سے پہلے روح کی تخلیق کے قائل ہیں مرحوم شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا

ہے یہ علماء اپنے موقف کے ثبوت میں پیشوایان اسلام کی بعض روایات سے استشہاد کرتے ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ایک یہ حدیث بھی ہے "خلق الله الارواح قبل الاجساد بالفی عام" خدا نے اجسام کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کو پیدا کیا۔ (ترجمہ کتاب معاد علامہ محمد تقی فلسفی ص 236)

شیخ مفید کا مذکورہ نظریہ سے اختلاف

آقائے علامہ محمد تقی فلسفی۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے مذکورہ نظریہ کے خلاف شیخ مفید علیہ الرحمہ کا نظریہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: شیخ مفید نور اللہ ضریحہ عقائد صدوق کی شرح میں بیان فرماتے ہیں:

"واما ما زکره ابو جعفر و روی ان الارواح مخلوقة قبل الاجساد بالفی عام فما تعارف منها ائتلف وما تنا کر منها اختلف ، فهو حدیث من الاحاد وخبر من فرق الا فراد وله وجه غیر ماظنه وهو الله خلق الملائکه قبل البشر بالفی عام فما تعارف منها قبل خلق البشر ائتلف عنه ومالم تعارف منها اذ ذاکر اختلف بعد خلق البشر"

ترجمہ: جو کچھ ابو جعفر (شیخ صدوق) نے کہا ہے اور روایت بیان کی ہے کہ اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل روحوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہ حدیث احاد میں سے ہے اور افراد کے ذرائع کی خبر میں سے ہے۔ اور اسکا معنی وہ نہیں ہے جو شیخ صدوق نے سمجھا ہے۔ ایسی رویات میں روح سے مراد ملائکہ ہیں جنہیں خلاق کائنات نے بشر کی تخلیق سے دو ہزار قبل خلق فرمایا ہے۔ جن کی دنیاوی تخلیق سے پہلے باہم آشنائی ہوگئی وہ تخلیق انسانی کے بعد اس سے جا ملے اور جن کی آشنائی نہیں ہوئی وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

(ترجمہ کتاب معاد علامہ محمد تقی فلسفی ص 236)

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر روح جسم انسانی کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے یا کئی ہزار سال پہلے خلق نہیں ہوئی۔ تو پھر کب خلق ہوئی؟ اس کے بارے میں فاضل مولف معاد اگلے عنوان کے تحت اسطرح لکھتے ہیں۔

روح کی جسم کے ساتھ تخلیق

بعض مسلمان علماء اور فلاسفہ کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے جو روح کو "جسمانیة الحدوث" اور "روحانیة البقا" سمجھتے ہیں اور مرحوم صدر المتالھین شیرازی اسی دوسرے گروہ سے ہیں وہ اس بحث میں "حرکت جوہری" کو اپنے استدلال کی بنیاد اور اصل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "روح ایک مجرد چیز ہے وہ جسم کے ارتقائی منازل طے کرنے اور مادہ کے تبدیلی اختیار کرنے کی وجہ سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اور ایک آیت کے ضمن میں ایک مختصر جملہ کے ساتھ اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ "خداوند عالم نے قرآن شریف میں رحم مادر میں انسانی نطفہ کے مختلف مراحل طے کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ہم نے نطفہ کو علقہ بنایا علقہ کو گوشت کا لوتھڑا بنایا اس لوتھڑے سے ہڈیاں پیدا کیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر فرمایا۔ "ثم انشاناہ خلقا آخر" آخر مرحلہ میں اس نطفہ میں ہم نے تبدیلی کی اور اس ترقی یافتہ جسم کو ایک مخلوق بنا دیا۔

(ترجمہ کتاب معاد علامہ تقی فلسفی ص 236)

مذکورہ نظریہ پر آقائے محمد تقی فلسفی کا تبصرہ

آقائے محمد تقی فلسفی مذکورہ نظریہ پر تبصرہ و تنقید کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں۔

اس نظریہ کے علماء و فلاسفہ کا نظریہ اول تو اس بنا پر غلط ہو گیا کیونکہ انہوں نے چھٹے مرحلہ کی

تکمیل کو روح کا پیدا ہونا سمجھ لیا۔ دوسرے جسمانی طور پر مختلف مراحل طے کر کے خلق ہونے والی مخلوق اس جسم کے ساتھ ہی فنا ہو گی۔ اس کی بقا کا نظریہ درست نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مادیین کا نظریہ ہے لہذا اسکی بقا صرف اسی صورت میں ہو گی جبکہ وہ علیحدہ طور پر مستقل وجود کی حیثیت سے روحانیۃ الحدوث ہو یعنی وہ ایک علیحدہ طور پر ایک مستقل وجود کی حیثیت سے ایک روح خلق کی گئی ہو۔ اور وہ جسم انسانی کی تکمیل؛ کے بعد اس میں پھونکی گئی ہو۔ پس یہی روح ''روحانیۃ البقاء'' ہو سکتی ہے چاہے دو ہزار سال پہلے خلق کی گئی ہو۔ یا جسم انسانی کی تکمیل کے بعد اسی وقت حکم خدا سے خلق ہونے کے بعد پھونکی گئی ہو ہر صورت میں یہ علیحدہ سے خلق شدہ مستقل نورانی مخلوق ہے اور اس بناء پر انسان کی خلقت کے چھٹے مرحلہ کو روح کی خلقت کا مرحلہ سمجھنا غلط ہے۔

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے برخلاف شیخ مفید علیہ الرحمہ کا یہ سمجھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کی ایسی روایات میں روح سے مراد ملائکہ ہیں جنہیں خالق کائنات نے بشر کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل خلق فرمایا ہے۔ جس کی دنیاوی تخلیق سے پہلے باہم آشنائی ہو گئی وہ تخلیق انسانی کے بعد اس سے جا ملے اور جن کی آشنائی نہیں ہوئی وہ ایک دوسرے سے جدا رہے

(ترجمہ کتاب معاد علامہ محمد تقی فلسفہ ص 234)

مذکورہ نظریہ پر ہمارا تبصرہ

علامہ محمد تقی فلسفی کی ملا صدرا کے نظریہ پر تنقید ملا صدرا کے فلسفہ کے گرویدہ حضرات کے لئے ایک سبق ہے۔ ملا صدرا نے اکثر فلسفہ یونان کو اسلامی بنانے کے لئے آیات قرآنی کو غلط طور پر بے دریغ چپکایا ہے اور اسی لئے اس وقت کے بزرگ علماء و مجتہدین ایران نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ چونکہ وہ مادہ کی حرکت جوہری کو روح کی

پیدائش کا سبب بتلاتے ہیں لہذا انہوں نے قرآن کی اس آیت کو جو خلقت انسانی کے چھ مراحل کو بیان کرتی ہے زبردستی غلط طور پر اپنے مطلب کے ثبوت میں چپکایا ہے۔ حالانکہ وہ آیت جو خلقت انسانی کے مراحل کو بیان کرتی ہے اس میں پہلا مرحلہ نطفہ کا ہے دوسرا مرحلہ علقہ کا ہے تیسرا مرحلہ مضغہ کا ہے چوتھا مرحلہ ہڈیوں کا ہے پانچواں مرحلہ ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ہے یہ پانچوں مرحلے انسانوں کے علاوہ حیوانوں میں بھی اسی طرح آتے ہیں اب چھٹا مرحلہ روح کے پھونکنے یا روح کے پیدا ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ " وصورکم فاحسن صورکم " چھٹا مرحلہ ہے۔ جسے دوسری جگہ " فاذا سویتہ " کہا ہے یعنی ہڈیوں پر چڑھے ہوئے گوشت پر نقش و نگار بنائے، اعضاء و جوارح نکالے اور ہونٹ، ناک، کان آنکھوں کو مناسب مقام پر بنایا اور اسے خوبصورت انسانی شکل و صورت عطا کی یہ انسانی خلقت کا چھٹا مرحلہ ہے اور جب اسے ٹھیک ٹھاک بنالیا تو پھر اس میں اپنی طرف سے پیدا کی روح کو پھونکا۔ ملا صدرا کے اپنے فلسفہ پر قرآنی آیات کے غلط طور پر چپکانے کا اکثر یہی حال ہے۔ ملا صدرا کے فلسفہ پر تنقید کے علاوہ آقائے محمد تقی نے دونوں بزرگ علمائے شیعہ کے بیان پر جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ اول تو روایت کے الفاظ قبل الاجساد یعنی جسموں کی تخلیق سے پہلے کا اقتضاء یہ ہے کہ اس سے مراد انسانی ارواح ہوں نہ کہ فرشتے۔

دوسرے روایت کے الفاظ " فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف " کے معنی یہ ہیں کہ دو ہزار سال پہلے جب انہیں خلق کیا گیا۔ تو ان ارواح میں اکٹھے رہتے ہوئے جن میں آپس میں آشنائی ہوگئی تھی ان میں دنیا میں بھی الفت رہی۔ اور جن میں اس وقت آشنائی نہیں ہوئی وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے جدا رہے۔

اگر ارواح سے مراد ملائکہ ہوں تو بشر کی خلقت سے پہلے ان کی بشر کے ساتھ

آشنائی کیسے ہوسکتی ہے۔ لہذا جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے کہ" ما تعارف عنھا قبل خلق البشر ائتلف" بشر کے خلق ہونے سے پہلے ملائکہ کی کسی سے آشنائی ہوئی غلط ہے۔ اور جو کچھ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور قرین عقل ہے۔ کیونکہ ارواح کے بارے میں ایک صحیح حدیث بھی ہے جو یہ ہے کہ جسے شیخ جعفر طوسی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے آیہ" جند ماھنا لک مھزوم من الاحزاب" میں واقع لفظ جند کے معنی کی تشریح میں بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر التبیان میں اس طرح نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا

" الارواح جنود مجندہ فما تعارف منھا ائتلف وما تنا کر منھا اختلف .

(تفسیر البیان جلد 8 ص 547)

یعنی روحیں جھنڈ کے جھنڈ اور جتھوں کی شکل میں رہتی ہیں پس جن کی اس وقت میں ایک دوسرے سے آشنائی ہوگئی ان میں دنیا میں آکر بھی الفت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جو روحیں اس وقت علیحد علیحدہ رہتی ہیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ اور جدا رہتی ہیں پس یہ روایت" خلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام" کی تائید کرتی ہے۔

بہر حال جو عالم ذر میں یا عالم ارواح میں اجساد سے دو ہزار سال پہلے یا کئی ہزار سال پہلے ارواح کی خلقت کے قائل ہیں وہ بھی بہت ہی بزرگ شیعہ علماء ومحدثین ہیں۔ اور جو عالم ارواح میں ارواح کی خلقت کے قائل نہیں ہیں وہ بھی بہت بزرگ شیعہ علماء و مجتہدین ہیں۔ چنانچہ آیت اللہ آقائے محمد حسین المرعشی الشہرستانی اپنی کتاب تریاق الفاروق میں عالم ذر یا عالم ارواح میں خلقت کے قائلین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" بسیاری از متشرعہ نیز قائل باں ہستند مانند علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہ وشیخ طوسی و شیخ کلینی و صدوق وغیرھم۔ نظر باخبار بسیاریکہ ممکن است تواتر آنھا۔ وعجب است از

انکار شیخ مفید و سید مرتضی این امر را با اینکہ دلیل معتبری از عقل و نقل بر خلاف آں نیست و از قدرت خدا بعید نیست" (تریاق الفاروق آیت اللہ محمد حسین المرعشی الشہر ستانی ص 27)

یعنی بہت سی احادیث و روایت کے مدنظر جو متواتر ہیں بہت سے متشرع یعنی علمائے شیعہ اثنا عشریہ بھی اس بات (یعنی عالم ذر میں ارواح کی خلقت یا جسموں سے دو ہزار سال پہلے ارواح کی خلقت) کے قائل ہیں جیسے علامہ مجلسی اعلیٰ اللہ مقامہ و شیخ طوسی، شیخ کلینی و شیخ صدوق وغیرھم اور شیخ مفید اور سید مرتضی کے اس بات سے انکار پر تعجب ہے۔ حالانکہ کوئی معتبر عقلی و حدیثی دلیل اس کے برخلاف نہیں ہے اور یہ بات خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

بہر حال عالم ارواح میں پہلے سے ارواح کی خلقت کا انکار کرنے والوں کی غلطی ثابت ہے اور اس سے یہ سبق ملا کہ عالم چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے غلطی ہو سکتی ہے اور بغیر کسی معقول دلیل کے آنکھیں بند کر کے کسی کی بات پر ایمان نہیں لے آنا چاہیے چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔

روح کے زمانہ ماضی میں خلق ہونے کے دوسرے شواہد

علامہ محمد تقی فلسفی نے اپنی کتاب معاد میں شیخ مفید کے اس نظریہ کو اس حدیث میں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے اجساد سے دو ہزار سال پہلے ارواح کو خلق کیا فرشتے مراد ہیں واضح الفاظ میں رد کر دیا ہے۔ اور ان کے یہ کہنے کے مقابلے میں کہ یہ حدیث احاد سے ہیں۔ ہم نے بھی ایک اور دوسری حدیث تفسیر البیان سے اس بات کی تائید میں پیش کر دی ہے کہ اس سے مراد فرشتے نہیں بلکہ ارواح بنی آدم کی خلقت کا بیان ہے۔ لیکن اس بات کے ثبوت میں کہ خداوند عالم نے ارواح بنی آدم کو عالم ارواح میں پہلے سے خلق فرمایا ہے اور بھی

کئی قرآنی اور حدیثی ثبوت موجود ہیں۔

نمبر 1۔ان میں سے ایک حدیثی ثبوت یہ ہے کہ جب کمیل ابن زیاد نے امیر المومنین علیہ السلام سے یہ کہا کہ مولا میرے نفس کی معرفت کرا دیجئے تو امیر المومنین نے فرمایا کہ تم کونسے نفس کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو کمیل ابن زیاد نے کہا یا امیر المومنین کیا نفس ایک سے زیادہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک کا نام نامیہ نباتیہ ہے دوسرے کا نام حسیہ حیوانیہ ہے اور تیسرے کا نام ناطقہ قدسیہ ہے اور چوتھے نفس کا نام امام علیہ السلام نے الکلیۃ الالھیۃ بتلایا اور پھر اس کے بارے میں فرمایا۔

" الکلیۃ الا لھیۃ ، وھی ھذہ التی مبدئہ من اللہ و الیہ تعود قال اللہ تعالیٰ ونفخت فیہ من روحی .وقال اللہ تعالیٰ . یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ و العقل وسط الکل"

(احسن العقائد ص 171-174 بحوالہ تفسیر صافی ص 224)

نفس کلیہ الھیۃ اور یہ وہ نفس ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے اور اللہ ہی کی طرف پلٹ جائیگا باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ آدم میں میں نے اس روح کو پھونکا جو میری خلق کردہ تھی۔ اس نفس کے متعلق باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نفس مطمئن میری طرف اس حالت میں پلٹ آ کہ تو اپنے رب سے راضی اور تیرا رب تجھ سے راضی اور عقل ان چاروں نفسوں کے حد اعتدال کا نام ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پہلے تین نفوس وہ قوئی ہیں جو مادئین کے قول کے مطابق مادہ کے فعل وانفعال سے پیدا ہوتے ہیں اور مادہ کے زمانی اور مکانی رابطہ کے ختم ہوجانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اور انکے نزدیک بھی یہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اور دراصل یہی وہ نفوس ہیں جن کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ کل نفس

ذائقة الموت" ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ورنہ وہ روح جو خدا کی طرف سے آتی ہے اور ادھر ہی لوٹ جاتی ہے اسے موت نہیں ہے اور وہ باقی رہتی ہے اور انسان کا جسم عنصری بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ منتشر ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ اور اس کی اصل محفوظ رہتی ہے۔ اور خدا قیامت کے دن اس جسم عنصری میں ہی روح داخل کر کے اٹھا کھڑا کریگا۔

بہر حال امیر المومنین علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ایک واضح حدیثی ثبوت ہے ارواح کے عالم ذر میں پہلے سے خلق شدہ موجود ہونے کا۔

نمبر 2: دوسرا قرآنی ثبوت کلمہ استرجاع ہے یعنی "انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرۃ -156) جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم نے اسی کیطرف لوٹ کر جانا ہے اور لوٹ جانا اور پلٹ جانا اسی کو کہا جاتا ہے جب کوئی چیز جہاں سے آئی تھی وہیں چلی جائے۔ پس یہ کہنے والی روح جو "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہ رہی ہے اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ میں یہاں کی رہنے والی نہیں ہوں لہذا میں جہاں سے آئی ہوں وہیں واپس لوٹ کر چلی جاؤنگی۔ اور سورۃ الفجر کی آیت نمبر 27 تا 30 میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہو رہا ہے۔

یا ایتھا النفس المطمئنہ . ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر 27 تا 30)

اے نفس مطمئن اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اس سے خوش وہ تجھ سے راضی تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

اس میں بھی ارجعی کا لفظ اس بات کا شارہ ہے کہ یہ روح جہاں سے آئی تھی وہیں لوٹ کر چلی جائے گی ہم کہتے ہیں "انا للہ وانا الیہ راجعون خدا کہتا ہے ارجعی الی ربک

نمبر 3: تیسرا قرآنی ثبوت بنی آدم کے وہ عہد و میثاق ہیں جو خداوند تعالی نے عالم ارواح

میں بنی آدم کی ارواح سے لئے۔ اور جن کا بیان خداوند تعالی نے قرآن کریم میں واضح الفاظ میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک عہد و میثاق اپنی ربوبیت کے بارے میں ہے۔ جس میں اس نے بنی آدم کی تمام ارواح سے یہ پوچھا کہ۔ الست بربکم "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب بنی آدم کی ارواح نے ایک زبان ہو کر "بلی" ہاں تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں استاد آیت اللہ جعفر سبحانی نے اپنی کتاب تفسیر موضوعی جلد دوم میں اسطرح لکھا ہے"آیت کا ظاہر یہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ گذشتہ زمانہ میں انجام پایا ہے اور اسکا گواہ "واذا اخذ ربک" ہے اور لفظ "اذ" ماضی کے لئے آتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں پیغمبر سے یا تمام لوگوں سے قرآن کا یہ خطاب نزول قرآن کے وقت میں ہے۔ جب کہ عہد کا ظرف اور پیمان لینے کا وقت گزشتہ زمانہ میں تھا۔ جہاں پر وہ کہتا ہے۔ اس وقت کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے اس کی نسل کو نکالا (تفسیر موضوعی جلد دوم ص 69)

میثاق روز الست کی ایک خاص بات

عالم ذر یا عالم ارواح کے میثاق اور اقرار روز الست یعنی "الست بربکم" میں ایک بات خصوصی طور پر قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالی نے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کے لئے خود ان ارواح کو ہی اپنے نفسوں پر گواہ بنایا۔ اور یہ کہا کہ " واشھدھم علی انفسھم۔ یعنی ان ارواح کو خود اپنے اوپر گواہ بنا کر یہ پوچھا کہ بتاؤ میں تمہارا رب ہوں یا نہیں۔ اور ان ارواح نے جواب میں کہا کہ" بلی شھدنا " ہاں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔ خدا نے یہ اپنی ربوبیت کی گواہی کیلیے خود ان ارواح کو ہی خود ان کے اوپر

گواہ کیوں بنایا؟ میں اس بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ارواح قید جسم سے آزاد تھیں اور اپنے وجود کو پہچان کر انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔ اور اسی لیئے سید الموحدین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ ان ارواح کو جو قید جسم سے آزاد تھیں خود کو پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ اور انہوں نے اپنے رب کو پہچان کر فوراً کہہ دیا کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔

پھر اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کی دو وجوہات یا دو اسباب یا دو علتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "ان تقولو ایوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین" یہ عہد ہم نے تم سے اس لئے لیا ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ تو ہمارا رب ہے۔

اور دوسری وجہ یہ بتلائی کہ:

او تقولو انما اشرک آباؤنا من قبل و کنا ذریہ من بعدھم افتھلکنا بما فعل المبطلون"۔ یا کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے ہمارے آباؤ واجداد نے شرک کیا تھا۔ اور ہم تو ان کے بعد ہونے والی اولاد تھے کیا تو اس کے سبب سے ہمیں بھی ہلاک کرے گا جو باطل لوگوں نے کیا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں تحقیق کے ساتھ ثابت ہیں اول یہ کہ خدا نے اپنے خدا ہونے کا اقرار نہیں لیا بلکہ عالم ارواح میں بھی اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شرک افعال ربوبی کو کسی میں ماننے سے ہوتا کسی کو خدا ماننے سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ جو خدا کے سوا کسی اور کو خدا مانے اس کو خدا نے قرآن نے اور آئمہ اطہار نے کافر کہا ہے اور جو کارھائے ربوبی

میں کسی کو شریک گردانے وہ شرک ہوتا ہے۔

دوسرے کوئی شخص اپنے شرک کے لئے قیامت میں دو ہی عذر کر سکتا تھا۔ ایک یہ کہ میں تو اس بات سے بے خبر رہا کہ تو میرا رب ہے۔ لہذا خدا نے روز الست یہ اقرار لے کر سمجھا دیا کہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تو ہمارا رب ہے۔ اور دوسرا عذر جو کوئی شخص قیامت کے دن پیش کر سکتا تھا وہ یہ تھا کہ ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے شرک کیا تھا اور ہم تو بعد میں آنے والی اولاد تھے لہذا ہم نے ان کے دیکھا دیکھی انکی پیروی کی۔

اس عہد و پیمان میں عالم ارواح میں ہی انہیں بتلا دیا گیا کہ تمہارے لئے ایک قیامت کا دن ہے جس میں تم سے پوچھا جائیگا۔ اور اپنے عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے حجت تمام کر دی اب کوئی قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکے گا کہ ہم کو اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ تو ہمارا رب ہے اور نہ ہی اپنے آباؤ اجداد کی شرک میں پیروی کا عذر کر سکے گا۔

بہر حال ہمارے اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا ہے کہ پیغمبرؐ کا مشرکین کے ساتھ اختلاف خدا کے بارے میں یا اس کے خالق ہونے کے بارے میں نہیں تھا۔ بلکہ وہ دوسروں میں صفات ربوبی کے قائل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ استاد آیت اللہ جعفر سبحانی نے اپنی تفسیر موضوعی میں لکھا ہے کہ:

"مسلمہ طور سے مشرکین کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کا اختلاف توحید در خالقیت کے مسئلہ میں نہیں تھا۔ کیونکہ گزشتہ آیات کی گواہی کے مطابق وہ خدا کے علاوہ اور کسی خالق کے قائل نہیں تھے۔ لہذا لازمی طور پر انکا اختلاف خالقیت کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں تھا اور وہ وہی امور آفرینش کے ادارہ کرنے کا مسئلہ ہے یہ سارے جہاں کا ادارہ کرنا ہو یا اس کے ایک گوشہ کا" (تفسیر موضوعی استاد آیت اللہ جعفر سبحانی جلد دوم ص 259)

پس اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مشرکین عرب خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی کو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا خالق مانتے تھے ان کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے بزرگ جن کے یہ مجسمے یا بت ہیں ہماری شفاعت کرینگے (یونس-1180) اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کو ہی اپنا خدا مانتے تھے۔ ان کا شرک اس بات میں تھا کہ وہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا نے اپنے کارھائے ربوبی میں سے کچھ یا تمام کام ان کو سپرد اور تفویض کر دیے ہیں۔ لہذا وہ ان سے بارش کے برسانے۔ اولاد کے دینے اور مشکلات کے حل کرنے اور مصائب کے ٹالنے کے لئے ان کے سامنے خضوع وخشوع کرتے تھے اور ان سے ہی دعائیں مانگتے تھے اور بس یہی انکی عبادت تھی۔ لہذا اسطرح شرک در افعال کے ساتھ شرک در عبادت کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔

کیونکہ شرک کا اصل مسئلہ خدا کے کارھائے ربوبی میں دوسروں کو شریک کرنے سے متعلق تھا۔ لہذا خدا نے روز الست ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تا کہ قیامت کے دن اس بات سے بے خبری یا اپنے باپ داداؤں کے مشرک ہو جانے اور انکی اولاد ہونے کی حیثیت سے انکی پیروی کرنے کا عذر نہ کرسکیں۔

اور اسی لیے قبر میں بھی جو سب سے پہلا سوال ہوگا وہ یہ ہوگا کہ "من ربک" تیرا رب کون ہے؟ کیونکہ بہت سے لوگ اپنی زندگی میں خدا کے علاوہ دوسروں کے لئے کارھائے ربوبی کی تفویض کا عقیدہ اپنا کر شرک کا ارتکاب کرتے رہے لہذا قبر میں سب سے پہلے یہی سوال ہوگا کہ بتلاؤ تمہارا رب کون ہے؟ اور یہی بات آیت سخرہ کے پہلے حصہ میں بتلائی گئی ہے۔ کہ بلا شک وشبہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دونوں میں پیدا کیا ہے۔ اور یہی بات اپنے مقام پر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کے نزدیک بھی جن سے خطاب ہے وہ اللہ ہی کو آسمانوں اور زمیں کا خالق مانتے تھے اور انکا

شرک کارھائے ربوبی میں تفویض کا عقیدہ اپنانے کے بارے میں تھا۔

باب دوم

"ثم استوی علی العرش"

پھر وہ عرش پر غالب آ گیا۔

عرش کے معنی لغت میں تخت کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ "ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین" تم میں سے کون ایسا ہے جو اس کا تخت اس سے پہلے لے آئے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس آئیں۔ اور اصطلاح میں حکومت اور اقتدار کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے: جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ یا فلاں تخت نشین ہوا یعنی اسکی حکوت قائم ہوگئی۔ پس اس طرح" ثم استوی علی العرش" کے معنی یہ ہوئے کہ اسکا فرمان جاری ہو گیا اور اسکا حکم آسمانوں اور زمین میں چلنے لگا۔

یہ جملہ لفظ"ثم " سے شروع ہوتا ہے اور عربی زبان میں لفظ"ثم" اس وقت بولا جاتا ہے جب ایک کام مکمل کر لیا ہو اور پھر دوسرا کام شروع کیا جائے۔ اس لئے اردو زبان میں ثم" کا ترجمہ پھر یا اس کے بعد کیا جاتا ہے۔ اور وہ کام جس کی تکمیل کے بعد دوسرا کام شروع ہوا۔ وہ پہلے مکمل ہونے والا کام ہے۔"خلق السموات والارض" آسمانوں اور زمین کی خلقت۔ قرآن کریم میں کئی مقام پر سموات کا لفظ الارض سے پہلے آیا ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ خدا نے آسمانوں کو زمین سے پہلے خلق فرمایا ہے جیسا کہ آج ہمارے منبروں پر" الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البیان" کے معنی بیان کئے جا رہے ہیں کہ رحمن نے قرآن پہلے پڑھایا اور انسان کو بعد میں خلق کیا۔

اور اس سے وہ مطلب نکالتے ہیں کہ خدا نے جس کو قرآن پڑھایا وہ انسان نہیں تھا۔ بلکہ اس کی نوع جدا تھی۔ حالانکہ یہ آیت تعلیم قرآن اور خلقت انسان کی ترتیب کے بیان کرنے والی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آیت جواب ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو ایک اجنبی آدمی آکر سبق پڑھاتا ہے اور پھر وہ ہمارے سامنے بیان کر دیتا ہے۔ خدا نے ان کے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ محمد کو قرآن کسی اجنبی آدمی نے نہیں پڑھایا بلکہ محمد کو قرآن رحمٰن نے پڑھایا ہے۔ اس آیت میں الرحمٰن مبتدا ہے اور اسکی خبر یہ ہے کہ رحمٰن نے ہی محمد کو قرآن پڑھایا ہے۔ اسی نے انسان کو خلق کیا ہے اور اسی نے محمد کو وحی کے ذریعہ قرآن کی توضیح و تفسیر کی تعلیم دی ہے۔

بہر حال سموات کا لفظ الارض سے پہلے بیان ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ جنہوں نے انسان کی خلقت سے پہلے قرآن پڑھایا یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں سے پہلے زمین کو خلق کیا ہے کیونکہ آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خدا نے یہ صرف انکی خلقت کو بیان کیا ہے ترتیب کو نہیں۔

وہ آیات جو آسمانوں اور زمین کی خلقت کی ترتیب کو بیان کرنے والی ہیں اسطرح ہیں۔

نمبر 1: هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوا هن سبع سموات و هو بکل شي عليم (البقرہ-29)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا (زمین کو اور جو کچھ اس میں ہے اس سب کو پیدا کرنے کے بعد) پھر وہ آسمانوں کے بنانے کی طرف متوجہ ہوا تو سات (مستحکم و ہموار) آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت واضح طور پر یہ بیان کر رہی ہے کہ خدا نے زمین کو اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسکو پہلے پیدا کیا، اور اسکے بعد آسمانوں کے خلق کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔

نمبر2: سورۃ حم السجدہ کی کچھ آیات اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کررہی ہیں ۔کہ خداوندتعالی نے زمین اور زمین میں جو کچھ ہے اسے پہلے خلق فرمایا ہے اور اسکی تکمیل کے بعد آسمانوں کو خلق کرنے کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ فرمایا۔

"قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون له انداداً ذالک رب العالمین ، وجعل فیھا اقواتھا فی اربعة ایام سواء للسائلین . ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاًقالتا اتینا طائعین فقضٰھن سبع سمٰوات فی یومین و اوحی فی کل سماء امرھا و زیننا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذالک تقدیر العزیز العلیم

(حم السجدہ 9 تا 12)

ترجمہ: اے رسول تم کہدو کہ کیا تم اسکا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اور تم ہو کہ دوسروں کو اسکا ہمسر (اور شریک) بناتے ہو۔ یہی تو (جس نے زمین کو دو دنوں میں خلق کیا ہے) سارے جہانوں کا رب (اور پروردگار) ہے اور اسی نے اس میں ایک مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست کیا۔ یہ سب کچھ چار دن میں مکمل کیا۔ اور اس میں سب حاجت مند طلبگار اور اپنی ضروریات کی چیزوں کے لئے سوال کرنے والے برابر کے حقدار ہیں۔

پھر وہ آسمان کو خلق کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھوئیں کی طرح تھا تو اس نے اس آسمان سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں میرے حکم تکوینی سے میری اطاعت کی طرف خوشی خوشی آؤ یا کراھت کے ساتھ تو دونوں نے عرض کی کہ ہم خوشی خوشی اطاعت کے لئے حاضر ہیں اور حکم کے پابند ہیں۔ پھر اس نے اس دھوئیں سے دو دنوں میں سات آسمان بنادیئے۔ اور ہر آسمان میں اس (کے انتظام) کا حکم کارکنان قضا وقدر کے پاس بھیج

دیا اور ہم نے نیچے والے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا اور (شیطانوں) سے محفوظ رکھنے کے لئے۔ یہ ایک واقف کار اور غالب کے اندازے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں میں خلقت کا بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں ان چھ دنوں کی بھی وضاحت کر دی ہے اور یہ بتلا دیا ہے کہ پہلے دو دنوں میں زمین کو خلق کیا۔ اس کے بعد دو دنوں میں زمین پر پہاڑ پیدا کئے اور اس میں برکت عطا کی۔ اور اس میں مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست کیا اور یہ سب کچھ یعنی زمین کا پیدا کرنا اور اس پر پہاڑوں کا پیدا کرنا اور اس میں خیر و برکت کے اسباب اور معیشت کے سامان کا بندوبست کرنا سب ملا کر چار دنوں میں مکمل کیا۔ اور معیشت کے اس سامان میں سب برابر کے حقدار ہے۔ اور زمین اور پہاڑوں کے خلق کرنے کے بعد آسمانوں کے خلق کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں دو دنوں میں خلق فرمایا۔ اس طرح چھ دن پورے ہوئے۔ اور آسمانوں کی خلقت کے بعد اسے چراغوں سے مزین کیا۔ یعنی چاند سورج اور ستارے پیدا کیے۔ یعنی سورج چاند اور ستارے آسمانوں کی بھی خلقت کے بعد پیدا کیے گئے۔ لہذا غور طلب بات یہ ہے کہ چونکہ دنوں کی مقدار سورج کے حساب سے اور زمین کی محوری گردش کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ تو جب سورج خلق ہی نہ ہوا تھا تو یہ دو دن اور چار دن اور چھ دن کس حساب سے متعین ہوئے تو اکثر مفسرین نے یہاں دنوں سے مراد مرحلے یا ادوار لئے ہیں۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی۔ یعنی اب تک کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے زمین خلق ہوئی پھر زمین میں پہاڑ اور سامان معیشت پیدا ہوئے۔ پھر آسمان پیدا ہوئے اور آسمانوں کے بعد سورج چاند ستارے پیدا ہوئے۔ آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ ان سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی۔

آسمانوں اور زمین سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی؟

خداوند تعالیٰ نے کائنات کی خلقت کا حال خود قرآن کریم میں اس طرح سے بیان کیا ہے۔

''وھو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملا'' (ھود-7)

اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں (ادوار) میں خلق کیا (آسمانوں کو اور زمین کی خلقت سے پہلے) اس کا عرش (یعنی حکومت و اقتدار) پانی کے اوپر تھا (اور آسمانوں اور زمین کے خلق کرنے کی غرض و غایت یہ تھی) کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے ازروئے عمل کے کون سب سے بہتر ہے۔

اس آیت میں لفظ'' لیبلوکم'' کا واضح مطلب یہ ہے کہ انسان ہی خدا کی خلقت کا وہ اصل شاہکار ہے جس کی خاطر اس نے ساری کائنات کو خلق کیا ہے گویا اس وقت جب نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ چاند تھا نہ سورج تھا۔ نہ ستارے تھے، اس وقت اس کے علم ازلی میں یہ تھا کہ وہ انسان کو پیدا کرے گا۔ جو صاحب عقل و شعور ہوگا جو صاحب ارادہ و اختیار ہوگا اور وہ اس کی خلقت کا شاہکار ہوگا۔ اسی لئے اس کو خلق کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ

''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' (المومنون-19)

''برکتوں والا ہے وہ اللہ جو بہترین خلق کرنے والا ہے''

لہذا اس نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کے راحت و آرام اور اسکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ساری کائنات کو پیدا کیا تا کہ آزمائے کہ ان میں سے ازروئے عمل کے کون بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان ہی ھدف خلقت۔ غرض آفرینش اور علت غائی کائنات ہے۔ اور'' کان عرشه علی الماء'' کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس

وقت کائنات کی خلقت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اس نے پانی کو خلق فرمایا۔ اور چونکہ پانی سے پہلے کوئی مخلوق خلق شدہ موجود نہیں تھی لہذا پانی کی خلقت کے بعد خدا کا عرش پانی ہی کے اوپر تھا یعنی اس وقت پانی ہی کے اوپر اس کا حکم چل رہا تھا۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی میں ہے کہ:

یہ ذکر ابتدائے خلقت کا ہے کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند تعالی نے کل چیزوں کو اپنے علم سے پیدا کیا۔ بلا اس کے کہ اسکی کوئی مثال پہلے سے موجود ہو۔ چنانچہ آسمانوں کو اور زمین کو بالکل نیا پیدا کیا حالانکہ قبل اسکے نہ کوئی آسمان تھا اور نہ زمین کیا تم نے نہیں سنا کہ خداوند فرماتا ہے۔

(حاشیہ مقبول ترجمہ ص 44 بحوالہ تفسیر قمی واصول کافی)

اسی صفحہ کے حاشیہ پر اس کے آخر میں لکھتے ہیں

حدیث قمی میں ہے کہ وہ پانی ہوا پر تھا اور ہوا کی کوئی حد نہ تھی اور ان دو چیزوں کے سوا اس وقت کوئی اور مخلوق نہ تھی۔ اور وہ پانی میٹھا اور صاف تھا۔ (حاشیہ مقبول ترجمہ ص 44)

اور تفسیر التبیان میں ''ثم استوی الی السماء'' کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے کہ:

وقولہ ثم استوی الی السماء یفید انہ خلق السماء بعد خلق الارض و خلق اقوات فیھا وانما جعل اللہ السموات اولاً دخاناً ثم سبع سموات طباقا ثم زینھا بالمصابیح'' (تفسیر التبیان جلد 9 ص 110)

یعنی خداوند تعالی کے اس قول کا کہ پھر وہ اسمان کیطرف متوجہ ہوا یہ مطلب ہے کہ خداوند تعالی نے آسمانوں کو زمین اور اس میں اس کی اقوات کو پیدا کرنے کے بعد خلق فرمایا اور پہلے خدا نے آسمانوں کو دخان یا بخارات بنائے پھر ان کو سات آسمان طبق در طبق بنائے۔ پھر آسمان کو چراغوں (سورج چاند ستاروں) کے ساتھ مزین کیا۔

اور تفسیر فصل الخطاب میں " وكان عرشه على الماء " کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے۔

پہلا جز تو متعدد مرتبہ آ چکا ہے۔ اس کے بعد خاص چیز یہ کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی آسمان وزمین کی خلقت سے پہلے، اس سے ظاہر ہے کہ علمائے ریاضی کا یہ تصور کہ عرش قرآن نے آسمان ہفتم فلک الافلاک ہی کو کہا ہے درست نہیں ہے۔ بلکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جب آسمان نہ تھے تب بھی عرش تھا۔ اور وہ پانی پر تھا اس سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ عرش اسطرح سے جسمانی قسم کی چیز نہیں ہے۔ جسے ہم مادی نوعیت میں تبدیل کریں۔ بلکہ جلال و جبروت الٰہی کا بلندترین مرکز جو کائنات پر حاوی ہے وہی عرش ہے اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آسمان وزمین سے پہلے کائنات میں پانی تھا۔ یہ نہج البلاغہ میں جو تخلیق عالم کی کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے بالکل مطابق ہے۔

تاکہ انہیں آزمائے اس کا تعلق کاہے سے ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف ہے۔ یعنی آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد پھر تمہیں پیدا کیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے مگر یہ محذوف جزء چونکہ سلسلہ کلام سے سمجھ نہیں آتا اس لئے وہ اصول نظم کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے۔ کہ: یہ سب چیزیں میں نے اس لئے پیدا کی ہیں کہ تمہاری آزمائش کی جائے کہ تم اس سب سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہو۔ یہ معنی ظاہر الفاظ سے زیادہ سے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں"

(تفسیر فصل الخطاب جلد 4 ص 118)

اور تفسیر در نجف میں " وكان عرشه على الماء " کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے۔

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پانی اور عرش پہلے تھے اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جہاں ابتدائے خلق عالم کا واقعہ بیان

[illegible]ہے۔اس میں بھی یہی ہے کہ خدا نے ہوا کو پیدا کیا جس نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے
[illegible]ھاگ بنائی اور وہ منجمد ہو کر زمین بنی اور زمین کے بخارات اٹھ کر آسمان بنے۔چونکہ باقی
[illegible]ب کائنات کی خلقت کی ابتداء پانی سے ہوئی ہے تو عرش کا پانی کے اوپر ہونے کا مقصد
[illegible]ید یہ ہوا کہ خدا کی سلطنت وحکومت اس پر محیط وغالب ہے"

(تفسیر در نجف جلد 7 ص 196-197)

[illegible]ور تفسیر عمدۃ البیان میں: وکان عرشه علی الماء ۔کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے

"اور تھا پہلے پیدا کرنے آسمانون اور زمین سے عرش اسکا اوپر پانی کے۔اس
آیت سے معلوم ہوا کہ عرش ور پانی آسمانوں اور زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔اور پانی
بعد عرش کے سب چیزوں سے پہلے پیدا ہوا۔

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 ص 50)

اور تفسیر عمدۃ البیان میں ہی۔"ان السموات والارض کانتا رتقا
ففتقنهما" کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے۔

"تھا عرش اسکا پانی پر اور پانی ہوا پر اور ہوا چلتی نہ تھی اور سوائے ان دونوں کے اس روز اور
کوئی خلقت نہ تھی اور پانی اس روز شیریں تھا۔جس وقت خدا نے ارادہ کیا کہ زمین کو پیدا
کروں ۔تو ہواؤں کو حکم کیا۔انہوں نے پانی میں جھونکے لگائے۔یہاں تک کہ پانی
میں ایک موج پیدا ہوئی اور پھر جوش کر کے ایک کف ہو گیا۔اس کو خدا نے بیت اللہ کی جگہ
میں جمع کیا۔پھر اس کا ایک پہاڑ کف کا بنایا۔اور اس کے نیچے زمین کو بچھایا۔چنانچہ فرماتا
ہے خدا کہ:"ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا". یعنی اول خانہ کعبہ
رکھا گیا ہے ۔واسطے آدمیوں کے البتہ وہ مکہ میں ہے کہ برکت کیا گیا ہے،اور بعد اس کے
خداوند تعالیٰ نے ڈھیل کی جس قدر منظور تھی اور جس وقت کہ آسمان بنانے کا ارادہ کیا تو حکم

دیا ہواؤں کو کہ انہوں نے دریاؤں کو جھوکے لگائے۔ یہاں تک کہ ان میں کف پیدا کیے۔ پس باہر نکلا اس موج اور کف کے درمیان سے دخان روشن بدون آگ کے۔ پس پیدا کیا اس سے آسمانوں کو اور پیدا کیا اس میں بروج ستارے اور منزلیں آفتاب مہتاب کی اور جاری کیا ان کو آسمان پر اور ہے آسمان سبز مثل رنگ پانی سبز کے اور ہے۔ زمین رنگ غبار مثل رنگ پانی شریں کے۔ اور دونوں بستہ تھے۔ ان میں دروازے نہ تھے آسمان کو تو باران سے پھاڑا اور زمین کو روئیدگی سے پھاڑا۔

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 ص 355-356)

بہر حال تمام مفسرین شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "وکان عرشه علی الماء" کا مطلب یہ ہے کہ پانی سے پہلے کائنات کی اور کوئی چیز خلق نہ ہوئی تھی۔ خداوند تعالی نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ پانی تھا۔ لہذا پانی کے اوپر ہی سب سے پہلے حکم چلایا اور پانی سے سب سے پہلے جو چیز پیدا ہوئی وہ زمین اور اس کے پہاڑ اور سامان معیشت پیدا ہوئے۔ پھر زمیں کو خلق کرنے کے بعد وہ آسمانوں کی خلقت کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں سات آسمان بنائے۔ اور سورج چاند ستارے آسمانوں کی خلقت کے بھی بعد پیدا کیے۔

یہ بات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے خطبہ اول میں بیان فرمائی جس کا عنوان یہ ہے

(یذکر فیها ابتداء خلق السماء والارض و خلق آدم)

اور یہی بات خطبہ نمبر 89 میں جو خطبہ اشباح کے نام سے مشہور ہے بیان فرمائی ہے اور امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں آسمانوں کی خلقت کے بعد فرشتوں کی خلقت کا بیان بھی فرمایا ہے۔ جو اسطرح ہے۔

فرشتوں کی خلقت کا بیان

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبہ اول میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ثم فتق مابین السموات العلا فعلاھن اطوارا من ملائکۃ، منھم سجود لا یرکعون و رکوع لا ینصبون و صافون لا یتزائلون و مسبحون لا یسامون لا یغشاھم نوم العین ولا سھو العقول ولا فترۃ الابدان ول غفلۃ النسیان" (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 1 ص 53)

پھر آسمانوں کی خلقت کے بعد بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور انکی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سے سر بسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اکتاتے نہیں ہیں۔ نہ انکی آنکھوں میں نیند آتی ہے۔ نہ انکی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے نہ انکے بدنوں میں سستی اور کاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ الخ (ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب)

امیر المومنین کا یہ خطبہ جہاں ثبوت ہے اس بات کا کہ فرشتے زمین اور آسمان کی خلقت کے بعد پیدا ہوئے وہاں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ آسمان میں رہنے والے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم نہیں تھا۔

اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ نمبر 89 میں جو خطبہ اشباح کے نام سے مشہور ہے۔ فرشتوں کی خلقت کو بیان کیا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"ثم خلق سبحانہ لاسکان سمواتہ و عمارۃ الصفیح الاعلی من ملکوتہ خلقا بدیعا من ملائکتہ.. الخ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 89 ص 244)

"پھر اللہ سبحانہ نے آسمانوں میں ٹھہرانے اور اپنی مملکت کے بلند طبقات کو آباد کرنے کے لئے فرشتوں کی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی اس نے آسمانوں کے وسیع راستوں کو گوشہ گوشہ بھر دیا۔ (ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

امیر المومنین علیہ السلام کے یہ دونوں خطبے بڑے مشہور بڑے طولانی اور بڑے ہی فصیح و بلیغ ہیں۔ جن میں آپ نے کائنات کی خلقت کا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ان دونوں خطبات میں واضح الفاظ میں فرشتوں کی خلقت کو آسمانوں کی خلقت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کو خدا نے زمین و آسمان، سورج چاند اور ستاروں کو خلق کرنے کے بعد خلق فرمایا ہے۔ لہذا زمین آسمان سورج چاند اور ستاروں کی خلقت میں فرشتوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اسی لئے خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء خدا کے وجود کی دلیل کے طور پر جو بات انتہائی زوردار طریقے سے کہتے تھے وہ آسمانوں اور زمین کی خلقت کا بیان تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"قالت رسلھم افی اللہ شک فاطر السموات والاض" (ابراہیم-10)

(یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اور ان کے بعد کی قوموں کے پاس جو رسول آئے انہوں نے انکا انکار کیا تو) ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ کیا تم کو خدا کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

بہر حال اب تک کے بیان سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ جس وقت خداوند تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو خلق فرمایا۔ اس وقت تک فرشتے وجود میں نہ آئے تھے۔ وہ پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ ان کو خدا تعالیٰ نے آسمانوں کی خلقت کے بعد خلق کر کے آسمانوں میں بسایا اور آباد کیا۔

لہذا قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے فرشتوں کا کوئی

تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور اسکی اس خلقت میں کوئی مخلوق بطور آلہ و سبب کے بھی شریک نہیں ہے۔ اور اسی لئے اس نے اسی تعلق سے خود کو حمد کے لائق و سزاوار ٹھہرایا اور فرماتا ہے

"الحمد الله فاطر السموات والارض (فاطر-1)

اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے حمد جو آسمانوں اور زمیں کا پیدا کرنے والا ہے۔

کائنات کی خلقت سے پہلے کا احوال

حجتہ السلام آیت اللہ فی الانام آقائے السید حسین علیین مکان اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں اقوال فلاسفہ کی رد میں حضرت علی علیہ السلام کی ایک دعا مھج الدعوات کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

" وانت الله لا اله الا انت كنت اذ لم تكن سماء مبنيه والارض مدحية ولا شمس مضية ولا ليل مظلم ولا نهار مضئ والبحر لجى ولا جبل راس ولا نجم سار ولا قمر منير ولا ريح تهب ولا سحاب يسكب ولا برق يلمع ولا نار تتوقد ولا ماء يطرد كنت قبل كل شى و ابتدعت كل شئى

(حدیقہ سلطانیہ ص 68)

ترجمہ: تو ہی وہ بے مثل و بے مثال خدا ہے کہ تیرے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ تو اس وقت بھی موجود تھا جب کہ نہ یہ آسمان کا نیلگوں شامیانہ تھا۔ نہ زمین کا فرش خاکی بچھایا گیا تھا۔ نہ یہ ضیا پاشی کرنے والا آفتاب پیدا ہوا تھا۔ نہ تاریک رات کا کہیں وجود تھا۔ اور نہ ہی یہ روشن دن وجود میں آیا تھا۔ نہ ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر تھا۔ نہ زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ تھے۔ نہ رواں دواں ستارے تھے۔ نہ نورانی چاند تھا نہ چلتی ہوئی ہوا تھی۔ نہ برستا ہوا بادل تھا۔ نہ چمکتی ہوئی بجلی تھی نہ جلتی ہوئی آگ تھی۔ نہ جاری رہنے والا پانی تھا۔ غرض کچھ نہ

تھا مگر تو ان چیزوں سے پہلے موجود تھا۔ تو نے ہی ہر شے کو خلق کیا ہے"

اس کے بعد آقائے علین مکان حدیقہ سلطانیہ کے اسی صفحہ پر نہج البلاغہ سے امیر المومنین علیہ السلام کے ایک اور خطبہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ میں فرمایا

"المعروف من غیر رویہ والخالق من غیر رویہ والذی لم یذل قائما دائما اذا لاسماء ذات ابراج ولا حجب ذات ارتاج ولا نیل داج ولا بحر ساج ولا جبل ذو فجاج ولا فج ذو اعو جاج والارض ذات مهاد ولا خلق ذو اعتماد ، ذالک مبتدع الخلق و وارثه واله الخلق ورازقه"

(حدیقہ سلطانیہ ص68)

وہ خدا کہ جسکی بغیر دیکھے معرفت وشناخت حاصل ہے اور جو بغیر تفکر اور سوچ بچار کے پیدا کرنے والا ہے، وہ خدا جو ہمیشہ قائم ودائم ہے۔ وہ اس وقت سے موجود ہے جبکہ نہ برجوں والا آسمان موجود تھا۔ اور نہ ہی دروازوں والے حجابات موجود تھے، نہ تاریک رات تھی، نہ ساکن سمندر تھا۔ نہ دروں والے پہاڑ تھے، نہ ٹیڑھے ہوئے راستے تھے۔ نہ بچھائی ہوئی زمین تھی۔ اور نہ ہی کوئی ایسی مخلوق تھی جس پر سہارا لیا جا سکتا ہو۔ غرض ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز موجود نہ تھی مگر خدا موجود تھا۔ یہی خدا اس ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور اسکا وارث اور مالک ہے اور یہی ساری مخلوق کا الٰہ اور اسکا رازق ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام ہی کا ایک خطبہ ہے جو خطبہ اشباح کے نام سے معروف ہے اس میں آپ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں

"قدر ما خلق فاحکم تقدیره ، ودبره فالطف تدبیره ، و وجهه لوجهته ، فلم یتعد حدود منزلته ولم یقصر دون الانتهاء الیٰ غایته ولم

يستصعب او امر با لمضی علی ارادته ، وكيف وانما صدرت الامور عن مشيته ، المتشئی اصناف الاشياء بلا رويه فكرال اليها ، ولا تريحية غريزه اضمر عليها والا تجربة افداها من حوادث الدهور ولا شريک رعانه علی ابتداع عجايب الامور فتم خلقه و، واذعن لطعته و اجاب الی دعوته

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر 89 ص 242-243 ترجمہ مفتی جعفر حسین)

ترجمہ: اس نے جو چیزیں پیدا کیں ان کا ایک اندازہ رکھا مظبوط و مستحکم اور انکا انتظام کیا عمدہ اور پاکیزہ۔ اور انہیں انکی سمت پر اسطرح لگایا کہ نہ وہ اپنی آخر منزل کی حدوں سے اگے بڑھیں۔ اور نہ منزل منتھی تک پہنچنے میں کوتاہی کی۔ جب انہیں اللہ کے ارادے پر چل پڑنے کا حکم دیا گیا۔ توانہوں نے سرتابی نہیں کی۔ اور وہ ایسا کر ہی کیونکر سکتی تھیں۔ جبکہ تمام اموراسی کی مشیت وارادے سے صادر ہوتے ہیں، وہ گونا گوں چیزوں کا موجد ہے بغیر کسی سوچ بچار کی طرف رجوع کیے۔ اور بغیر طبیعت کی کسی جولانی کے کہ جسے دل میں چھپا ہو۔ اور بغیر کسی تجربے کے کہ جو زمانے کے حوادث سے حاصل کیا ہو۔ اور بغیر کسی شریک کے کہ جوان عجیب وغریب چیزوں کی ایجاد میں اسکا معین ومددگار رہا ہوں۔ چنانچہ مخلوق (بن بنا کر) مکمل ہوگئی۔ اور اس نے اللہ کی اطاعت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور فوراً اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بڑھی"

اور دعائے یستشیر میں جسے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے اس طرح بیان ہوا ہے۔

"الحمدلله الذی لا اله هو الملک الحق المبين المدبر بلا وزير ولا خلق من عباده يستشير (دعائے یستشیر مفاتح الجنان فارسی ص 77)

تمام تعریفیں صرف اسی اللہ کے لئے ہیں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ جسکی

بادشاہی حقیقی اور ظاہر و واضح ہے جو کسی مددگار کے بغیر تمام امور کی خود ہی تدبیر کرتا ہے اور وہ اپنی کسی مخلوق سے رائے اور مشورہ کا محتاج نہیں ہے"۔

دعائے یستشیر میں ہی ایک مقام پر اسطرح آیا ہے کہ: "کنت قبل کل شئی و کونت کلی شئی و قدرت علی کل شئی وابتدعت کل شئی"

(دعائے یستشیر مفتاح الجنان ص 77)

یعنی اے خدا تو ہر چیز سے پہلے موجود تھا اور تو نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور تو نے ہی ہر چیز کو ابتدا کر کے نئے سرے سے پیدا کیا ہے۔ جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہیں تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام دعائے روز دوشنبہ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

"الحمد لله الذی لم یشهد احدا حین فطر السموات والارض ولا اتخذ معینا حین براء النسمات لم یشارک فی الالهیة ولم یظاهر فی الوحدانیة

(صحیفہ کاملہ ترجمہ مفتی جعفر حسین ص 442)

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ جب اس نے زمین آسمان کو پیدا کیا تو کسی کو اسکا گواہ نہیں بنایا اور جب جانداروں کو پیدا کیا تو اپنا کوئی مددگار نہیں ٹھہرایا۔ الوہیت میں کوئی اسکا شریک نہیں ہے اور وحدت (وانفرادیت سے مخصوص ہونے) میں کوئی اسکا معاون نہیں ہے۔

اب تک قرآن کریم کی آیات اور احادیث صحیحہ اور خطبات علویہ اور ادعیہ معصومین علیہم السلام سے جو کچھ ثابت ہوا ہے یہ ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا۔ اس نے سب سے پہلے پانی کو خلق فرمایا۔ پانی کو ہوا کے ذریعہ تھپیڑے دیئے اس سے جو جھاگ پیدا ہوا اس سے زمین کو بنایا زمین کی خلقت اور اس میں سامان معشیت پیدا کرنے کے بعد

آسمانوں کی خلقت کی طرف متوجہ ہوا اور پانی سے اٹھے ہوئے دخان یا بخارات سے ساتوں آسمانوں کو خلق فرمایا۔ اور آسمانوں کی خلقت کے بعد آسمان کو سورج چاند اور ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا۔

اپنی اس ساری کائنات کے خلق کرنے میں نہ اس نے کسی سے مشورہ لیا۔ نہ کسی سے کسی قسم کی امداد لی۔ نہ کسی کو اس ساری کائنات کے خلق کرنے پر گواہ بنایا۔

"لم یشھد احدا حین فطر السموات والارض"

جس وقت اس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا تو کوئی دیکھنے والا یا گواہ موجود نہیں تھا۔

لیکن ہمارے منبروں پر بڑی زوردار طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے کہ زمین بن رہی تھی یہ دیکھ رہے تھے۔ آسمان بن رہے تھے یہ دیکھ رہے تھے۔ کائنات بن رہی تھی یہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت آسمان اور زمین بن رہی تھی۔ اس وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی دیکھنے کے لئے موجود نہیں تھے۔ کیونکہ وہ تو آسمانوں کی خلقت کے بعد پیدا کئے گئے۔ اور آسمانوں میں بسائے گئے۔ اور اس کے گوشہ گوشہ میں آباد کئے گئے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبہ سابق میں بیان ہو چکا ہے

قابل غور بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی بہت سی آیات سے۔ احادیث صحیحہ سے، خطبائے علویہ سے اور ادعیہ معصومین علیہم السلام سے کائنات کی خلقت کا بیان واضح طور پر ثابت ہے تو پھر یہ بات کیسے مسلمانوں کے ایمان میں داخل ہوئی کہ خدا نے سب سے پہلے محمد و آل محمد کے نور کو پیدا کیا اور اس نور کو پھر مادہ کے طور پر استعمال کیا کسی کے نور سے آسمان بنائے کسی کے نور سے زمین بنائی کسی کے نور سے سورج بنایا۔ کسی کے نور سے ستارے بنائے۔ اور پھر اس نور کے استعمال میں بھی مختلف مکاتب فکر میں تبدیلیاں ہوتی

معلوم نہیں موالیان محمد آل محمد کو اس بات میں کونسی فضیلت نظر آتی ہے کہ محمد و آل محمد
کے نور کو مادہ قرار دے کر اس سے زمین و آسمان اور چاند ستاروں کی خلق کرنے پر راضی ہے۔
حالانکہ اس فلسفہ کی رو سے ہر چیز محمد و آل محمد کے نور سے ہی خلق ہوئی ہے۔ اور
میں ہر چیز کا نام لکھنا نہیں چاہتا۔ بہر حال قرآن کریم کی بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ
اور خطبات علویہ اور ادعیہ معصومین علیہم السلام کے مقابلہ میں محمد و آل محمد علیہم السلام کے نور
کے مادہ کے طور پر استعمال ہونے کے نظریے کے رواج پانے کا سبب یہ ہوا کہ جب بنی
عباس کا دور حکومت آیا اور انہوں نے لوگوں کو آئمہ اہل بیت کی طرف مائل ہونے کا حال
دیکھا تو ان سے لوگوں کا رخ موڑنے کے لیے یونان سے فلسفہ کی کتابیں منگوائیں اور ان
کے عربی زبان میں ترجمے کرائے انکی تعلیمات کا بندوبست کیا اور لوگوں کو تعلیمات محمد و آل
محمد سے روگردان کرنے کیلئے فلسفہ یونان کی طرف لوگوں کو مائل کیا پڑھنے والوں کے
لئے وظیفے مقرر کیے اور پڑھانے والوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں اور فلسفہ پڑھنے اور
پڑھانے والوں کو اپنا اپنا مقرب بنایا۔ لہذا مسلمانوں میں بڑے بڑے فلاسفر پیدا ہوئے۔

چونکہ فلسفہ یونان یہ کہتا ہے کہ ”لا یصدر عن الواحد الا الوحد“ یعنی ایک
چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کوئی چیز نہیں نکل سکتی۔ لہذا اسی نظریے پر انہوں نے اپنے
فلسفہ کو آگے بڑھایا۔ اور کائنات کی تخلیق کو اس ایک نکلنے والی چیز کا فعل قرار دیا۔

جب فلسفہ یونان پہلی دفعہ یونان سے نکلا اور اسے نصاریٰ نے اپنایا تو انہوں نے
یہ کہا کہ وہ ایک چیز جو خدا میں سے نکلی وہ حضرت عیسےٰ تھے اس کے بعد جو کچھ خلق کیا وہ
حضرت عیسےٰ نے خدا کے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے خلق کیا۔

جب یہی فلسفہ مسلمانوں میں پہنچا تو انہوں نے اس فلسفہ کو مسلمان بنالیا اور یہ کہا
کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ انبیاء علیہم السلام کا نور تھا۔

یہی فلسفہ جب شیعوں تک پہنچی تو انہوں نے اس فلسفہ کو شیعہ بنالیا اور یہ کہا کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ محمد آل محمد علیہم السلام کا نور تھا۔ اور اس کے بعد جو چیز بھی خلق ہوئی وہ اس مادہ سے خلق ہوئی۔

شیعوں میں اس فلسفہ کو سب سے پہلے مفوضہ نے اپنایا پھر جب تصوف نے شیعوں میں رسوخ پایا تو صوفی شیعوں نے بھی اس فلسفہ کو اپنا لیا۔ لہذا مفوضہ اور صوفیا نے جہاں اس فلسفہ کو قبول کیا وہاں اس فلسفہ کے مطابق معصومین علیہم السلام کی طرف جھوٹی نسبت دے دے کر جھوٹی روایات گھڑ گھڑ کر روایات کے انبار لگا دیئے ہم نے اپنی کتاب ''اسلام پر سیاست و فلسفہ و تصوف کے اثرات اور اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ صوفی حضرات خواہ سنی صوفی ہو یا شیعہ صوفی ہو احادیث و روایات گھڑنے میں بڑے ہی بے باک تھے۔

اس فلسفہ کو 1221ھ میں شیخ احمد حسائی نے عقیدہ تفویض کو رواج دینے کے لئے جدید طرز پر علل اربع کی صورت میں پیش کیا۔ یعنی کائنات کی علت فاعلی یعنی خلق کرنے والے بھی محمد و آل محمد ہیں اور علت مادی یعنی جس مادہ سے کائنات بنی وہ مادہ بھی محمد آل محمد کا نور ہی تھا۔ اور علت صوری یعنی وہ صورت جس پر کائنات بنی وہ بھی آل محمد و آل محمد ہی تھے۔ شیخ احمد احسائی نے ایک طرف تو فلسفہ یونان کو استعمال کیا دوسرے صوفیہ اور مفوضہ کی گھڑی ہوئی روایات اور انکے دوسری دلائل کو کام میں لایا۔ اس نظریہ رکھنے والوں کا نام اس زمانہ کے مراجع عظام نے مذہب شیخیہ رکھا تھا۔ لیکن آج انکی تبلغی جدوجہد کے نتیجہ میں شیعوں کی اکثریت مذہب شیخیہ کے نظریات کی پیرو بن چکی ہیں لیکن کچھ شیعہ ایسے ہیں جو ان کے دام فریب میں نہیں آئے انہیں وہ منکر فضائل آل محمد، دشمنان فضائل آل محمد، مقصرین، قشری، وہابی۔ خالصی اور معلوم نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔

مزید تفصیل کی لئے ہماری کتاب ''العقائد الحقیہ'' کا مطالعہ کریں۔ یہاں تک تو جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ احادیث وروایات میں انوار کی خلقت کے بارے میں احادیث کا ایک سیلاب ہے اور انوار کی خلقت کے بارے میں ہر حدیث دوسری سے مختلف ہے لہذا انوار کی خلقت کے بارے میں ایک طویل بحث ہے جسکا مختصر بیان آگے آتا ہے۔

انوار کی خلقت کا بیان

انواری کی خلقت کے بارے میں بے شمار احادیث وروایات بیان کی گئی ہیں۔ اوران میں سے ہر حدیث دوسری حدیث سے مختلف ہے۔ لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے اور انہیں اقسام میں منقسم کیا جائے تو وہ صرف تین قسم کی ہیں یعنی ہر حدیث ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک قسم کی تحت آئے گی اور وہ اس طرح ہیں۔

نور کی پہلی قسم

پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن میں نور کو ایک مادہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام احادیث میں خدا کا نور بھی مادہ ہی کے معنی میں ہے، چنانچہ رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان اپنی کتاب ''علل اربعہ اور اصول دین'' میں ایک حدیث نور سے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آئمہ علیہم السلام تمام مخلوقات کی علت مادی ہیں۔ یعنی ساری مخلوقات آئمہ علیہم السلام کے مادہ سے خلق ہوئی لکھتے ہیں۔

''دراین کہ ایشان علت مادی مخلوقات اند وابتدا، بذکر احادیث می نمائم:'' قال امیر المومنین علیہ السلام اتقوا فراسۃ المومن فانه ینظر بنور الله قال فقلت یا امیر المومنین کیف ینظر بنور الله، فقال علیه السلام، لانا خلقنا من نور الله و خلق شیعتنا من شعاع نورنا''۔ یعنی فرمود امیر المومنین علیہ السلام بپر ہیز بداز

فراست مومن پس ہر آئنہ او با نور خدا نظر می کند پس عرض کردم یا امیر المومنین چگونہ نظر می کند با نور خدا فرمود علیہ السلام برائے اینکہ خلق شدہ ایم ما از نور خدا و خلق شدہ اند شیعہ ما از شعاع نور ما (ص 373) و لفظ من در عربی برائے بیان مادہ است مثلاً می گوییم خاتم من فضۃ یعنی مادہ آں نقرہ است" (علل اربعہ و اصول دین ص 38 سطر 10 تا 20)

ترجمہ: اس بیان میں کہ آئمہ علیہم السلام مخلوقات کی علت مادی ہیں۔ میں احادیث سے ابتدا کرتا ہوں۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ نور خدا کے ذریعہ سے دیکھتا ہے، راوی نے پوچھا۔ اے امیر المومنین وہ نور خدا سے کس طرح دیکھتا ہے تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "لانا خلقنا من نور الله و خلق شیعتنا من شعاع نورنا" یعنی ہم تو اللہ کے نور سے خلق ہوئے ہیں اور ہمارے شیعہ ہمارے نور کی شعاع سے خلق ہوئے ہیں۔

اس حدیث میں لفظ "من" عربی زبان کے مطابق مادہ کے بیان کے لئے ہے یعنی ہمارا نور اللہ کے مادہ سے بنا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔ خاتم من فضۃ یعنی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی ہے اسی طرح انا خلقنا من نور الله کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے نور کے مادہ سے بنے ہیں"

اس بیان میں دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں اور دونوں ہی امیر المومنین کی علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ پہلی حدیث میں یہ کہا گیا تھا کہ:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله"

اس حدیث کے صحیح معنی مراد لینے سے کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ ینظر بنور اللہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کے عطا کردہ نور ہدایت سے دیکھتا ہے۔

لیکن دوسری حدیث نور کہ وہ بھی امیر المومنین علیہ السلام ہی کی طرف منسوب کر

کے بیان ہوئی ہے۔ اس حدیث کو قطعاً پہلی حدیث کی تشریح نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی امیر المومنین ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ بنا بریں اس روایت کی امیر المومنین کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان ہی لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے جو خدا کو مادہ مانتے ہیں۔ اور پھر اس سے جو چیز صادر ہوئی وہ بھی مادہ ہی تھا۔ اور چونکہ وہ نور جس مادہ سے نکلا تھا وہ بھی نور تھا لہذا جو چیز اس سے نکلی وہ بھی نور ہی ہوئی۔ کیونکہ اس حدیث میں بالفاظ واضح نور کو مادہ قرار دیا گیا ہے۔ اور خدا کو بھی مادہ قرار دیا گیا ہے۔ جس میں سے وہ نور نکلا۔ اور اگر کوئی اس حدیث کو کسی صحیح معنی پر محمول کرنے کی کوشش کرتا، تو وہ رئیس مذہب شیخیہ نے رہنے ہی نہ دیا اور انہوں نے "خاتم من فضہ" یعنی انگوٹھی چاندی کے مادہ سے بنی ہوئی ہے۔ میں من کی وضاحت کر کے صاف کہہ دیا کہ اس میں نور سے مراد مادہ ہے جو نور نکلا وہ بھی مادہ ہے۔ اور جس میں سے نکلا وہ بھی مادہ ہے۔ اب خدا کا نور تو اول نور ہے جو مادہ ہے یہ اصل نور جب ظہور کرتا ہے تو یہ منیر ہو جاتا ہے۔ یعنی نور دینے والی چیز اور جو چیز اس سے ظہور کرتی ہے وہ نور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح زیادہ میں اسکو اسطرح سے بیان کرتا ہے

"والنور هو الظهور المنير يعني ان ظهور المنير هو النور لا ان الظهور مغائر النور لانه ليس شيء الا ظهور المنير لاكن المنير لم يظهر بذاته و قيام تلك الصفة بموصوفها قيام صدور لا قيام عروض كما يدل كلامهم

(شرح زیادہ ص183)

ترجمہ۔ اور نور تو صرف منیر کا ظہور ہی ہوتا ہے یعنی منیر کا ظہور ہی اسکا نور ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ منیر کا ظہور نور کے علاوہ کچھ اور ہو، کیونکہ وہ نور منیر (یعنی نور دینے والی چیز) کے ظہور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا لیکن منیر اپنی ذات سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اس صفت کا قیام اپنے موصوف کے ساتھ قیام صدور ہے۔ یعنی اس میں سے صادر ہوتا ہے نکلتا ہے یہ

قیام عروض نہیں ہے (یعنی اسے علیحدہ سے خلق نہیں کیا) جیسا کہ انکا کلام دلالت کرتا ہے بالفاظ دیگر نور اسے کہتے ہیں جو "منیر" یعنی نور دینے والی چیز میں سے نکلتا ہے اور وہ نور دینے والی چیز یعنی منیر تو خدا ہے اور جو چیز اس میں سے نکلی ہو محمدؐ آل محمدؐ کا نور ہے۔

کیا کوئی چیز مادہ کے بغیر خلق نہیں ہوسکتی؟

خداوند تعالیٰ جس چیز کو بھی سب سے پہلے عدم سے عالم وجود میں لایا وہ لازماً یا تو پہلے سے موجود کسی مادہ سے وجود میں لایا یا بغیر کسی مادہ کے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے وجود میں لایا، اگر کسی مادہ سے جو پہلے سے موجود تھا خلق کیا تو وہ مادہ پہلے ہوا، یہ بننے والی مخلوق پہلا مادہ نہ ہوا۔

قرآن کریم اور احادیث صحیح اور امیر المومنین کے خطبوں سے جو بات ظاہر ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ خدا نے سب سے پہلے پانی کو خلق فرمایا اور اسے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے وجود میں لایا۔ یعنی پانی کا خلق کرنا قیام صدور نہیں ہے کہ وہ کسی چیز سے نکلا ہو بلکہ وہ قیام عروض ہے یعنی علیحدہ سے نئے سرے سے عدم سے وجود میں لایا ہے پس اس نظریہ کے مطابق خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلی جو چیز خلق فرمائی وہ بغیر مادہ کے خلق فرمائی۔ اور وہ اسے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے وجود میں لایا اور اسے نئے سرے سے پیدا کیا ہے اور باقی چیزیں اس کے بعد خلق فرمائی ہیں۔

لیکن شیخ احمد احسائی یہ کہتا ہے کہ کوئی مخلوق بغیر مادہ کے وجود میں آ ئی نہیں سکتی حتیٰ کہ خداوند تعالیٰ کی سب سے پہلے مخلوق بھی بغیر مادہ کے پیدا نہیں ہوسکتی جیسا کہ اس نے شرح زیادہ میں لکھا ہے کہ:

کیف یکون مخلوق ولا مادۃ لہ بل لا بدمن مادہ" (شرح زیارت ص343)

یعنی کوئی بھی مخلوق وجود میں آہی نہیں سکتی جب تک کہ اسکا کوئی مادہ نہ ہو۔ یعنی ہر مخلوق ضرور کسی نہ کسی مادہ سے بنتی ہے اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کوئی مخلوق ہو اور اسکا مادہ نہ ہو۔ بلکہ ناگزیر ہے یہ امر کہ ہر مخلوق کسی مادہ سے ہی خلق ہوئی ہے۔

اور جب شیخ احسائی یہ کہتا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی مخلوق ہو اور اسکا مادہ نہ ہو پس محمد آل محمد علیہم السلام چونکہ مخلوق ہیں لہذا ان کے لئے بھی ناگزیر ہے یہ بات کہ انکا بھی کوئی مادہ ہو۔ اور چونکہ انکا نور خدا میں سے نکلا ہے اور یہ نکلنا قیام صدر ہے تو پھر پہلا مادہ خدا ہوا جس میں سے محمد آل محمد کا نور نکلا، لہذا وہ اس مطلب کو شرح زیارت میں واضح الفاظ میں اسطرح بیان کرتا ہے" فلا یکون شیء الا ولہ مادۃ و صورۃ و وقت و مکان الا الواحد الحق تعالیٰ فانہ وقتہ ذاتہ و ما دتہ عین ذاتہ (شرح زیارت ص343)

ترجمہ: یعنی کوئی شئے وجود میں آ ہی نہیں سکتی سوائے اس صورت کے کہ اسکا مادہ بھی ہوتا ہے اور اسکی صورت بھی ہوتی ہے اور وقت بھی ہوتا ہے اور مکان بھی ہوتا ہے سوائے واحد حق تعالیٰ کے کیونکہ اسکی ذات ہی اسکا وقت ہے اور اسکا مادہ اسکی عین ذات ہے۔

پس یہ نور کی پہلی قسم ہے۔ جس میں اس قسم کی تمام احادیث میں نور کو مادہ قرار دیا گیا ہے اور اس سے پہلے خدا کے نور کو مادہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر اس نور میں سے جو نور نکلا جسے وہ محمد و آل محمد کا نور کہتے ہیں۔ وہ بھی مادہ ہی تھا۔ اور اس نور کے مادہ سے زمین و آسمان سورج اور چاند، ستارے اور دوسری تمام مخلوقات معرض وجود میں آئی۔

ایسی احادیث نور ان لوگوں کی ساختہ و پرداختہ ہیں جو خدا کو ایک مادہ کی صورت میں سمجھتے ہیں اور اس مادہ سے آگے دوسری مخلوقات پیدا ہوئی۔ ان میں پہلا مادہ محمد و آل محمد کا نور تھا پھر اس مادہ سے دوسری مخلوقات پیدا ہوئی۔ اس نظریہ کی پیروی کرنے والے سارے فلاسفہ سارے، سارے صوفی شیعہ، سارے مفوضہ، اور سارے شیخیہ ہیں لیکن اس نظریہ کے

سب سے پہلے موجد اور اختراع کرنے والے فلاسفہ یونان ہیں اور صوفی شیعوں اور مفوضہ اور شیخیوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں بہت سے شیعہ بھی اس نظریہ کو فضیلت کے عنوان سے ماننے لگ گئے ہیں۔

معلوم نہیں لوگوں کی عقلوں کا کیا ہو گیا ہے کہ محمد وآل محمد علیہم السلام کے مادہ سے چاہے وہ اسے نور کہہ کر خوش ہو لیتے ہوں۔ اس مادہ سے ساری کائنات کی ہر شئے کے خلق ہونے میں انہیں کونسی فضیلت دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ اولین مادہ تو خدا ہے، اسطرح تو ہر شئے خدا کے مادہ سے بنی اور ہر شے کے خدا سے بننے کا نظریہ وحدت الوجود ہے جو صریحاً کفر ہے۔

نور کی دوسری قسم

نور کی دوسری قسم وہ ہے جس میں خود قرآن نے توریت کو نور کہا ہے۔ انجیل کو نور کہا ہے، اور قرآن کو نور کہا ہے۔ ''توریت کے بارے میں اس طرح ارشاد ہوا ہے

''انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور (المائدہ-44)

بیشک توریت کو ہم نے ہی نازل کیا تھا۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔

اور انجیل کے بارے میں اس طرح سے ارشاد ہوا۔

'' وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور (المائدہ-45)

اور ہم نے اس (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی تھی جس میں ہدایت اور نور ہے۔

اور قرآن کے بارے میں اس طرح ارشاد ہوا

'' فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا '' (التغابن-8)

یعنی تم اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

شیعہ تفسیروں مثلاً تفسیر صافی تفسیر، المیزان، تفسیر مجمع البیان، تفسیر التبیان، تفسیر عمدۃ البیان، میں "النور الذی انزلنا" سے قرآن مجید مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر التبیان کے الفاظ اسطرح ہیں "والنور الذی انزلنا" یعنی القرآن سماہ نوراً لما فیه من الادلة والحجج المرسلة الی الحق فشبه بالنور الذی یهتدی به علی الطریق" (تفسیر البتیان جلد 10 ص 21)

ترجمہ: اور اس آیہ مبارکہ میں نور سے مراد قرآن ہے اس (قرآن) کو ان دلائل و براھین کے باعث نور کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے، جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور حق کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔ اور اسی بنا پر اسے نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ صحیح راستہ کا علم ہوتا ہے۔ اور انسان صراط مستقیم کی ہدایت پالیتا ہے۔

اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں قرآن کو نور کہا گیا ہے۔ اور اس تشبیہ کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ: "فشبه بالنور الذی یهتدی به علی الطریق" یعنی قرآن کو نور کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ راستے کی ہدایت ملتی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بارے میں قرآن کریم میں واضح الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ: "انک لتهدی الی صراط مستقیم (النور-52)

اے میرے حبیب بیشک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو۔

پس یقینی طور پر صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ بھی نور ہیں اور تمام ہادیان برحق اور آئمہ طاہرین بھی صراط مستقم کی طرف ہدایت کرنے کی وجہ سے نور ہیں اور حقیقی نور ہے۔

نور کی تیسری قسم

نور کی تیسری قسم وہ ہے جس میں روح کو نور کہا گیا ہے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ایک معروف حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ:

"اول ما خلق اللہ روحی" یعنی سب سے پہلے اللہ نے میری روح کو خلق فرمایا دوسری حدیث میں اسطرح فرمایا کہ" اول ما خلق اللہ نوری" یعنی سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو خلق فرمایا

چونکہ اول چیز تو ایک ہی ہو سکتی ہے لہذا علمائے اسلام کا اتفاق ہے اس بات پر کہ پیغمبر کی ان دونوں حدیثوں میں روح کو ہی نور کہا گیا ہے۔ کیونکہ سب علمائے اسلام کا اتفاق ہے اس بات پر کہ روح جوہر مجرد ہے اور خدا کی نورانی مخلوق ہے۔

اور خداوند تعالیٰ نے تمام ارواح بنی آدم کو حضرت آدم کی خلقت جسمانی سے ہزاروں برس پہلے پیدا کیا تھا۔ جیسا کہ سید المحققین رئیس المدققین استاد العلماء عمدہ الصلحا حضرت علامہ السید گلاب علی شاہ صاحب نے اپنی کتاب نوری انسان میں منہاج البراء شرح نہج البلاغہ مصنفہ حضرت علامہ حبیب اللہ خوئی اعلی اللہ مقامہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جو اس طرح ہے۔

"عن الفضل قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلق الارواح۔ قبل الاجساد بالفی عام فجعل اعلاها و اشرفها ارواح محمد و علی، و فاطمہ و الحسن و الحسین و الائمہ من بعدهم صلوات اللہ علیهم، (منہاج البراء جلد 1 ص 171)

ترجمہ: مفضل سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تبارک

وتعالٰی نے تمام روحوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے بلند و بالا اور زیادہ شرف والا آنحضرت محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ، جناب فاطمہ زہرہؑ، امام حسن مجتبیٰؑ۔ امام حسین شہید کربلاؑ کو اور ان آئمہ ھدیٰؑ کو قرار دیا جو ان کے بعد پیدا ہونے والے تھے۔ اور خداوند تعالٰی نے ان تمام ارواح بنی آدم کی خلقت کے بعد عالم ارواح میں ان اروح سے جو عہد و پیمان لئے وہ قرآن میں کئی طرح سے آئے ہیں۔

سب سے پہلے خداوند تعالٰی نے تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کے بارے میں عہد لیا۔ اور ان سے پوچھا کہ الست بربکم (الاعراف-172) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سابقہ اوراق میں ارواح کی خلقت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ اور اس اقرار اور عہد و پیمان کی قرآن کی ایک آیت بھی تائید کرتی ہے جو اسطرح ہے "ومالکم لا تومنون باللہ والرسول یدعوکم لتومنوا بربکم وقداخذ میثاقکم ان کنتم مومنین" (الحدید-8)

اور تمہیں ہو کیا گیا کہ خدا پر ایمان نہیں لاتے ہو، حالانکہ رسول تم کو بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور (اگر تم کو یاد نہ ہو تو) یقین کرو کہ خدا تم سے اس بات کا اقرار لے چکا ہے۔

عالم ارواح کے اس عہد و میثاق اور اقرار کے بارے میں آئمہ اطہار علیہم السلام سے بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو عبداللہ بن سنان سے مروی ہے جو اس طرح ہے۔

"عن عبداللہ بن سنان عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال سالتہ عن قول اللہ عزوجل فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا ما تلک الفطرۃ، قال

هی الاسلام فطرهم الله حین اخذ میثاقهم علی التوحید قال الست بربکم ، وفیه المومن والکافر (الشافی ترجمہ اصول کافی ص 23 باب 6 حدیث 2)

ترجمہ: عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ خدا کے اس قول کا مطلب کیا ہے اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، فرمایا وہ اسلام ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ جب کہ اس نے توحید پر میثاق لینے کے لئے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اس خطاب میں مومن و کافر سب شریک ہیں۔

ایک اور حدیث میں جو زرارہ سے مروی ہے اسطرح روایت ہوا ہے

عن زراره عن ابی جعفر ، قال سالته عن قول الله عزوجل حنفاء الله غیر مشرکین قال الحنفیة من الفطرة التی فطر الله الناس علیها لاتبدیل لخلق الله . قال فطرهم علی المعرفة به قال زراره عن قول الله عزوجل اذا اخذا ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم ، واشهد هم علی انفسهم الست بربکم قالو بلیٰ الخ قال اخرج من ظهور آدم ذریته یوم القیامه فخرجو ا کا لذر ، فعرفهم نفسه ولولا ذالک لم یعرف احدا ربه وقال قال رسول لله کل مولود یولد علی الفطرة یعنی المعرفة بان الله عزوجل خالقه کذالک قوله ولئن ساء لتهم من خلق السموات والارض لیقولن الله ... (الشافی ترجمہ اصول کافی ص 24 باب 6 حدیث 3)

ترجمہ: زرارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سے اس آیت کا مطلب پوچھا "خالص اللہ کے لئے اسکی ذات میں شریک ہوئے بغیر" کہا حنفیہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور خدا کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں امام نے فرمایا کہ خدا نے لوگوں کو معرفت پر پیدا کیا ہے جب تمام بنی آدم کی پشتوں سے انکی

اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر خود ان ہی کو گواہ قرار دے کر کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا خدا نے روز قیامت تک آدم کی جس قدر اولاد ہونے والی تھی انکی پشتوں سے نکالا وہ اسطرح نکلے جیسے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں خدا نے ان کو اپنی معرفت کرائی اور اپنے آثار قدرت ان کو دکھائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کی معرفت انسان کو حاصل نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر یعنی معرفت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ خدا عزوجل اسکا خالق ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے "اے رسول اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا کون ہے تو کہیں گے" اللہ"

پس عالم ارواح کے یہ عہد و میثاق اس بات پر شاہد ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے زمانہ ماضی میں چاہے وہ جسموں کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے ہو یا چودہ ہزار سال پہلے ہو تمام اروح بنی آدم کو خلق فرمایا تھا۔ اور وہ سب کی سب ارواح جو ہر مجرد اور نور تھیں۔

اور بزرگ علماء و محدثین شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جسموں کی خلقت سے کئی ہزار سال پہلے تمام ارواح بنی آدم کو جو روز قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں خلق فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ بزرگ علماء شیعہ جو کئی ہزار سال پہلے عالم ارواح میں اروح کی خلقت کے قائل ہیں ان میں شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ، شیخ صدوق علیہ الرحمہ، ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ، اور علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ شامل ہے۔ یہ سب بزرگ شیعہ علماء محدثین شیعہ ہیں اور شیعوں کی حدیث کی کتابوں اصول کافی، روضہ کافی فروع کافی، من لا یحضرہ الفقیہ تہذیب واستبصار اور بحار الانوار کے جامع اور تصنیف وتالیف کرنے والے ہیں۔

پس اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا۔ کہ احادیث نور میں بہت سی آحادیث وہ ہیں جو نور کو مادہ کے عنوان سے بیان کرتی ہیں۔ اور یہ احادیث نور خدا کو بھی مادہ ہی قرار دیتی ہیں جس میں سے یہ نور نکلا اور اس نظریہ کو سورۃ اخلاص کی آیت لم یلد ولم یولد

باطل اور رد کرنے کے لئے کافی ہے اور یہ نظریہ دراصل فلاسفہ کا نظریہ ہے اور اس نظریہ کو صرف ان مذاہب شیعہ نے اپنایا ہے جن کی اصل فلسفہ پر ہے۔

اور احادیث نور میں سے بہت سی وہ ہیں جو توریت کو انجیل کو اور قرآن کو نور کہتی ہیں اور ہر ہادی برحق کو جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں نور کہتی ہیں۔ اور چونکہ یہ بات خود قرآن نے کہی ہے لہذا اس نور کے رد کرنے اور باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے

اور احادیث نور میں سے بہت سے وہ ہیں جو ارواح کو نور کہتی ہیں۔ ان میں سے توریت کا نور ہونا، انجیل کو نور ہونا، قرآن کا نور ہونا اور ھادی برحق کا ھادی ہونے کی حیثیت سے اور رہنما ہونے کی حیثیت سے نور ہونا اور ارواح پر جوہر مجرد ہونے کی حیثیت سے نور ہونے پر کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن خدا کو مادہ قرار دینا پھر اس مادہ میں سے چاہے اسے نور کہا جائے محمد و آل محمد کا نور نکلنا اور اس نور کا مادہ کی حیثیت قرار پا کر اس سے آسمانوں اور زمین اور سورج اور چاند اور ستاروں کا بننا ایک طرف تو لم یلد ولم یولد کے خلاف ہے دوسرے یہ وحدت الوجود ہے اور کفر ہے۔

بہر حال جب خداوند تعالی نے زمین کو اور اس میں مخلوق کے لئے سامان معیشت کو پیدا کر لیا اور آسمانوں کو اور آسمانوں میں بسانے اور آباد کرنے کے لئے فرشتوں کو خلق کر لیا تو پھر آسمانوں اور زمین میں اپنا حکم چلانے لگا۔ ''ثم استوی علی العرش'' پھر وہ عرش پر غالب آ گیا ''واوحی فی کل سماء امرھا'' (حم سجدہ) اور ہر آسمان میں اس کے انتظام کا حکم کارکنان قضا و قدر کے پاس بھیجا۔

باب سوم

''یغشیٰ اللیل النہار یطلبہ حثیثاً''

وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے جو دوڑتی ہوئی دن کے پیچھے پیچھے چلی آتی ہے

''ثم ستویٰ علی العرش'' کا بیان کرنے کے بعد اس بات کو ظاہر کر رہا ہے

کہ رات اور دن اس کے تکوینی حکم کے ذریعہ رواں دواں ہیں اور اس نے ان کے لیے گردش لیل و نہار کا ایسا انتظام کیا ہے کہ جب رات ختم ہو جاتی ہے تو دن نکل آتا ہے اور سورج اپنی تابانیوں کے ساتھ جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ اور جب دن ختم ہو جاتا ہے تو رات چھا جاتی ہے گویا زمین کی محوری گردش اس کے تکوینی حکم سے اسطرح ہو رہی ہے کہ زمین کا ہر طول بلد یعنی چپہ چپہ اور ہر حصہ ہر آن اور ہر لحظہ ایک طرف سے دن میں تبدیل ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف سے رات میں تبدیل ہو رہا ہوتا ہے۔ حثیثا کے معنی ہیں دوڑتا ہوا۔ بڑی تیزی کے ساتھ یہ ہمارے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ لیکن زمین کا ہر حصہ بڑی تیزی کے ساتھ رات سے دن میں بدل رہا ہوتا ہے۔ اور دن رات میں تبدیل ہو رہا ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دن 10 گھنٹے کا ہوتا ہے یا 12 گھنٹے کا ہوتا ہے یا 14 گھنٹہ ہوتا ہے اسطرح رات ہوتی لیکن دن رات کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا چل رہا ہوتا ہے۔ اور رات دن کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی آ رہی ہوتی ہے عام آدمی تو کیا خواص کو بھی اس کا علم اور اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسا علمی انکشاف ہے جو قرآن کے نزول سے سینکڑوں سال کے بعد منکشف ہوا ہے کہ دن اور رات زمین کی محوری گردش کی رفتار سے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور طبعی جغرافیہ کا علم رکھنے والوں کے سوا اس بات کا اور کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا یہ بات خداوند تعالیٰ کے حکم تکوینی اور اسکی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ''

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار للآیات لا ولی الالباب" (آل عمران-190)

اس بات میں ذرا بھی شک نہیں ہے یقینی ہے یہ بات کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور رات اور دن کے پھیر بدل میں عقل مندوں کے لئے (قدرت خدا کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں"

قرآن کریم میں اس مضمون کی کئی آیات آئی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور رات اور دن کے پھیر بدل میں خدا کے وجود اور اسکی قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت میں فرشتوں تک کا بھی کوئی ہاتھ یا عمل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے تو آسمان وزمین کی خلقت کے بعد خلق ہوئے ہیں لہذا جب فرشتے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو وہ بطور آلہ کے بھی کام میں نہیں لائے گئے تھے اسی لئے سارے نبی اپنی اپنی امتوں کو بڑے زوردار طریقے سے خدا کے وجود پر دلیل کے طور پر یہی کہتے تھے کہ:

" افی الله شک فاطر السموات والارض"

کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مشرکین عرب بھی اس بات پر ایمان رکھتے تھے اور اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا تو خدا ہی ہے۔ اور اس بات کی گواہی خود خدا نے دی ہے جو قرآن میں موجود ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے تلاوت کر کے سنائی ہے اور جسے ہر قاری قرآن پڑھتا ہے۔

مگر فلسفہ یونان نے ایسی مت ماری ہے کہ بہت سے غالی ونصریہ، ومفوضہ، وصوفیہ، وشیخیہ فرقے جو شیعوں میں شمار کیے جاتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو بھی اور زمین

کو بھی محمد و آل محمد نے خلق کیا ہے اور انکی تبلیغات کے نتیجہ میں آج شیعوں کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہیں ۔ اور ہمارے ممبروں پر یہ نظارہ مجالس عزا میں عام دیکھنے میں آتا ہے اور سارے سامعین واہ واہ کرتے یعنی گویا سب کا عقیدہ یہی ہے۔

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فرشتے یہ کام کرتے ہیں اور فرشتے محمد و آل محمد علیہم السلام کے حکم کے بغیر قدم تک نہیں آٹھاتے لہذا فرشتوں نے ان کے حکم سے تمام کام کئے مگر جب فرشتے آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے پیدا ہی نہیں ہوئے تو پھر کسی کے حکم سے قدم اٹھانے یا نہ اٹھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ غالی ونصیری ومفوضہ وصوفیہ وشیخیہ اور انکی تبلیغات سے گمراہ ہونے والے سارے شیعہ اس معاملہ میں مشرکین عرب سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انکا شرک خلقت آسمان وزمین کے بارے میں نہیں تھا بلکہ وہ تو صرف چند کارھائے ربوبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ خدانے یہ کام مثلاً بارش کا برسانا، اولاد کا دینا یا شفاعت کرنے کا کام انکو سپرد کر دیا ہے لہذا وہ ان کے سامنے خضوع وخشوع کرتے ہوئے ان سے بارش کے لئے التجائیں کرتے تھے۔ اولاد کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔ اور مصائب ومشکلات کے رفع کرنے کے لئے ان سے درخواست کرتے تھے۔

مگر وہ لوگ جو خود کو ایسا عقیدہ اور نظریہ رکھنے کی بناپر فضائل بیان کرنے والے کہتے ہیں ان صحیح العقیدہ شیعوں کو جو ان کاموں کو ان سے متعلق نہیں سمجھتے منکر فضائل آل محمد کہتے ہیں۔ مقصر کہتے ہیں قشری کہتے ہی اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔

بہر حال خلق السموات والارض کے بعد کہتا ہے" واختلاف اللیل والنھار للایات للاولی الالباب" یعنی رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے اس کے وجود اور اسکی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ دن کس طرح ہو رہا ہے رات کس طرح

ہوتی ہے۔ سال کس طرح بن رہے ہیں یہ زمین کی محوری گردش اور سورج کے گرد زمین کی گردش کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ جسے اس قادر مطلق نے عجیب نظم کے ساتھ اپنے حکم تکوینی کے ذریعہ رواں دواں رکھا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

" والشمس تجری لمستقرلها ، ذالک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لاالشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولاالیل سابق النهار و کل فلک یسبحون "

(یٰسین 38 تا 40)

اور (اسکی نشانیوں میں سے ایک نشانی) سورج ہے جو ایک ٹھکانے پر چل رہا ہے۔ یہ (سب سے) غالب واقف کار خدا کا باندھا ہوا اندازہ ہے اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کردیں یہانتک کہ وہ آخر میں کھجور کی پرانی شاخ جیسا پتلا اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کے ساتھ جا ملے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ یہ (سورج چاند ستارے) سب کے سب آسمان میں اپنے اپنے مدار پر ہی چکر لگا رہے ہیں اور یہ بات اس کے غلبہ اس کے اقتدار، اسکی تکوینی حکومت اور اسکی تمام کائنات پر فرمانروائی کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

باب چہارم

"والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره"

اور سورج اور چاند اور ستاروں کو اسی نے پیدا کیا ہے اور یہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع فرمان ہیں۔

لغت کی مشہور کتاب مفردات القرآن میں ہے کہ: التسخیر کے معنی کسی کو کسی

خاص مقصد کی طرف زبردستی لیجانا کے ہیں قرآن میں ہے

"وسخر لکم ما فی السموات والارض (45-13)

اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس نے (اپنے کرم سے) ان سب کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

"وسخرلکم الشمس والقمردائبین وسخر لکم الیل والنہار" (14-33)

اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا ہے کہ دونوں پڑے چکر لگا رہے ہیں۔ اور (ایسے ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں دیدیا ہے۔

"وسخر لکم الفلک" (14-32) اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا

اور جیسا کہ دوسرے جگہ فرمایا" کذالک سخرنہا لکم لعلکم تشکرون (22-36) ہم نے یوں ان جانورں کو تمہارے بس میں کر دیا کہ تم ہمارا شکر کرو۔

"سبحان الذی سخرلنا ھذا (14-23) پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا

تو "مسخر" وہ ہے جسے کسی کام پر مجبور کر کے لگایا گیا ہو۔ اور "سخری" وہ ہے جسے اولاً تو کسی کام پر مجبور کیا جائے پھر وہ اپنے ارادہ سے مسخر ہو جائے۔

(مفردات القران راغب اصفہانی ص464)

قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں غور کرنے سے اس لفظ کے معنی ومفہوم سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے چنانچہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوا ہے کہ

"وسخرلکم اللیل والنہار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون (النحل 12)

اس نے تمہارے واسطے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند اور ستاروں کو تمہار تابع بنا دیا ہے یہ سب کے سب اس کے حکم سے تمہاری فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں بیشک اس میں صاحبان عقل کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں

اور سورۃ ابراھیم میں اسطرح سے آیا ہے کہ:

" اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم و سخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ و سخرلکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار واٰتکم من کل ما سالتموہ وان تعدوانعمت اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار. (ابراہیم 32 تا35)

ترجمہ: خدا ہی ایسا قادر و توانا ہے۔ جس نے سارے آسمان وزمین خلق کر ڈالے اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعہ سے (مختلف درختوں سے) تمہاری روزی کے واسطے طرح طرح کے پھل پیدا کیئے۔ اور تمہارے واسطے کشتیاں تمہارے بس میں کر دیں، تاکہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں۔ اور تمہارے واسطے ندیوں کو اور دریاوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار بنا دیا۔ جو سدا گردش میں رہتے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے قبضہ میں کر دیا (کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے ہیں) اور اپنی ضروریات کے موافق جو کچھ تم نے اس سے مانگا (یا جن چیزوں کے تم حاجت مند ہو) اس میں سے بقدر مناسب تمہیں دیا۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے ہو۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے"

اور سورۃ الحج میں اسطرح ارشاد ہوا کہ

" الم تران اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری فی

البحر بامرہ و یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ ان اللہ بالناس لرؤف رحیم" (الحج-65)

کیا تم نے اس پر نظر نہیں ڈالی کہ جو کچھ روئے زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے لئے قابو میں کر دیا اور کشتی کو بھی جو اسی کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی تو آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر جب اسکا حکم ہوگا (تو گر پڑے گا) اس میں شک نہیں کہ خدا لوگوں پر بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے"

اور سورۃ العنکبوت میں اسطرح ارشاد ہوا کہ:

" ولئن سالتھم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ فانی یوفکون" (العنکبوت-61)

اے رسول اگر تم ان (مشرکین) سے پوچھو کہ (بھلا) سارے آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو (کس نے) کام پر لگایا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کہاں بھٹکے چلے جاتے ہیں۔

اور سورۃ لقمان میں اسطرح ارشاد ہوا ہے کہ:

" الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات ومافی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ و من الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدیً ولا کتاب منیر" (لقمان-20)

کیا تم لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں ہے (غرض سب کچھ) خدا نے یقینی طور پر تمہارا تابع کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خواہ مخواہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس کچھ علم ہے، نہ ہدایت کی کوئی بات ہے اور نہ نور دینے

والی روشن کتاب ہے۔

قران کریم کی مذکورہ آیات سے جو بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے خلق کی گئی ہے اور کائنات کی تمام چیزیں ایسے اسباب ہیں جو کسی نہ کسی طرح انسان کے لئے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ تمام اسباب جنہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے حکم سے انسان کے تابع کر دیا ہے دو طرح کے ہیں۔

نمبر 1: وہ اسباب جو جبر طبعی کے ماتحت انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور خدا کے حکم سے انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مصروف عمل ہیں۔ وہ اسباب جو جبر طبعی کے ماتحت حکم خدا سے مصروف عمل ہیں خدا ان کے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے ان کو تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اور تمہاری ضروریات پوری کرنے کے لئے تمہارے تابع کر دیا ہے اور تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

نمبر 2: اور دوسرے وہ اسباب ہیں جنہیں خداوند تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں دیدیا ہے۔ سارے جمادات زمین، پہاڑ، دریا، نہریں، سمندر، کشتیاں، وغیرہ وغیرہ اور نباتات سے سبزیاں۔ غلے اور پھلدار درخت وغیرہ اور حیوانات سے بھیڑیں بکریاں گائیں بھینس بیل اونٹ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو خدا نے ہمارے اختیار میں دیدیا ہے۔ ان کی اون استعمال کرو ان کا دودھ پیو۔ ان پر سواری کرو اور ان کا گوشت کھاؤ۔

غرض کائنات کی ہر شے انسان کے تابع ہے۔ چاہے وہ خدا کے حکم سے جبر طبعی کے ماتحت انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہو۔ یا اس کے اختیار میں دیدی ہو۔ یہ سب اسباب انسان کے خدمت گار ہیں اور انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے منبروں پر محمد و آل محمد کو فضیلت کے عنوان سے اسباب و آلات کہہ کر خالق و رزاق بنانے والوں کے بیان پر سارے سامعین واہ واہ کے

ڈونگرے کیسے برساتے ہے کیونکہ محمد وآل محمد کو خلق ورزق کے لئے اسباب کہنا فضیلت نہیں ہے بلکہ یہ توانکی توہین ہے کیونکہ خدانے سارے ہی اسباب کو انسان کا خدمت گار بنایا ہے اور تمام اسباب انسان کے تابع ہیں چاہے جبر طبعی کے تحت ہوں یا اختیار کے ساتھ لہذا۔ محمد وآل محمد علیہم السلام کو منجملہ اسباب کہنا انکی سراسر توہین ہے۔ اور انہیں آلات کہنا اس سے بھی بڑی توہین ہیں۔ کیونکہ ایک بڑھئی جو بسولے۔ سے آری سے اور رندہ سے ایک چیز بناتا ہے تو کوئی نہیں کہتا کہ یہ چیز بسولے نے بنائی ہے یا آری نے بنائی ہے یا رندہ نے بنائی ہے بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ میز بڑھئی یا ترکھان نے بنائی ہے۔ لہذا محمد وآل محمد کو خلق ورزق کے لئے منجملہ اسباب وآلات کے شمار کرنا انکی انتہائی سخت توہین ہے۔ جب کائنات کے سارے اسباب انسان کے تابع ہیں اور انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو محمد وآل محمد علیہم السلام تو افضل ترین واشرف ترین واکمل ترین انسان ہیں لہذا کائنات کی ہر شے بدرجہ اتم ان کے لئے کام میں لگی ہوئی ہے اور یہی معنی ہے" والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ کا" البتہ محمد وآل محمد کو خدا نے ہادی بنایا ہے اور حصول ہدایت کیلئے تمام لوگوں کو انکی اطاعت اور پیروی کا حکم دیدیا ہے۔

باب پنجم

" الا لہ الخلق ولا مر"

آگاہ رہو کہ (تمام مخلوقات کا) پیدا کرنا بھی صرف اور صرف اسی کا کام ہے اور (اپنی مخلوقات پر تکوینی اور تشریعی طور سے) حکم چلانا بھی خاص اسی کے لئے ہے۔

اس جملہ کا پہلا لفظ تنبیہ کے لئے آیا ہے یعنی خبردار آگاہ رہو اور "لہ" میں "ہ" کی ضمیر متصل اللہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ کے لئے ہے۔ اور صرف اور صرف اسی کا کام

ہے یہ کسی اور کے کرنے کا نہیں ہے۔ گویا اس جملہ میں خداوند تعالی نے توحید در خالقیت اور توحید در حکومت کو بیان کیا ہے۔

اگر چہ توحید کے بارے میں متکلمین شیعہ نے توحید کی چار اقسام لکھی ہیں۔ نمبر 1 :توحید ذات۔ نمبر 2: توحید صفات۔ نمبر 3: توحید افعال اور نمبر 4: توحید عبادت۔

لیکن آیت تحرہ توحید در ربوبیت، توحید در خالقیت۔ توحید در امر وحکومت، اور اسی ضمن میں توحید در اطاعت اور توحید در تشریع تقنین کو علیحدہ سے بیان کررہی ہے۔

چونکہ توحید افعالی میں تمام افعال کا فاعل خدا کو سمجھا گیا ہے لہذا متکلمین شیعہ نے توحید در ربوبیت توحید در خالقیت توحید در امر حکومت، توحید در اطاعت اور توحید در تقنین وتشریع کو توحید افعالی میں شمار کرلیا ہے۔ اور انہیں علیحدہ قسم کے طور پر بیان نہیں کیا۔ لیکن قرآن کریم کی متعدد آیات میں خداوند تعالی کی توحید کی ان مذکورہ اقسام پر علیحدہ سے خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا ہے۔ لہذا ہم یہاں توحید کی ان اقسام پر مختصر طور پر علیحدہ سے روشنی ڈالیں گے۔

توحید در ربوبیت

جیسا کہ پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ توحید در ربوبیت توحید در خالقیت کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ آیت یہ کہتی ہے کہ تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا۔ اور چونکہ ہم ربوبیت کے بارے میں پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں لہذا اس کے لئے وہاں پر رجوع کریں۔

توحید در خالقیت

جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر کھل کر

سامنے آتی ہے کہ قرآن خدا کے سوا کسی کو بھی کسی چیز کا خالق اور کسی کو بھی کسی چیز کو بھی پیدا کرنے والا تسلیم نہیں کرتا۔ یعنی جو چیز بھی عالم ہستی میں ہے، اسکا خالق خدا ہے۔ ہم قرآن کریم کے اس دعوے کو بیان کرنے والی چند آیات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1 سورۃ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یا ایھا الناس اذکروا نعمت اللہ علیکم ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الہ الا ھو فانی توفکون" (فاطر-3)

ترجمہ اے لوگو خدا کے ان احسانات کو جو اس نے تم پر کئے ہیں یاد کرو۔ کیا خدا کے سوا اور کوئی خالق ہے؟ جو آسمان سے اور زمین سے تمہاری روزی پہنچاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود لائق پرستش نہیں ہے۔ "فانی توفکون" پھر تم کدھر بھٹکے ہوئے چلے جاتے ہو۔

اس آیت میں استفہام انکاری کے طور پر کہتا ہے کہ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ یعنی خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے اور قرآن نے اس بات کی بھی گواہی دی ہے کہ مشرکین عرب خدا ہی کو آسمانوں اور زمین کا خالق مانتے تھے۔ لہذا خدا انکے شعور کو بیدار کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ان سب کا خالق وہی ہے تو پھر تم اس کے سوا دوسرں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اصل عبادت کے لائق اور عبادت کا مستحق تو وہ ہے جس نے ساری کائنات کو خلق کیا ہے۔ اور تمہارا بھی خالق وہی ہے۔ اور ضمناً اس احسان کو یاد دلاتا ہے کہ اس نے آسمان سے اور زمین سے تمہارے رزق کا بندوبست کر دیا ہے۔ پھر کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟ جب ساری کائنات کا اور خود تمہارا بھی خالق وہی ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے تو پھر تم دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

نمبر 2۔ اور سورۃ رعد میں ارشاد ہوا ہے۔

"ام جعلو اللہ شرکاء خلقوا کخلقه فتشابه الخلق علیهم ، قل اللہ خالق کل شیء وهوا لواحد القهار" (الرعد 16)

ترجمہ: کیاان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا لئے ہیں؟ کیا انہوں نے بھی خدا کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق پیدا کر رکھی ہے۔ جس کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہوگئی ہے۔ تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا اور سب پر غالب ہے۔

نمبر 3، اور سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا ہے

"اللہ خالق کل شیء وهو علیٰ کل شیء وکیل"

ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا مختار و نگہبان ہے۔

نمبر 4۔ اور سورۃ المومن میں ارشاد ہوا۔

"اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنو فیه والنهار مبصراً ان اللہ لذو فضل علی الناس ، ولاکن اکثر الناس لا یشکرون ذالکم اللہ ربکم خالق کل شیء لا اله الا هو فانیٰ تو فکون" (المومن 61-62)

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے واسطے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو۔ اور دن کو روشن بنایا (تا کہ تم اس میں کام کرو) بیشک خدا لوگوں پر بڑا ہی فضل وکرم کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ اسکا شکر ادا نہیں کرتے۔ یہی خدا تمہارا رب اور پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہوں۔

نمبر 5: اور سورۃ المومن میں ہی اس سے آگے چل کر ارشاد ہوا ہے

"اللہ الذی جعل لکم الارض قرار والسماء بناء وصورکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبات ذالکم اللہ ربکم فتبرک اللہ رب اللعالمین" (المومن-64)

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو کیسی اچھی صورتیں بنائیں۔ اور تمہیں پاک وپاکیزہ، صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تو تمہارا رب اور پروردگار ہے پس خدا بڑا ہی برکتوں والا ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

نمبر 6: اور سورہ الانفال میں ارشاد ہوا،

"ذالکم اللہ ربکم لا الہ الا ھو خالق کل شیء فاعبدوہ وھو علی کل شیء وکیل" (الانفال-12)

ترجمہ: اے لوگو وہ اللہ ہی تمارا رب اور پروردگار ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ہر چیز کا خلق کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

نمبر 7: قال فمن ربکما یا موسیٰ. قال ربنا الذی اعطےٰ کل شیء خلقہ ثم ھدی" (طہ 49-50)

ترجمہ: فرعون نے پوچھا۔ اے موسیٰ، آخر تم دونوں کا رب کون ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلق کیا۔ پھر اس کو ہدایت کی اور زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔

نمبر 8: اور سورۃ روم میں ارشاد ہوا ہے۔

االلہ الذی خلقکم ثم رزقکم ، ثم یمیتکم . ثم یحیکم ، ھل من شرکائکم من یفعل من ذالک من شیء سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون" (الروم 40)

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر اس نے تمہارے لئے تمہاری روزی کا انتظام کیا، پھر وہی تم کو موت سے ہم کنار کریگا۔ پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کریگا۔ کیا

تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جوان کاموں میں سے کوئی سا کام بھی کرسکتا ہو۔ جنہیں یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا کی ذات ان کے اس شرک سے پاک وپاکیزہ اور بالاتر ہے۔

نمبر 9: اور سورۃ السجدہ میں ارشاد ہوا ہے

''اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینھما فی ستة ایام ثم استوی علی العرش مالکم من دونه من ولی ولا شفیع افلا تتذکرون''

(السجدہ-4)

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے سارے آسمان اور زمین اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کئے۔ پھر وہ عرش پر غالب آ گیا۔ (اور ان پر حکم چلانے لگا) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ ہی سفارشی تو کیا تم (اس سے بھی) نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔

نمبر 10: اور سورۃ لقمان میں اسطرح ارشاد ہوا ہے۔

''خلق السموات بغیر عمد ترونھا والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وبث فیھا من کل دابة و انزلنا من السماء ماءً فانبتنا فیھا من کل زوج کریم ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونه بل الظالمون فی ضلال مبین

(لقمان-10-11)

ترجمہ: تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو خلق کیا۔ اور اسی نے زمین میں بھاری بھرکم پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تا کہ یہ زمین تمہیں لے کر کسی طرف کو نہ لڑھک جائے اور اسی نے زمین میں چلنے پھرنے والے جانوروں کو پھیلایا۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔ اور اس کے ذریعے سے زمین میں رنگ برنگ کے نفیس جوڑے

پیدا کیے (اے رسول ان سے کہہ دو کہ) یہ تو خدا کی خلقت ہے اب تم مجھے دکھاؤ کہ جن کو تم نے خدا کے سوا معبود بنا رکھا ہے انہوں نے کیا چیز خلق کی ہے۔ بلکہ سرکش لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

توحید در خالقیت کے بارے میں قرآن کریم کی مذکورہ دس آیات ہی کافی ہیں۔ انکا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سورج، چاند، ستارے، نباتات، وحیوانات اور تمام جاندار سب کو اسی نے خلق فرمایا ہے۔ خدا کے سوا ان کا کوئی خالق نہیں ہے۔ وہی رات اور دن کو بنانے والا ہے خالق و رازق اور موت و حیات صرف اور صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ غرض ہر چیز کا خالق خداوند تعالیٰ ہے اور وہ دعوے کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ یہ تمام چیزیں تو خدا نے پیدا کی ہیں۔ جو دوسروں نے خلق کیا ہے وہ دکھاؤ۔ اتنے زبردست چیلنج کے بعد جو خود اپنے حبیب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کرایا۔ خود انہیں کو ان کاموں کا کرنے والا ماننے لگ جانا جہالت اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے۔ اور انہیں سے اس بات کا اعلان کرانا کہ کسی کو بھی ان کاموں میں کسی کو شریک بنانا صریحاً شرک ہے۔ لہذا خدا نے واشگاف الفاظ میں اپنے آپ کو اس قسم کے شرک سے پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا بیان کیا ہے۔

مشرکین عرب کو مشرک قرار دینے کا اصل سبب کیا تھا؟

بعض لوگوں نے شرک کو اتنا وسیع کیا کہ بزرگوں کے رسمی احترام اور تعظیم تک کو شرک سمجھ لیا اور بعض لوگوں نے شرک کو اتنا محدود کر دیا کہ یہ سمجھ لیا کہ جو کوئی کسی غیر خدا کو خدا سمجھ کر اس کے سامنے خضوع و خشوع کرے یا اسکی عبادت کرے پس صرف وہ مشرک ہے۔ اور اگر کوئی کسی غیر خدا کو خدا نہیں سمجھتا۔ چاہے وہ پتھر کا بت ہو یا لکڑی کا مجسمہ اور وہ اس کے

سامنے خضوع وخشوع کرے اور اس سے دعائیں مانگے۔ اپنی حاجات طلب کرے اپنی مصیبتوں کے ٹالنے کی درخواست کرے بارش برسانے کی التجا کرے تب بھی اس کے یہ کام شرک نہیں ہیں اور وہ مشرک نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس کا یہ کام فضول احمقانہ اور بے ہودہ ہوگا۔

حالانکہ قرآن اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ مشرکین عرب نہ صرف خدا کو ہی خدا مانتے تھے بلکہ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہ خدا ہی کو مانتے تھے، ان کا شرک اس بات میں نہیں تھا کہ وہ بتوں کو خدا مانتے تھے۔ اور نہ ان کا شرک اس بات میں تھا۔ کہ وہ انہیں آسمانوں اور زمین کا خالق مانتے تھے۔ بلکہ انکا شرک صرف اس بات میں تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا نے اپنے کچھ کام یا تمام کارھائے ربوبی مثلاً بارش کا برسانا، اولاد کا دینا، شفاعت کا کرنا، مصیبتوں کا ٹالنا وغیرہ ان کو سپرد کر دیئے ہیں۔ لہذا وہ اپنے ان بزرگوں سے جن کے وہ مجسمے تھے۔ بارش برسانے، اولاد کے دینے، مصیبتوں کے ٹالنے اور دوسرے امور کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ اور خدا بھی اور وہ خود بھی اور دوسرے بھی انکے اس عمل کو عبادت تصور کرتے تھے۔ لہذا انکا ایسا عقیدہ رکھنا شرک درافعال تھا اور ان سے دعائیں مانگنا جو بمرتبہ عبادت تھا شرک درعبادت تھا۔

لیکن مفوضہ کا شرک بت پرستوں کے شرک سے کہیں بڑھ کر تھا۔ کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ خدا نے محمد وآل محمد کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا۔ آسمانوں کو انہوں نے خلق کیا۔ زمین کو انہوں نے خلق کیا۔ رزق بھی وہی دیتے ہیں مارتے بھی وہی ہیں زندہ بھی وہی کرتے ہیں غرض تمام کارھائے ربوبی خدا نے انکو سپرد کر دیئے ہیں اور یہ تمام کام انہوں نے کیے ہیں۔ پس اس بات کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ شرک درافعال کے مرتکب ہوتے تھے اور خود انہیں سے ان باتوں کے لئے دعائیں کرنے کی وجہ سے شرک درعبادت

کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ اور اس کے لئے وہ عجیب وغریب دلیلیں لاتے تھے۔ کبھی اپنی طرف سے کہتے تھے کہ خدا نے ان کو ان کاموں کے کرنے کی قدرت عطا کردی ہے۔ کبھی کہتے کہ فرشتے یہ کام ان کے حکم سے کرتے ہیں۔ حالانکہ امیرالمومنین علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق فرشتوں کو خدا نے خلق ہی آسمانوں کی خلقت کے بعد کیا ہے۔ اور انکو آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اس میں نباتات وحیوانات اور زمین پر چلنے والے دوسرے جاندار ہیں ان کے خلق کرنے کے بعد خلق کیا ہے تو جب فرشتے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انکی خلقت سے پہلے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے انکو خلق کیسے کر سکتے تھے؟

بہر حال جن لوگوں نے شرک کو اتنا محدود کیا ہے وہ دراصل خود اس شرک میں گرفتار ہو گئے ہیں اور وہ اسطرح اپنے شرک کو عین توحید بنا کر اپنے اوپر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

شرک کیا ہے؟ اور کس کام کس بات کا عقیدہ رکھنے میں شرک ہے؟ اسکو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالفاظ جلی بیان کردیا ہے۔ اور اس نے ایسے کاموں کے کرنے کی کسی دوسرے کی طرف نسبت دینے کا بیان کر کے کہیں کہا سبحان اللہ وتعالی عما یشرکون' اور کہیں کہا ہے'' تعالیٰ اللہ عما یشرکون نمونے کے طور پر ہم یہاں ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جن کے کرنے کو دوسروں کی طرف نسبت دینے کو خدا نے شرک قرار دیا ہے اور ان کاموں کا ذکر کر کے کہا سبحان اللہ وتعالی عما یشرکون'' یا'' تعالیٰ اللہ عما یشرکون یا'' سبحانہ و تعالی عما یشرکون کہا ہے

نمبر 1: امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدایق ذات بھجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ءالہ مع اللہ بل ھم قوم

یعدلون امن جعل الارض قرارا وجعل خللها انهار و وجعل لها رواسی وجعل بین البحرین حاجزاء اله مع الله بل اکثر هم لا یعلمون، امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء ویجعللکم خلفاء الارض ء اله مع الله قلیلا ما تذکرون امن یهدیکم فی ظلمت البرء والبحر ومن یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته ء اله مع الله تعلیٰ الله عما یشر کون (النمل 61 تا 63)

ترجمہ: آیا کون ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس پانی سے ہرے بھرے خوشنما باغات اگائے۔ یہ تمہارے تو بس کی بات نہ تھی کہ تم اس کے درختوں کو اگا سکتے۔ کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے (ہر گز نہیں) بلکہ یہ لوگ خود (اپنے دل سے گھڑے کے بتوں کو) اس کے برابر بتلاتے ہیں۔

آیا کون ہے وہ؟ جس نے زمین کو (لوگوں کے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا۔ اور اس کے درمیان جا بجا دریا اور نہریں اور ندی نالے جاری کئے۔ اور اسکی مظبوطی کے لیے پہاڑ بنائے اور (میٹھے اور کھاری) دو دریاوں کے درمیان حد فاصل قرار دی۔ تو کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے (ہر گز نہیں ہے) مگر اکثر لوگ کچھ جانتے ہی نہیں۔

آیا کون ہے وہ؟ کہ جب بھی کوئی مضطر (و پریشان حال) اسکی بارگاہ میں دعا کرے تو وہ اسکی دعا کو قبول کرتا ہے اور اسکی پریشانی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ اور تم لوگوں کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بناتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے (ہر گز نہیں ہے) پھر بھی تم لوگ بہت ہی کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔

آیا کون ہے وہ؟ جو تم لوگوں کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے۔ اور کون ہے وہ؟ جو باران رحمت کے آگے (بارش کی) خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے (ہر گز نہیں ہے) یہ لوگ جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے

ہیں خدا کی ذات (ان کے اس شرک سے) بہت ہی بلند و بالا ہے۔

نمبر 2: وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون" (القصص-68)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار ہی جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے (نبوت ورسالت، وامامت میں کسی منصب کیلئے) منتخب کرتا ہے یہ باتیں ان میں سے کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہیں۔ اور جن کو یہ لوگ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں خدا کی ذات انکے اس شرک سے پاک و پاکیزہ ہے منزہ و بلند و بالا ہے۔

نمبر 3: اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم، ثم یحییکم ھل من شرکاءکم من یفعل من ذالکم من شیءٍ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون" (الروم-14)

ترجمہ: خدا ہی وہ (قادر و توانا ہستی) ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی۔ پھر وہی تم کا مار ڈالے گا پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کریگا۔ کیا تم لوگوں نے جن کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی سا بھی کام کر سکتا ہو۔ جسے یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں وہ ان کے اس شرک سے پاک و پاکیزہ و منزہ و بالا و برتر ہے

ان تینوں آیات میں جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا واشگاف اور واضح الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے کہ آسمانوں کو خلق کرنے والا میں ہوں زمین کا خلق کرنے والا میں ہوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اسکا خلق کرنے والا بھی میں ہی ہوں۔ آسمان سے بارش کا برسانے والا بھی میں ہوں۔ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے ولی ہواؤں کا بھیجنے والا بھی میں ہوں۔ پہاڑوں کو زمین میں نصب کرنے والا بھی میں ہوں۔ مصیبت

زدہ اور مشکل اور پریشانی میں مبتلا لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرنے والا بھی میں ہوں

خدا کہتا ہے کہ یہ سب کام میرے ہیں ان سب کاموں کا کرنے والا میں ہوں اگر کوئی ان تمام کاموں کو یا ان میں سے کچھ کاموں کو کسی دوسرے کیطرف منسوب کرتا ہے تو گویا اس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا ہے۔ لہذا وہ بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ "ءالہ مع اللہ" کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟

اور پھر بالفاظ واضح واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ جو کوئی ان کاموں کی کسی دوسرے کی طرف نسبت دیتا ہے وہ مشرک ہے۔ اور خدا کی ذات ان کے اس شرک سے پاک و پاکیزہ و منزہ و بلند و بالا ہے۔ یعنی ان کاموں میں اسکا کوئی شریک نہیں ہے۔

اسی طرح تمہیں بھی اسی نے خلق کیا ہے اور وہی اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے جس منصب کے لئے چاہے منتخب کرتا ہے۔ اس نے ان کاموں کا اختیار کسی کو بھی نہیں دیا لہذا جو کوئی تمہارے خلق کرنے کا یا کسی کو کسی خدائی منصب کے لئے منتخب کرنے کا کسی کے لئے عقیدہ رکھے تو وہ مشرک ہے "سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون"

مفوضہ کو مشرک کیوں کہا گیا؟

مفوضہ کے بارے میں اہل تشیع کے درمیان، اتفاق کامل ہے کہ وہ مشرک ہیں۔ اور اس بارے میں شیعوں کے کسی فرقے اور کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا ہے حالانکہ حتماً و یقیناً وہ خدا ہی کو خدا مانتے تھے۔ اور خدا کے مقابلہ میں کسی اور کو خدا مان کر اس کے آگے خضوع و خشوع نہیں کرتے تھے۔ اور ان سے انہیں خدا مان کر دعائیں نہیں کرتے تھے۔ پھر انہیں مشرک کیوں کہا گیا۔ تو آئمہ معصومین علیھم السلام کے ارشادات گرامی کی روشنی میں اس بات کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ کہ آئمہ اطہار علیھم السلام نے ان کو مشرک کیوں کہا؟

مفوضہ کے بارے میں ارشادات معصومین علیہم السلام

آقائے حسین علیین مکان نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں شیخ جلیل ابن بابویہ قمی سے ایک روایت نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں

"شیخ جلیل ابن بابویہ قمی در اعتقاد خود از زرارہ روایت کردہ کہ عرض کردم بخدمت حضرت صادق علیہ السلام بدرستیکہ مردی از اولاد عبداللہ بن سبا است کہ قائل جفویض شدہ۔ فرمود تفویض چیست۔ عرض کردم میگوید کہ خداوند عالم محمد و علی صلوات اللہ علیہما را آفرید پس سپرد بایشان امر عالم را پس این ہردو بزگوار خلق عالم کردند و روزی دادند زندہ کردند و میراندند پس آنحضرت فرمود دروغ گفت دشمن خدا۔ ہرگاہ باز گردی بسوی او پس بخواں براواز سورۃ رعد "ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شیء وھو الواحد القہار"۔ پس برگشتم بسوئے او و گفت باو انچہ فرمودہ بود پس ساکت شد گویا سنگی را در دہن لقمہ دادم۔ (حدیقہ سلطانیہ ص 71)

ترجمہ: شیخ جلیل ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب "اعتقادیہ" میں زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ عبداللہ ابن سبا کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے جو تفویض کا قائل ہو گیا ہے امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تفویض سے اسکی کیا مراد ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا نے محمد و علی صلوات اللہ علیہما و آلہما کو خلق فرما کر عالم کا تمام کام انکو سپرد کر دیا۔ پس ان دونوں بزرگواروں نے سارے جہاں کو خلق کیا۔ روزی دی۔ زندہ کیا اور موت دی۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دشمن خدا نے جھوٹ بولا ہے۔ جب تم اس کے پاس لوٹ

کر جاؤ تو اس کے سامنے سورۃ رعد کی یہ آیت پڑھنا "ام جعلوا لله شرکاء خلقوا کخلقه فتشابه الخلق علیهم قل الله خالق کل شیء وهو الواحد القهار"
یعنی کیا انہوں نے اللہ کے شریک قرار دے لئے ہیں۔ جنہوں نے اسکی مخلوق کی طرح کوئی اور مخلوق پیدا کرلی ہے۔ اور وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے اے رسول تم کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد و یکتا و یگانہ اور غالب و قہار ہے۔ (زرارہ کہتے ہیں کہ) پس میں لوٹ کر اس کے پاس گیا اور امام علیہ السلام نے اس کے سامنے جس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا تھا وہ میں نے اس کے سامنے پڑھی۔ پس وہ شخص دم بخود ہوگیا۔ گویا کہ میں نے اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا ہے۔

امام علیہ السلام کے اس ارشاد کے مطابق جس میں سورۃ رعد کی مذکورہ آیت کے اس کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ مطلب تھا کہ گویا جو شخص ان بزرگوں کی طرف خلق کرنے رزق دینے اور مار دینے زندہ کرنے کی نسبت دیتا ہے۔ تو گویا اس نے ان بزرگ ہستیوں کو خدا کا شریک بنا دیا ہے جو ام جعلوا لله شرکاء سے ظاہر ہے۔ اور امام علیہ السلام نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کو اپنے مطلب پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے،

آقائے حسین علیین مکان نے ایک اور روایت حدیقہ سلطانیہ میں اسطرح نقل کی ہے کہ:

"از حضرت امام رضا علیہ السلام منقول است کہ غالیان کافر مطلق اند و مفوضہ مشرکین اند کسیکہ با انہا مجالست و ہمنشینی کند یا با آنہا مخالطت کند یا با ایشاں چیز بخورد یا بیاشامد یا صلہ نسبت با ایشاں بعمل آرد یا امانت آنہا را نزد خود نہد۔ یا حدیث آنہا را تصدیق کند یا اعانت آنہا نماید اگرچہ بیک کلمہ یا بعض کلمہ باشد از ولایت و دوستی خدائے عزوجل و ولایت و دوستی رسول خدا و اہل بیت آنحضرت بدر میرود۔ (حدیقہ سلطانیہ ص 71)

ترجمہ: امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ غالی کافر مطلق ہیں اور مفوضہ

مشرکین ہیں جو شخص انکے پاس بیٹھے انکی صحبت نشینی اختیار کرے یا ان کے ساتھ میل جول رکھے۔ یا ان کے ساتھ کوئی چیز کھائے یا پیئے یا انکے ساتھ کوئی بھلائی کرے یا ان کے ساتھ مناکحت کرے۔ یا انہیں امانت دار بنائے یا انکی امانت اپنے پاس رکھے۔ یا انکی کسی بات کی تصدیق کرے۔ یا انکی امداد کرے۔ اگر چہ وہ امداد صرف ایک کلمہ کے ذریعہ سے ہو یا بعض کلمہ کے ذریعے وہ خدائے عزوجل کی ولایت ودوستی سے اور رسول خدا کی ولایت ودوستی سے اور آنحضرت کے اہل بیت کی ولایت ودوستی سے باہر ہو گیا۔

مفوضہ کے شرک کے بارے میں آئمہ علیہم السلام سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے ہم نے کئی احادیث اپنی کتاب "العقائد الحقیہ" میں نقل کی ہیں۔ یہاں پر صرف مذکورہ دو احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

چونکہ مفوضہ کا مشرک ہونا متفق علیہ تھا اور قرآن وحدیث اور ارشادات آئمہ معصومین علیھم السلام اس بارے میں واضح تھے۔ لہذا تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک اجنبی شخص ایران میں داخل ہوا۔ جس نے خود کو احساء کا رہنے والا بتلایا۔ اور اپنا نام شیخ احمد احسائی ظاہر کیا۔ شیخ احمد احسائی کے ایران آنے سے پہلے ایران میں فلسفہ اور تصوف اپنے عروج پر پہنچے ہوئے تھے اور ایرن کے مراجع عظام نے ان پر کفر کے فتوے صادر کئے ہوئے تھے کیونکہ ملا صدرا کا فلسفہ ہو یا صوفیا کا وحدت الوجودی نظریہ دونوں وحدت الوجود کے قائل تھے۔ لہذا شیخ احمد احسائی نے فلسفہ وتصوف کے گرویدہ لوگوں کو ایک نئی راہ دکھائی اور سابق میں رائج فلسفہ میں معمولی سی ترمیم کرکے اسے جدید شکل میں علل اربعہ کی صورت میں پیش کیا۔۔ اور مفوضہ کے تمام عقاید کو اپنے اس جدید فلسفہ علل اربعہ کے ماتحت لے آیا جو سراسر ایک من گھڑت فلسفہ ہے۔

چونکہ مفوضہ بھی وہی کچھ کہتے تھے جو اس نے اپنے جدید فلسفہ کے ذریعہ علمی شکل

میں پیش کیا تھا۔ اور مفوضہ کے مشرک ہونے پر سب کا اتفاق تھا۔ لہذا شیخ احمد احسائی نے مفوضہ کے عقائد اور اپنے عقائد میں فرق ظاہر کرنے کیلئے اپنے من گھڑت فلسفہ کی بنیاد پر یہ نکتہ بیان کیا کہ مفوضہ تو بالاستقلال تفویض کے قائل تھے۔ اور ہم غیر مستقل طور پر ان کے لئے تفویض کے قائل ہے۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ایران وعراق کے اس وقت کے مراجع عظام نے تو اسکی اس جدید فکر، نظریہ اور عقیدہ کو کفر قرار دیا تھا اور اس کے پیروکاروں کو شیخی اور ان نظریات کو مذہب شیخیہ قرار دیا تھا لیکن مذہب شیخیہ اور صوفی شیعوں کی تبلغیات کے نتیجے میں شیعوں میں سے بہت سے لوگ تفویض کے قائل ہو گئے۔ اور بہت سے علمائے شیعہ بھی اس سے محفوظ نہ رہے تو انہوں نے بھی استقلالی اور غیر استقلالی تفویض کی اصطلاح کو اپنا لیا جو بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ تفویض کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور مذہب شیخیہ کے فریب میں آ کر اپنی اس تفویض کو غیر استقلالی قرار دے کر اسے عین توحید سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے لئے ساری کائنات کو خلق کرنے اور کائنات کا نظام چلانے کے بارے میں نہ بالاستقلال کہنا صحیح ہے اور نہ غیر استقلالی طور پر کہنا صحیح ہے۔ اور اس سلسلے میں تو ہم آگے چل کو گفتگو کرینگے یہاں پر آقائے جبین علیین مکان نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں آئمہ اطہار علیہم السلام کی بیان کردہ روایت سے جو نتیجہ نکالا ہے اسے پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''واز اینجا لایح شد کہ غیر خدا خالق ومدبر عالم نیست۔ خواہ بالاستقلال باشد وخواہ بہ تفویض واقدار الہی۔ واین ہمہ از ضروریات دین است ومنکر اں خارج از دین پس نمی تواں گفت کہ احدی غیر از خدائے عزوجل خالق ورازق علی الاطلاق یا واسط صدور خلق و رزق است کہ ماعدای آن واسطہ ہر چہ ہست بتوسط واسطہ است'' (حدیقہ سلطانیہ ص 74)

ترجمہ: ان روایات سے واضح اور آشکا ہو گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خالق ومدبر

عالم نہیں ہے۔ خواہ استقلال کی صورت میں ہو یا تفویض کے ذریعہ یا خدا کی طرف سے ان کاموں کی قدرت عطا کرنے کی صورت میں (غیر استقلالی طور پر) اور یہ سب ضروریات دین سے ہے۔ اور اسکا منکر دین سے خارج ہے۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خدائے عزوجل کے سوا کوئی بھی علی الاطلاق خالق ورازق ہے یا خلق ورزق کے لئے ایسا واسطہ ہے کہ اس خاص واسطہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اس واسطہ کے توسط سے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خداوند تعالی کے تمام کام اس کی مشیت اور ارادے کے تحت انجام پاتے ہیں۔ لیکن مذہب شیخیہ کی ایک اور مکاری اور عیاری یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عقیدہ کو درست کرنے کے لئے خدا کے ارادہ ومشیت اور قدرت کو بھی ایک علیحدہ مستقل وجود کے طور پر برقرار دے لیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ "مشیت اور قدرت" خدا اور اسکی مخلوق کے درمیان، خلق ورزق کا واسطہ ہیں۔ اور خدا کی یہ مشیت اور قدرت جنہیں مستقل اور علیحدہ وجود کا نام دیا ہے وہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں۔

آقائے حسین علیین مکان اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں انکے اس استدلال کو امام رضا علیہ السلام کی ایک حدیث کے ذریعہ اس طرح سے رد فرماتے ہیں۔

"وحال آنکہ درروایت محمد بن عرفہ آمدہ کہ از حضرت امام رضا عرض کردم کہ حق تعالی اشیاء رابقدرت خلق کردہ یا بغیر قدرت۔ آنحضرت فرمود گویا تو قدرت خدارا چیزی موجود سوائے ذات او قرار دادہ وگردانیدہ آنرا آلہ وواسطہ کہ بتوسط آن اشیاء راخلق فرمودو این شرک است پس روا نیست کہ چنیں کلمہ گوئی۔ (حدیقہ سلطانیہ ص 78)

ترجمہ: حالانکہ محمد بن عرفہ کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ خداوند تعالی نے تمام اشیاء کو قدرت کے ساتھ خلق فرمایا ہے یا بغیر قدرت کے۔ آنحضرت نے فرمایا گویا تو نے قدرت خدا کو اس کی ذات کے سوا علیحدہ سے

کوئی موجود شئے قرار دے دیا ہے اور اس علیحدہ سے موجود قدرت کو تو نے ایسا آلہ اور واسطہ قرار دیا ہے کہ خدا نے جس کے توسط سے اشیاء کو خلق کیا ہے آپ نے فرمایا ایسا کہنا شرک ہے اور ایسی بات کہنا جائز نہیں ہے۔

مفوضہ کو کہاں سے معلوم ہو کہ آئمہ خالق ورازق ہے۔

قرآن کریم کی وہ آیات جو ہم نے سابقہ صفحات میں نقل کی ہیں دعوے کے ساتھ یہ کہتی ہیں۔ کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا خلق کرنے والا خدا ہے۔ اور ان آیات کے علاوہ اور بھی بہت سے آیات ایسی ہیں جو اسی دعوے کو بیان کرتی ہیں۔ تو پھر مفوضہ نے یہ عقیدہ کہاں سے اپنالیا۔ کہ خدا نے صرف محمد وعلی کو پیدا کیا۔ اس کے بعد جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا تو انکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں اس قسم کا عقیدہ چلا آرہا تھا اور یہودی حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور چونکہ خدا کا بیٹا کسی دوسری نوع کا تو نہیں ہو سکتا لہذا ایک طرح سے وہ حضرت عزیز کو خدا بھی مانتے تھے۔ اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بھی مانتے تھے۔ اور خدا بھی مانتے تھے۔ اور جب فلسفہ یونان کے زیر اثر گئے تو انہوں نے یہ فلسفہ اختیار کیا کہ خدا نے صرف حضرت عیسیٰ کو خلق کیا اور یہ خلق کرنا بھی ارادہ واختیار کی؟ صورت میں نہیں تھا۔ بلکہ حضرت عیسیٰ خدا کے اندر سے نکلے اور اس کے بعد جو کچھ خلق کیا وہ حضرت عیسیٰ نے کیا۔ اور جو کچھ خلق ہو رہا ہے وہ وہی کرتے ہیں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب العقاید الحقہ۔

ابتدا میں حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ان کے پاس یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ لہذا خدا انکا باپ ہے۔ اور عیسیٰ ان کے بیٹے ہیں۔ اور خدا ہونے کی دلیل ان کے پاس یہ تھی کہ خدا کا بیٹا دوسری نوع کا تو ہو نہیں سکتا پس خدا کا

بیٹا خدا ہی ہوگا۔ دوسری دلیل ان کے پاس یہ تھی کہ ان کے پاس کئی معجزات تھے۔ جو خرق عادت تھے اور معجزات کا ظہور خدا کے سوا اور کسی سے ممکن نہیں ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ یہ کام اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ہی خدا ہیں۔ اور فلسفہ یونان چونکہ یہ کہتا ہے کہ "لا یصدر عن الواحد الا واحد" یعنی ایک چیز میں سے صرف ایک ہی چیز نکل سکتی ہے۔ لہذا فلسفہ یونان کے تحت انہوں نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ وہ ایک چیز جو خدا سے نکلی وہ حضرت عیسےٰ تھے اور خدا میں سے نکلنے کے بعد جو کچھ کیا وہ حضرت عیسےٰ نے خدا کے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے کیا۔ یہ تمام باتیں ہم نے اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں خود نصاری کی کتاب سے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ بہر حال یہ عقائد ادیان سابقہ میں غلط طور پر قائم ہو چکے تھے۔ جسکا قرآن نے۔ پیغمبر گرامی اسلام نے اور آئمہ اطہار علیہم السلام نے رد و ابطال کیا ہے۔

"پیغمبر گرامی اسلام کے بعد قائم ہونے والی حکومت کی لشکر کشیوں، ملک گیری اور فتوحات کی نتیجہ میں بہت سے غیر مسلم۔ مسلمان ہوئے اور علامہ شبلی کی کتاب علم الکلام کے مطابق یہ مسلمان ہونے والے شکست کے نتیجہ میں جسمانی طور پر تو مغلوب ہو گئے۔ لیکن نظریاتی طور پر مسلمانوں پر غالب آ گئے۔ اور وہ عقائد و نظریات جو وہ سابقہ ادیان میں رکھتے تھے انہیں کو اسلام قبول کرنے کے بعد اختیار کر لیا۔

چنانچہ اس غلبہ کی نتیجہ میں بہت سے یہودی اور عیسائی بھی مسلمان ہوئے لہذا مسلمان ہونے کے بعد وہ عقائد جو وہ حضرت عزیز اور حضرت عیسےٰ کے بارے میں رکھتے تھے۔ حضرت علی کے معجزات دیکھ کر وہ انہوں نے حضرت علی کے بارے میں اپنا لیے۔ اور اس وقت انکی دلیل صرف آنخضرت کے معجزات ہی تھے۔ چونکہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اور خدا کے سوا وہ فعل اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ لہذا جنہوں نے انہیں خدا مانا وہ بھی ان

کے معجزات دیکھ کر۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ خدا نے انہیں خلق کرنے کے بعد اپنے تمام کام انہیں سپرد کر دیے ہیں وہ بھی ان کے معجزات دیکھ کر۔

پس جنہوں نے ان کے معجزات دیکھ کر یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ خدا نے محمد و علی علیہم السلام کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا۔ اس کے بعد جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا۔ خلق انہوں نے کیا، رزق انہوں نے دیا۔ موت انہوں نے دی زندگی انہوں نے دی غرض ساری کائنات کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ اس عقیدہ کو تفویض کہتے ہیں۔ اور آئمہ اطہار علیہم السلام نے انکو خدا ماننے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ اور عقید و تفویض اپنانے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ اور مفوضہ کو مشرک قرار دینے کی بات اتنی مسلمہ ہے اور اتنی مصدقہ ہے کہ کسی بھی شیعہ عالم کو اس بات کا انکار نہیں ہے سب کو یہ بات تسلیم ہے کہ عقیدہ تفویض رکھنے والے مشرک ہیں۔ اور 1221ھ تک عقیدہ تفویض کے لئے مفوضہ کی سب سے بڑی دلیل یہی معجزات تھے۔ پھر رفتہ رفتہ انہوں نے آئمہ اطہار کی طرف نسبت دے کر ایسی روایات بھی گھڑ لیں جو انکے عقیدہ کی تائید کریں۔

لیکن، 1221ھ میں شیخ احمد احسائی نے فلسفہ یونان کو جدید شکل دیکر خدا کو ایک مادہ قرار دیا اور اس میں سے محمد و آل محمد علیہم السلام کے نور کو نکالا اور پھر تمام خدائی، افعال کا فاعل محمد و آل محمد علیہم السلام کو قرار دیا ہے۔ شیخ احمد احسائی کی سب سے اولین اور سب سے بڑی دلیل اس کا یہ من گھڑت جدید فلسفہ ہے۔ جس میں اس نے محمد و آل محمد علیہم السلام کی ساری کائنات کی علت فاعلی قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "العقائد الحقہ"۔ لہذا اس وقت کے تمام مجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہان نے ان نظریات کو مذہب شیخیہ کا نام دیا اور اس کے پیروکاروں کو شیخی کا لقب دیا۔

چونکہ یہ عقیدہ قطعی طور پر وہی تھا جو مفوضہ کا تھا صرف دلیل بدلی تھی۔ اور مفوضہ کے بارے میں یہ مسلمہ بات تھی کہ مفوضہ مشرک ہیں۔ لہذا اس نے اور اس کے جانشینوں نے اور تمام مبلغین شیخیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ مفوضہ کی تفویض اور ہماری تفویض میں فرق ہے۔ مفوضہ تو بالاستقلال تفویض کے قائل ہیں۔ لیکن ہم ان کے لئے غیر استقلالی طور پر تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ مفوضہ بھی ان کے لئے تفویض کے بالا استقلال قائل نہیں تھے جیسا کہ آقائے حسین علیین مکان نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں لکھا ہے آپ شرک در عبادت کا بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"در شرع اسلام معبودی برحق جز ذات اقدس الہی قرار دادن عمدہ انواع شرک و کفر است۔ و ہمیں است حال تفویض خلق و رزق کہ حضرات قائل آنرا بعد واللہ تعبیر فرمودہ اند۔ و بشرک شان در نصوص تصریح نمودہ و تاویل دور از کار عدم استقلال۔ مثل تاویلات کفار و مشرکین قریش و نصاری و یہود بیکار و لائق اضعاء نیست اگر بنظر تامل بنگرند خواہند دانست کہ این عدم استقلال کہ انرا بغیر حاجت واسطہ الی خالقھا الغنی بالذات و حاجت سائر خلق الی الواسطہ میکند ہمیں تفویض است۔ مفوضہ کے حضرات را مستقل بایں معنی میدانند کہ حاجت خود نداشتہ باشند۔ بالجملہ حضرت باری جلت عظمتہ اموری چند را از صفات و طاعات مخصوص ساحت کبرائی خود ساختہ و مشارکت دیگرے در آں روا نداشتہ خواہ مقرب حضرت اقدس او باشند و خواہ غیر مقرب۔ پس چگونہ ایشاں را خالق و رازق و فاعل و جاعل و مدبر عالم میتوان دانست کہ از صفات مختصہ حضرت باری تعالی جلت است و حضرات ہمیشہ معترف بعبودیت و عجز بودند۔ (حدیقہ سلطانیہ ص 75-76)

ترجمہ: شریعت اسلام میں سوائے اللہ تعالی کی ذات کے کسی دوسرے کو معبود برحق قرار دینا کفر و شرک کی سب سے بڑی بنیادی قسم ہے۔ اور یہی حال خلق و رزق کی

تفویض کا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے اس کے قائل کو دشمن خدا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور نصوص میں ان کے مشرک ہونے کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور عدم استقلال کی دور از کار تاویل مشرکین و کفار قریش و نصاریٰ و یہود کی تاویل کی مانند بے کار و بے سود ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ اگر یہ حضرت ذرا غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ عدم استقلال جس کی تفسیر وہ اسطرح کرتے ہیں کہ آئمہ جو کہ واسطہ ہیں وہ تو اس خالق کی طرف جو غنی بالذات ہے محتاج ہوتے ہیں۔ اور باقی مخلوق ان وسائط یعنی آئمہ علیہم السلام کی طرف محتاج ہیں۔

یہ عدم استقلال بعینہ مفوضہ والی تفویض ہے۔ مفوضہ بھی آئمہ علیہم السلام کو اس معنی میں مستقل نہیں جانتے تھے۔ کہ انہیں اپنے خالق کی طرف بھی کوئی احتیاج نہیں ہوتی تھی۔

مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند صفات اور طاعات کو اپنی ذات کبریائی کے لیے ایسا مخصوص قرار دیا ہے کہ ان میں کسی ہستی کی شرکت کو جائز قرار نہیں دیا ہے خواہ وہ ہستی مقرب بارگاہ ایزدی ہو۔ اور خواہ غیر مقرب ہو۔ تو پھر آئمہ علیہم السلام کو کس طرح سے عالم دنیا کا خالق و رازق اور پیدا کرنے والا اور بنانے والا اور مدبر کل قرار دیا جا سکتا ہے۔ جبکہ یہ وہ صفات ہیں جو ذات باری تعالیٰ جلت عظمتہ کے ساتھ خاص ہیں۔ حالانکہ آئمہ علیہم السلام خود اپنی عبودیت اور عجز کے معترف رہے ہیں۔

استقلال اور غیر استقلال کا مفہوم کیا ہے؟

روسائے مذہب شیخیہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انکا نظریہ وہی ہے جو مفوضہ کا تھا۔ اور وہ عقیدہ تفویض کے قائل ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ آئمہ علیہم السلام نے جس تفویض کو شرک قرار دیا ہے وہ تفویض کا بالاستقلال قائل ہونا ہے اور ہم جسطرح سے تفویض کے قائل ہیں وہ تفویض غیر استقلالی ہے جو شرک نہیں ہے بلکہ عین توحید ہے۔ اس

کے بارے میں روسائے شیخیہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ یہاں پر جو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ایہ ایسا ہی بہانہ یا تاویل اور غلط توجیہ ہے جیسا کہ بت پرستوں نے اپنے عمل کے صحیح اور درست ہونے کے لئے بنایا تھا۔ اور قرآن کی رو سے انہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ھولاء شفائونا عنداللہ" یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ آیت واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ مشرکین عرب یقینی طور پر اللہ کو ہی اللہ مانتے تھے اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ بت انکی اللہ کے پاس شفاعت کرنے والے ہیں۔ لیکن یہ انکا اپنے غلط کام کو درست ثابت کرنے کے لئے ایک غلط توجیہ اور بہانہ تھا۔ ورنہ وہ بت نہ تو انکی کسی بات کے لئے شفاعت کرتے تھے۔ اور نہ ہی انہیں اسکا کوئی اختیار تھا۔

اسی طرح روسائے مذہب شیخیہ نے اپنے واضح اور آشکار عقیدہ تفویض کو صحیح قرار دینے کے لئے غیر استقلالی طور سے تفویض کا قائل ہونے کو بت پرستوں کی طرح ایک غلط توجیہ اور بہانہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

ہمارے عوام چونکہ استقلال اور غیر استقلال کی اصطلاح سے قطعی ناواقف ہیں لہذا وہ ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اس لئے ہم سب سے پہلے استقلالی اور غیر استقلالی کا مفہوم سادہ اور آسان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اور اس کو سمجھانے کے لئے دو اسلامی فرقوں کے نظریہ اور عقیدے کا بیان کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سواد اعظم کے دو بڑے اعتقادی فرقے ہیں ایک فرقہ معتزلہ کہلاتا ہے اور دوسرا اشعری "معتزلہ کو قدریہ بھی کہتے ہیں۔ اور اشعری کو جبریہ بھی کہتے ہیں۔ اور ماضی بعید میں جبریہ اور قدریہ کے درمیان بڑی مناظرہ بازی بڑی بحث وتکرار اور بڑی معرکہ آرائی رہی ہے جیسا کہ مولانا الطاف حسین حالی نے کہا ہے کہ:

جبریہ قدریہ کی بحث وتکرار   دیکھا تو نہ تھا اسکا کچھ مذہب پہ مدار

جو بے ہمت تھے بن گئے مجبور   جو باہمت تھے ہو گئے مختار۔

مولانا الطاف حسین حالی نے جبریہ وقدریہ انہیں دونوں فرقوں یعنی معتزلہ اور اشعری کو کہا ہے ۔ یہ دونوں فرقے جبریہ اور قدریہ کیوں کہلاتے ہیں۔؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اشعری یا جبریہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے۔ جو کچھ کرتا ہے یا کراتا ہے وہ خدا کرتا ہے یا کراتا ہے۔ چاہے نیک کام کرنا ہو یا برا کام۔ ثواب والا کام ہو یا گناہ والا کام ہو۔ اب ہمیں ثواب والے کام یا گناہ والے کام گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشعری یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کام خدا کے ہی ہیں۔ چاہے وہ کار خیر ہو یا کار شر (خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ) لیکن یہ کام ظاہر میں کرتا انسان ہی ہے۔

لیکن معتزلہ یا قدریہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے انسانوں کو ان کاموں کی قدرت عطا کر کے اختیار کامل دے دیا ہے اب خدا کا انسان کے ان کاموں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چاہے نیک کام ہو یا کار بد ہو۔ خدا کا تعلق انسان کے ان کاموں سے ہر صورت منقطع ہے۔ کیونکہ یہ وہ کام ہیں جن کے کرنے کی قدرت اور اختیار خدا نے دیدیا ہے۔ لہذا نہ تو ثواب کا کام کرنے میں خدا کا کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور نہ ہی گناہ کا کام کرنے میں خدا کا کوئی تعلق اور واسطہ ہے۔ اس کو ہمارے علماء کی اصطلاح میں مستقل ماننا کہتے ہیں۔

یعنی وہ انسانی افعال جو واقعا وہ انجام دیتا ہے ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس میں خدا کا کوئی کسی قسم کا دخل اور تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ اور انسان کے ان افعال سے خدا کا ہر قسم کا تعلق اور واسطہ قطعی طور پر منقطع ہے۔ تو اسے اپنے فعل میں مستقل ہونا کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ انسان اپنے افعال میں خدا کی طرف محتاج ہے اور اس کے اوامر ونواہی کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہے تو یہ انسانی افعال ایسے کہلائینگے جیسا کہ وہ ان افعال میں مستقل نہیں ہے۔ یعنی غیر مستقل ہے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ انسان کو مستقل بھی ان ہی افعال میں مانا جاتا ہے جو وہ واقعا انجام دیتا ہے۔ اور غیر مستقل بھی ان ہی افعال میں مانا جاتا ہے جو وہ واقعا اور حقیقتا بجا لاتا ہے۔ فرق صرف ماننے والے کی نیت کا ہے،

لیکن وہ افعال جو انسان بجا ہی نہیں لاتا۔ نہ وہ کام اس کے کرنے کے ہیں۔ تو انہیں نہ تو مستقل کہا جاسکتا ہے اور نہ غیر مستقل،

اسکو تھوڑا سا اور واضح کردوں کہ بت پرست جو یہ کہتے ہیں کہ "ھـــو الاء شفائونا عند الله" یعنی یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنیوالے ہیں تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کی شفاعت کرنے والے نہیں تھے۔ نہ انکا یہ کام تھا۔ نہ وہ اسکی قدرت رکھتے تھے۔ نہ طاقت رکھتے تھے نہ اختیار رکھتے تھے۔ لہذا وہ بت تو بس بت بنے کھڑے رہتے تھے۔ اور یہ بات انہوں نے صرف رفع اعتراض کے لئے بہانہ کے طور پر بنائی تھی۔ لہذا میں ان تمام شیعہ علماء سے معذرت کے ساتھ عرض کرونگا کہ جنہوں نے اپنے شرک کو چھپانے کے لئے استقلال اور غیر استقلال کے نظریہ کو اپنا لیا ہے۔ بت پرستوں کا شرک اس میں نہیں تھا کہ وہ انہیں مستقل مانتے تھے۔ بلکہ انکا شرک اس وجہ سے تھا کہ وہ بت یہ کام کرتے ہی نہ تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے یہ کام کبھی کیا تھا۔ بلکہ بہت پرستوں نے ان کے بارے میں خود ہی یہ عقیدہ اپنا لیا تھا، کیونکہ وہ بت کچھ بھی نہیں کرتے تھے نہ مستقل نہ غیر مستقل۔ لہذا ان کو شفاعت کرنے والا ماننا یا ان کو اپنی حاجتیں برلانے والا ماننا تو ایک شرک تھا اور ان کو شفاعت کرنے والا یا حاجات برلانے والا مان کر ان سے حاجتیں طلب کرنا اور ان سے دعائیں مانگنا۔ یہ دوسرا شرک تھا۔ جسے وہ عبادت کا نام دیتے تھے۔ اور دوسرے بھی ان کے اس عمل کو عبادت ہی سمجھتے تھے لہذا یہ شرک فی العبادت تھا۔

یہ مثال تو قرآن میں موجود ہے۔ ایک مثال ہمارے تجربہ کی ہے، ہندوستان

میں ایک قوم ہے۔ جو پیپل کے درخت کی پوجا کرتے ہیں۔ پیپل ایک عظیم الجسہ درخت ہوتا ہے جو بڑی عمر پاتا ہے۔ اور اس کے عظیم الجسہ ہونے کی وجہ سے یہ قوم یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اس کو خدا نے ان کے کام کرنے، انکی مشکلات حل کرنے اور انکی مرادیں برلانے کی شکتی دی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ اس لئے شرک نہیں ہے کہ وہ اس درخت کو ان کاموں کے کرنے میں مستقل مانتے ہیں یا غیر مستقل نہیں مانتے بلکہ ان کا یہ عقیدہ اس بنا پر شرک ہے کہ اس پیپل کے درخت کے یہ کام ہیں ہی نہیں۔ اور نہ ہی وہ یہ کام کرتا ہے۔ نہ مستقل نہ غیر مستقل جب وہ کوئی کام کرتا ہی نہیں تو مستقل کیا اور غیر مستقل کیا۔

ایک اور قرآن کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے سورج کے بارے میں (سورج پرستوں کو قائل کرنے کے لئے) یہ کہا کہ یہ میرا رب ہے اور جب سورج غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یا اپنا رب نہیں مانتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج پرست سورج کو اپنا رب مانتے تھے۔ اس کو مشکلات کا حل کرنے والا۔ اولاد کا دینے والا اور تمام کارھائے ربوبی انجام دینے والا مانتے تھے۔ تو انکا شرک اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ سورج کو رب یا کارھائے ربوبی انجام دینے والا مستقل طور پر مانتے تھے۔ اور اگر وہ غیر مستقل طور پر کارھائے ربوبی انجام دینے والا مانتے تو پھر شرک نہ ہوتا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ انہیں مفوضہ کی اور شیخیوں کی اور صوفی شیعوں کی مستقل اور غیر مستقل کی اصطلاح کا علم ہوتا تو مزے سے چاہے جسے کارھائے ربوبی انجام دینے والا مانتے بس اتنا کہ دیتے کہ ہم ان کو غیر مستقل طور پر خالق و رازق محی و ممیت، مدبر کائنات اور سارے جہاں کا نظام چلانے والا مانتے ہیں تو وہ بھی مفوضہ شیخیوں اور صوفی شیعوں کی طرح اپنے شرک کو عین توحید کہہ سکتے تھے۔ پس سورج کی پرستش کرنے والوں کا شرک دو طرح سے تھا ایک تو سورج کو کارھائے

ربوبی انجام دینے والا مانتے تھے لہذا شرک در افعال کے مرتکب ہوتے تھے۔ دوسرے کارھائے ربوبی انجام دینے والا ماننے کی وجہ سے اس سے اپنی حاجت براری کے لئے دعائیں کرتے تھے جسے وہ پرستش کہتے تھے۔ لہذا شرک در عبادت کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ یہی حال پارسیوں کا ہے جو آگ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ پس روسائے مذہب شیخیہ ہوں یا مبلغین مذہب شیخیہ ہوں یا صوفی شیعہ ہوں یا وہ علمائے شیعہ ہوں جنہوں نے مبلغین مذہب شیخیہ اور صوفی شیعوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عین شرک کو توحید بنانے کے لیے غیر مستقل ماننے کو عین توحید سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ محض ایک بہانہ ہے جیسا کہ بت پرستوں کا ھولاء شفاؤنا عبداللہ کہنا ایک بہانہ تھا۔

اصل چیز یہ ہے کہ آیا وہ یہ کام کرتے تھے یا نہیں یا انہوں نے یہ کام کیا ہے یا نہیں۔ اور جب وہ نہ یہ کام کرتے ہیں نہ انہوں نے یہ کام کیا۔ تو پھر یہ مستقل اور غیر مستقل کا چھانسہ دیکر عوام کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنے والی بات ہے۔ اب ہم وہ نصوص پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ آئمہ علیہم السلام نہ تو خلق و رزق اور احیاء و اماتت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نہ انہوں نے یہ فریضہ کبھی انجام دیا۔

وہ نصوص جو تفویض غیر استقلالی کی نفی کرتی ہیں

تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں ہم نے کئی احادیث مستند حوالوں کے ساتھ جنہیں روسائے شیخیہ بھی صحیح السند تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی کتاب ''العقائد الحقہ'' میں نقل کی ہے اور وہ احادیث بھی نقل کی ہیں جن میں غیر مستقل تفویض کی واضح طور پر بھی نفی وارد ہوئی ہے۔ تفصیل کے لئے العقائد الحقہ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں پر نمونے کے طور پر دو نصوص پیش کرتے ہیں۔ جو غیر استقلالی تفویض کی واضح طور پر نفی کرتی ہیں۔

نمبر 1: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"من قال نحن الخالقون بامر الله فقد کفر"

(حدیقہ سلطانیہ جلد 3 ص 178 و بحار الانوار)

یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے امر اور اذن سے خلق کرتے ہیں وہ کافر ہے۔ یہ حدیث تفویض غیر استقلالی کی رد میں ایک واضح دلیل ہے۔

نمبر 2: تفویض کو غیر مستقل طور پر ماننے کے بارے میں ایک وہ حدیث ہے جو بحار الانوار میں اور عیون اخبار الرضا میں یاسر خادم سے روایت کی گئی ہے۔ اور جسے رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ مرزا موسیٰ اسکوئی نے بھی اپنی کتاب احقاق الحق میں ص 394 سطر 5 تا 11 پر تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں احادیث بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے جو اسطرح ہے

"تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں ایک وہ حدیث ہے جو بحار الانوار میں اور عیون اخبار الرضا میں یاسر خادم سے مروی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ تفویض کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کو اپنے دین کے امور تو سپرد کئے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو کچھ رسول تمہیں حکم دیں اس لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

رہا خلق و رزق کا معاملہ تو یہ اس نے ہمیں سپرد نہیں کیا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عز وجل ہی ہر چیز کا خالق ہے اور اللہ عز وجل نے اپنی کتاب محکم قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو خلق کیا ہے۔ اسی نے تم کو خلق کرنے کے بعد رزق عطا فرمایا ہے۔ وہی تمہیں اس زندگی کے بعد موت دیگا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے جو ان امور میں سے کچھ سرانجام دیتا ہو۔ اللہ کی ذات ان کے اس

شرک سے پاک ہے (احقاق الحق ص 394 بحوالہ بحار الانوار، عیون اخبار الرضا)

”اصل عبارت کا عکس ہماری کتاب العقائد الحقہ میں ملاحظہ کریں۔“

اس حدیث میں امام رضا علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے نبی کو اپنے دین کے امور تو سپرد کیے ہیں رہا خلق رزق کا معاملہ تو یہ خداوند تعالی نے انہیں سپرد نہیں کیے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے سورۃ روم کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اللہ ہی نے تم کو خلق کیا ہے۔ اور اسی نے تم کو خلق کرنے کے بعد رزق عطا فرمایا ہے ۔ وہی تمہیں اس زندگی کے بعد موت دیگا۔ وہی تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کریگا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کسی کام کو سرانجام دیتا ہو۔

اس حدیث پر چاہے ہزار بار غور کریں چاہے دس ہزار بار غور کریں۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ امام علیہ السلام نے واضح طور پر یہ فرمایا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو دین کا کام سپرد فرمایا تھا۔ اور خلق ورزق کا کام سپرد نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں امور دین کی تفویض کا اثبات ہے۔ اور خلق ورزق جیسے امور کی نفی ہے اس سے ثابت ہوا کہ امور دین کی تفویض کا اثبات اور خلق ورزق کی نفی ایک ہی درجے میں ہیں۔ یعنی اگر امور دین کی تفویض کی نفی سے مراد تفویض استقلالی ہے تو پھر خلق ورزق کی تفویض کی نفی سے مراد بھی تفویض استقلالی ہی ہوگی۔ اور اگر امور دین کے اثبات سے مراد وسائط وآلات کے طور پر تفویض ہے تو پھر خلق ورزق وغیرہ کی تفویض کی نفی سے مراد بھی وسائط وآلات کے طور پر تفویض کی نفی ہوگی۔ یعنی خلق ورزق کا کام انہیں بطور وسائط وآلات کے سپرد نہیں ہوا گویا انہیں یہ کام غیر مستقل طور پر بھی سپرد نہیں ہوئے۔ بالفاظ دیگر اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کو امور دین کی تفویض بطور استقلال ہے تو پھر خلق ورزق

کی نفی بھی بطور استقلال کے نفی ہے۔ اور اگر امور دین کی تفویض بطور وسائط و آلات کے ہے یعنی غیر مستقل ہے تو پھر لازماً و حتماً و یقیناً خلق و رزق وغیرہ کی نفی بھی بطور وسائط و آلات کے یعنی غیر مستقل طور پر نفی ہے۔

اور یہ بات مسلمہ اہل اسلام ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کو امور دین کی تفویض بطور استقلال کے نہیں تھی۔ کیونکہ وہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں احکام خداوندی پہنچانے میں وسائط وآلات کے طور پر ہی خدا کیطرف سے کار ہدایت انجام دیتے تھے۔ اور خود اپنی طرف سے شریعت سازی کا کام نہیں کرتے تھے۔ پس امام علیہ السلام کی مذکورہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے دین کے امور تو وسائط و آلات کے طور پر یعنی غیر مستقل طریقے سے ہمیں سپرد کئے ہیں لیکن خلق و رزق جیسے تکوینی امور بطور وسائط و آلات کے غیر مستقل طریقے سے ہمیں سپرد نہیں کئے ہیں۔

لہذا حتماً و یقیناً آئمہ علیہم السلام کی احادیث میں جس تفویض کی نفی وارد ہوئی ہے وہ خلق وزق اور تدبیر امور عالم کے بارے میں وسائط و آلات کے طور پر غیر استقلالی تفویض کی ہی نفی ہے۔ کیونکہ اگر آئمہ علیہم السلام کو خلق و رزق اور تدبیر امور عالم کی تفویض بطور وسائط و آلات غیر استقلالی طریقے سے حاصل ہوتی تو امور دین کی بطور وسائط و آلات غیر استقلالی تفویض کے ساتھ خلق و رزق اور تدبیر امور عالم واسائط و آلات کے طور پر غیر استقلالی تفویض کی نفی کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ پھر امام کو یوں ارشاد فرمانا چاہیے تھا کہ جس طرح ہمیں امور دین تفویض ہوئے ہیں اس طرح خلق و رزق کا کام بھی ہمیں سپرد کیا گیا ہے۔

پس واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آئمہ اطہار نے جس تفویض کو شرک قرار دیا ہے وہ خلق و رزق اور تدبیر امور عالم کی بطور وسائط و آلات غیر استقلالی تفویض کا عقیدہ اختیار کرنا

ہی ہے۔

اور مفوضہ کا شرک بھی اس بات میں نہیں تھا کہ وہ ان امور کی تفویض کو ان حضرات میں مستقل مانتے تھے۔ بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہ کام ان سے متعلق ہی نہ تھے۔ نہ زمین وآسمان کے خلق کرنے میں ان کا کوئی دخل تھا۔ نہ ان دونوں کے درمیان میں جو کچھ ہے اس کے خلق کرنے میں انکا کوئی ہاتھ تھا۔ نہ فرشتوں نے ان کے حکم سے زمین وآسمان خلق کیے تھے۔ کیونکہ فرشتے تو آسمان کی خلقت کے بعد پیدا کئے گئے۔ لہذا یہ کہنا کوئی فائدہ نہیں دیتا کہ فرشتے تو ان کے حکم کے بغیر قدم ہی نہیں اٹھاتے جب فرشتے اس وقت موجود ہی نہیں تھے یعنی ابھی وجود میں ہی نہیں آئے تھے تو نہ ان کے حکم ماننے کا سوال تھا اور نہ ہی ان کے حکم سے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کے خلق کرنے کا کوئی سوال تھا۔

جو بات مفوضہ کے لئے شرک تھی وہ صوفی شیعوں اور شیخیوں کے لئے عین توحید کیسے بن گئی؟

عقیدہ تفویض شرک ہے۔ اور عقیدہ تفویض کے شرک ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ لیکن مذہب شیخیہ اور صوفی شیعوں کا عقیدہ بھی وہی ہے جو مفوضہ کا ہے۔ اور انکی تبلیغات کے نتیجہ میں بہت سے شیعوں نے بھی اسی عقیدہ کا اپنا لیا ہے لیکن مذہب شیخیہ سے تعلق رکھنے والے ہوں یا صوفی شیعہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جس طریقہ سے تفویض کے قائل ہیں اس طرح سے تفویض کا عقیدہ رکھنا شرک نہیں ہے اور اس طرح سے تفویض کا عقیدہ رکھنا صحیح ہے، چنانچہ رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق میں لکھتے ہیں کہ:

"المراد من التفویض عرفاً ان تنسب جمیع الا فعال او بعضہ

الیٰ الخلق علی طریق الاستقلال ولا شک و لا شبهة انه بهذا المعنی فی الحق المعصومین الاربعة عشر سلام الله علیهم کفر و شرک"

(احقاق الحق ص389-388)

ترجمہ: تفویض سے مراد یہ ہے کہ تمام افعال یا بعض افعال کو خلق کی طرف علیٰ طریق استقلال نسبت دی جائے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس معنی میں معصومین علیہم السلام کی طرف تفویض کی نسبت دینا کفر ہے اور شرک باللہ ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"ان التفویض الذی ورد النهی عنه فی الاخبار و حکم بکفر قائله العلماء الاخیار هو التفویض علی طریق الاستقلال لا ما ذکرنا من تفویض الصیح . وهو تصرفهم فی ملک الله سبحانه و مملکته باذنه و مشیته وارداته " (احقاق الحق ص391)

ترجمہ: وہ تفویض جس کے بارے میں احادیث میں نہی آئی ہے اور جس کے قائل کو علماء اخیار نے کافر کہا اس سے مراد تفویض استقلالی ہے اس سے وہ تفویض مراد نہیں ہے جو ہم نے بتائی ہے اووہ صحیح تفویض ہے اور وہ اللہ کے اذن و مشیت وارادہ سے اس کے ملک میں تصرف کرنا ہے۔

اور یہی استقلال اور یہی غیر استقلال والی اصطلاح جسے روسائے مذہب شیخیہ نے اپنی تفویض کو صحیح قرار دینے کے لیئے اپنے دل سے گھڑا تھا۔ صوفی شیعوں اور بہت سے دوسرے شیعہ علماء نے بھی اپنائی ہے۔ جس سے مفوضہ کے شرک کو عین توحید بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ یاسر خادم کی امام رضا علیہ السلام سے روایت میں اور علی ابن احمد کی امام زمانہ والی روایت میں واضح طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ ان کو امور دین تو تفویض کیئے گئے ہیں لیکن خلق و

رزق جیسے تکوینی امور غیر استقلالی طور پر بھی انہیں تفویض نہیں ہوئے ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے واضح الفاظ میں بھی یہ فرمادیا ہے کہ: من قال نحن خالقون با مر الله فقد کفر" (بحار الانوار حدیقہ سلطانیہ)

یعنی جو ہمیں باذن اللہ بھی خالق کہے وہ کافر ہے اور اذن و امر خدا مشیت و ارادہ سے ہی ہوتا ہے لہذا یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ مفوضہ بھی جس تفویض کے قائل تھے وہ ارادہ و مشیت خداوندی کے تحت اذن و امر خدا سے ہی خلق کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی وہ بھی غیر استقلالی تفویض کے ہی قائل تھے۔ شرک انکار اس وجہ سے تھا کہ ان حضرات کو یہ امور غیر استقلالی طور پر بھی تفویض نہیں ہوئے تھے لہذا فی الحقیقت مذہب شیخیہ کی اور صوفی شیعوں کی جو غیر استقلالی تفویض کا مشرکین عرب کی طرح بہانہ بناتے ہیں تفویض وہی ہے جو مفوضہ کی ہے اور جو تھا شرک ہے۔

دوسری ترکیب مفوضہ کے شرک کو عین توحید بنانے کے لئے معجزہ کی بجائے ولایت تکوینی کی اصطلاح کا اختراع ہے۔ جسے روسائے مذہب شیخیہ نے ایجاد کیا اور پھر صوفی شیعوں اور دوسرے بہت سے شیعہ علماء نے بھی اسے اپنا لیا لیکن ثبوت اور دلیل کے طور پر وہی انبیاء کے معجزات ہی بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر وہ اس طرح کہتے ہیں کہ موسیٰ نے سوکھی ہوئی لکڑی کو سانپ بنا دیا۔ یعنی جیسا کہ یہ آپکا اپنا اور عادی کام تھا۔ مگر وہ اس بات میں غور نہیں کرتے کہ جب خدا کے حکم سے موسیٰ نے عصاء ڈالا اور وہ حکم خدا سے سانپ بن گیا تو موسیٰ ڈر کر ایسے بھاگے کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ خدا کہتا رہا کہ اے موسیٰ اسے پکڑ لو یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا "سنعید ھا سیر تھا الاولی" ہم اسے پھر اپنی پہلی صورت میں لے آئینگے موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر یہ عمل یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ انکا اپنا کام نہیں تھا مگر ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اختیار کرنے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں جیسا

کہ یہ کام خود انہوں نے ہی کیا تھا۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا کہ ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اختیار کرنے والوں کا نظریہ ولایت تکوینی کے بارے میں بیان کر دیا جائے۔

آیت اللہ جوادی آملی اپنی کتاب ''ولایت در قرآن'' میں لکھتے ہیں کہ:

ظاہر قرآن یہ کہتا ہے کہ قانون اور اس کے پہنچانے کی ذمہ داری کے معنی میں۔ ولایت تشریعی صرف انبیاء سے مختص ہے۔ جبکہ ولایت تکوینی کا دائرہ کار ولایت تشریعی سے وسیع تر ہے اور اس کے حدود میں تمام ایسے لوگ آتے ہیں جو نظام خارج پر اثر انداز ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ ابحاث میں واضح ہو چکا ہے خود ولایت تکوینی تو سب افراد کے لئے ثابت ہے کیونکہ ہر انسان ولایت تکوینی کے ساتھ ہی زندگی بسر کرتا ہے مثلاً انسان جب بھی چاہتا اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے۔ اور جس وقت چاہتا ہے اسے بستر پر لٹا دیتا ہے۔ اسی طرح روزمرہ کے دوسرے تصرفات کہ جو ہر انسان اپنے بدن پر انجام دیتا ہے۔ سب کے سب روح کی ولایت تکوینی کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ بیرونی امور میں ہمارے معمول کے تصرفات اگرچہ اعضائے بدن کے ذریعہ انجام پاتے ہیں لیکن اعضائے بدن میں یہ تصرفات در حقیقت فکر اور ارادہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو عقل عملی اور عقلی نظری کے امور میں سے ہیں۔ (ولایت در قران آیت اللہ جوادی آملی ترجمہ ثاقب نقوی مطبوعہ مصباح القران ٹرسٹ لاہور ص 24)

پھر اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

اس ولایت سے بالاتر وہ تصرفات ہیں جو روح بیرون بدن انجام دیتی ہے قرآن مجید نے انبیاء کی ایسی ہی ولایت کے بہت سے نمونے ذکر کئے ہیں۔

(ولایت در قران آیت اللہ جوادی آملی ترجمہ ثاقب

نقوی مطبوعہ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور ص 24)

اس کے بعد ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔

آیت اللہ جوادی آملی کی مذکورہ عبارت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے عادی کام انجام دیتا ہے اس طرح انبیاء علیہم السلام اور آئمہ علیہم السلام عادی کام کی طرح یہ معجزات دکھاتے رہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ولایت تکوینی کا دائرہ ولایت تشریعی سے وسیع تر ہے اور اس کے حدود میں تمام ایسے لوگ آتے ہیں جو نظام خارج پر اثر انداز ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (ولایت در قران ص 241)

یعنی صوفیا و عرفا بھی ایسے معجزات دکھاتے ہیں اور تکوینی امور انجام دیتے ہیں۔

پھر آیت اللہ جوادی آملی اپنی اس کتاب میں صمدیت انسان کے مراتب کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

صمدیت انسان کے مراتب

بعض اوقات انسان صمد ہونے کے ایسے مرحلہ میں ہوتا ہے کہ اسے فقط اپنے عمل کو شیطان کے دست برد سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے ایسے شخص کی ولایت فقط اپنے اوپر ہوتی ہے۔

بعض اوقات اس سے بالاتر مرحلہ ہوتا ہے کہ جس میں نہ فقط اپنے حریم دل کی حفاظت کرنا ہوتی ہے بلکہ اپنی معرفت اور اخلاص ولایت کی بھی نگہبانی کرنا ہوتی ہے، ایسے شخص کی حدود ولایت بھی وسیع تر ہوتی ہیں اس سے بالاتر انسان کامل کا مقام ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی صمدیت کا مظہر تام ہوتا ہے۔ اور نتیجتاً اذن الٰہی سے تدبیر عالم اپنے ذمہ لیتا ہے

(ولایت در قران آیت اللہ جوادی آملی ترجمہ ثاقب نقوی مطبوعہ مصباح القران ٹرسٹ لاہور ص 144-145)

یہ خالص صوفیا وعرفاء کا طرز استدلال ہے۔

آیت اللہ جوادی آملی نے اس ولایت تکوینی کو اور انسان کے مرتبہ صمدیت تک پہنچنے کو اور نتیجتاً اذن الہی سے تدبیر عالم کو اپنے ذمہ لینے کو نبوت ورسالت وامامت میں منحصر نہیں کیا ہے بلکہ اسکا دائرہ وسیع بتلایا ہے۔ چونکہ ان کا تعلق تصوف وعرفان سے ہے لہذا ممکن ہے کہ اس دائرہ کو اتنا وسیع کرنا صوفیا اور عرفا کو اس دئرہ کے اندر لانے کیلئے ہو۔ لیکن اس کے ثبوت اور دلیل میں وہی معجزات انبیاء کا بیان ہے۔ جنکا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اور جن کو غلط طور پر اپنے مطلب پر استعمال کیا ہے۔ بلکہ چپکایا ہے۔

ہم نے ہفت روزہ رضا کار سے اور ماہنامہ العارف اور سہ ماہی رسالہ الثقلین سے تصوف وعرفان کے بارے میں اپنی کتاب ''شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے خصوصا تصوف وعرفان قران وحدیث وتاریخ کی روشنی میں'' میں کچھ اقتباس نقل کردیئے تھے۔ اور اس پر اپنی بڑی ہی محتاط رائے دی تھی مگر ہمارے ایک بزرگ عالم نے اس کے بارے میں تلخی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مدیر رضا کار کو یا امین شہیدی کو کیا پتہ ہے کیا تم نے انکی کوئی کتاب پڑھی ہے۔ اگرچہ ایران میں فلسفہ وتصوف اور شیخیت کے پھیلنے کے بارے میں ہماری تحقیق کو کوئی شخص چیلنج نہیں کرسکتا۔ لیکن پھر بھی ہم نے مختلف مقامات سے مطبوعہ کتابیں حاصل کیں اوران میں جو کچھ لکھا تھا وہ اس کتاب میں نمونہ کے طور پر پیش کردیا۔

معجزات کے بارے میں حجۃ الاسلام آیت اللہ آقائے مکارم شیرازی اپنی تفسیر نمونہ جلد 2 سورہ آل عمران کی آیت نمبر 49 ''ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایة من ربکم'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''جو افراد خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مرحلہ میں علم ودانش کے ذریعہ لوگوں کی دعوت دیں اور زندہ اور

انسان ساز آئین وقوانین پیش کریں پھر دوسرے مرحلہ میں خدا سے اپنے ارتباط کے لئے واضح اسناد دکھائیں ۔اور یوں خدا کی طرف سے اپنے منصوب ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

اس مقصد کے لئے ہر پیغمبر اپنے زمانے کے ترقی یافتہ علوم کی قسم کے معجزے سے لیس ہوتا تھا۔ جہاں ماورائے طبیعت سے ان کا ارتباط زیادہ واضح ہوجائے۔ وہاں ہر زمانے کے علماء ان کے مقابلہ میں اپنے عجز کی وجہ سے ان کی دعوت کی حقانیت کا اعتراف کریں۔

یہ بات ایک حدیث میں امام علی ابن موسی رضا علیہ السلام سے منقول ہے ان سے سوال کیا گیا تھا ہر پیغمبر کے پاس کچھ نہ کچھ معجزات کیوں ہوتے تھے۔اس سوال کے جواب میں آپ نے وضاحت فرمائی جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

''حضرت موسیٰ کے زمانے میں جادوگر بہت زیادہ تھے۔حضرت موسیٰ نے ایسا عمل انجام دیا جس کے مقابلے میں تمام جادوگر عاجز آگئے۔حضرت مسیح کے زمانے اور دعوت کے موقع پر۔اطباء بیماروں کے علاج معالجے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔جناب عیسیٰ نے لاعلاج بیماروں کو مادی وسائل کے بغیر شفا دے کر اپنی حقانیت کو ثابت کر دیا۔ پیغمبر اسلام کے زمانے میں خطباء وشعرا اور سخنور بہت زیادہ فصاحت وبلاغت کے مالک تھے۔اوران سب نے قرآنی فصاحت وبلاغت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

(ترجمہ تفسیر نمونہ جلد 2 ص 31-32)

ان معجزات میں سے صرف قرآن معجزہ خالدہ ہے جو باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا باقی کے سب معجزے وقت کے ساتھ ختم ہو گئے۔لیکن آج قرآن کے بارے میں کوئی مسلمان یہ جسارت نہیں کرسکتا کہ یہ کہے کہ یہ پیغمبر کا خود اپنا کلام ہے۔ بلکہ سب اسکو خدا کا ہی کلام کہتے ہیں۔یہی حال باقی معجزات کا تھا۔بہر حال امام رضا علیہ السلام کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ معجزہ کی غرض وغایت اور تھی۔اور ولایت تکوینی اور استقلالی وغیرہ

استقلالی کی اصطلاح گھڑنے کی غرض وغایت اور ہے۔ معجزہ کی غرض وغایت خدا کی طرف سے اپنے انبیاء ورسل کی تصدیق تھی جسے آقائے مکارم شیرازی نے خدا کی طرف کی اسناد کہا ہے۔اور استقلالی وغیر استقلالی اور ولایت تکوینی کی اصطلاح کے اختراع کرنے اور گھڑنے کی غرض وغایت اسی مفوضہ والے شرک کو توحید کا جامہ پہنانا تھا۔

یہ سب مذہب شیخیہ اور صوفی شیعوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج ایران میں مفوضہ کا شرک استقلالی اور غیر استقلالی کی اصطلاح اور ولایت تکوینی کی اصطلاح کے زیر سایہ عین توحید بن چکا ہے اور ایران میں مذہب شیخیہ اور تصوف وعرفان بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجے گاڑ رہا ہے۔

جسطرح ہندوستان میں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ وغیرہ سنی صوفیوں کے کئی سلسلہ ہیں اس طرح ایران میں شیعہ صوفیوں کے کئی سلسلے ہیں اور ہر سلسلہ شاہ نعمت اللہ ولی پر جا کر متحد ہو جاتا ہے اور شاہ نعمت اللہ ولی کا سلسلہ ارشاد بایزید بسطامی تک پہنچتا ہے، ہماری اس کتاب کا یہ موضوع نہیں ہے اس لیے ہم اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''اسلام پر سیاست وفلسفہ وتصوف کے اثرات اور اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال'' میں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہے بیان کر دی ہے۔اور مختصر طور پر اپنی مطبوعہ کتاب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے'' میں بھی بیان کی تھی جس پر ہمارے ایک بزرگ عالم نے کچھ تلخی کا اظہار کیا تھا۔

لیکن میں ایسے تمام علماء کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تصوف وعرفان اور شیخیت کسی کے فقیہ ہونے، یا حجۃ الاسلام ہونے یا مجتہد ہونے۔ یا آیت اللہ ہونے یا آیت اللہ العظمی ہونے یا امام المصلح ہونے میں رکاوٹ اور مانع نہیں ہے اور یہ بات چیلنج کے طور پر کہی جا رہی ہے۔

باب پنجم کے "الا لہ الخلق" کے بارے میں اتنا بیان ہی کافی ہے اب ہم اس سے آگے والامر کا بیان کرتے ہیں

توحید در حکومت کا بیان

آیت سخرہ کے جملہ "الا لہ الخلق والامر" میں لہ الخلق کے بیان میں توحید در خالقیت کا تذکرہ ہوا اب ہم اس جملہ کے دوسرے حصہ کی طرف توجہ کرتے ہیں جہاں "لہ الخلق کے ساتھ "والامر" کہا ہے۔ یعنی خلق کرنا بھی اسی کا کام ہے اور اپنی مخلوق پر حکومت کرنا بھی اسی کا کام ہے۔

توحید در حکومت کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف اسکو ہی بشر کے جان و مال کا حاکم سمجھیں اور بس۔ لہذا کوئی شخص کسی بھی شخص پر بالذات اس قسم کا حق حکومت نہیں رکھتا، کیونکہ انسان کی تمام چیزیں چاہے اسکی جان ہو یا اسکا مال اسی کی مخلوق ہے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اس بارے میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ: اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے نہ ہوسکتی ہے اور نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں کسی کا حصہ ہو۔ (خلافت وملوکیت ص 17)

لیکن اس کے بعد وہ اس بات کو ثابت کرتے رہے۔ جو انہوں نے حوادث روزگار کے نتیجہ میں ہونے والی بات کو مان کر اپنالی تھی۔ یعنی پہلے سے کیے ہوئے فیصلہ اور اپنائے ہوئے عقیدہ پر قرآن کریم کی آیات کو زبردستی کھینچ تان کر چپکاتے رہے۔ بلکہ ایک طرح سے آیات قرآنی کا قتل عام کرتے رہے جس کی ایک آدھ مثال آگے چل کر بیان ہوگی۔

بہر حال قرآن کریم میں حکومت کو واضح طور پر اللہ کی ذات میں حصر" کے ساتھ

بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

" ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (یوسف 40)

یعنی حکومت تو بس صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کے لئے نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی استوار و محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

آیت میں "ان الحکم" کے جملہ سے مراد وہی حکومت اور فرمانبروائی ہے۔ اس کی گواہی یہ چیز دیتی ہے کہ اس کے فوراً بعد تشریعی امر و نہی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے "امر الا تعبدوا الا ایاہ" اس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم بس صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو

اس آیت میں "ان الحکم الا للہ" سے مراد حکومت تکوینی نہیں ہے اگرچہ حکومت تکوینی صرف اور صرف خالصتاً اسی کے لئے ہے۔ جس پر قرآن کریم کی دوسری آیات شاہد ہیں۔ لفظ حکم ایک وسیع المعنی لفظ ہے جس میں قضاوت۔ فیصلہ، تسلط، اور فرمانروائی سب ہی شامل ہے۔ لیکن ایسے بشر پر جو مادی ماحول کے اندر زندگی بسر کرتا ہے براہ راست اور بہ نفس نفیس خود اس کے لئے فرمانروائی کرنا ممکن نہیں ہے لہذا خدا اس قسم کا حق حکومت رکھنے کی بناء پر نوعِ بشر میں سے کسی کو امیر و حاکم و اولی الامر مقرر کر سکتا ہے۔ جو اس کی طرف سے حکومت کرے اور اس کے احکام کو نافذ کرے۔ لہذا اس کے مقرر کردہ حاکم کا حکم ماننا اور اسکی اطاعت کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے خود خدا کا حکم مانا ہے۔ اور خدا کی حکومت کو تسلیم کیا ہے اور خدا ہی کی اطاعت کی ہے لہذا یہاں سے توحید در اطاعت کا پتہ چلتا یعنی اطاعت صرف خدا کی اور خدا کے سوا کسی کی نہیں ہے۔

توحید در اطاعت کا بیان

قرآن یہ کہتا ہے کہ عالم ہستی میں خدا کے علاوہ اور کوئی بالذات مطاع نہیں ہے۔ اور دوسروں کی اطاعت اس کے حکم سے ہی انجام پاتی ہے۔

خدا کے غیر کی اطاعت نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات جائز بھی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں صرف خدا ہی حکم اور فرمان دینے کا حق رکھتا ہے۔ لہذا یہ بات ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کہ انسان خود کو کسی دوسرے کا مطیع اور زیر فرمان قرار دے لے۔ کیونکہ صرف وہی اکیلا خالق و مالک و منعم ہے۔ اور سب کے سب انسان یکسان طور پر اس کے محتاج اور نیاز مند ہین اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے ہے تو اسطرح سے وہ دوسروں کے لئے واجب الاطاعت اور فرمانروا کیسے بن سکتے ہیں۔ قرآن نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے

"یا ایها الناس انتم القفراء الی الله و الله هو الغنی الحمید (فاطر-15)

اے لوگوں تم سب کے سب خدا کے نیاز مند اور محتاج ہو، اور خدا بے نیاز اور لائق حمد ہے۔

کیونکہ عالم میں ایک پیدا کرنے والے اور ایک نعمت دینے والے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور ہر شخص کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی طرف سے ہے لہذا عالم میں ایک سے زیادہ واجب الاطاعت بھی نہیں ہے۔ اسی لیئے قرآن نے کئی آیات میں صرف خدا ہی کو واجب الاطاعت قرار دیا ہے۔ اور صرف خدا ہی کی اطاعت کو پیش کرتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوا "فاتقوا الله ما استطعتم و اطیعوا و انفقوا خیر لکم"

(التغابن-16)

جتنا بھی تم سے ہو سکتا ہے خدا کی نافرمانی سے بچو اور اسکی بات کان دھر کر سنو اور اس کے حکم کی

اطاعت کرو اور اسکی راہ میں خرچ کرو یہ بات خود تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت میں صرف خدا کی اطاعت کا حکم ہے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کے لئے کہا گیا ہے لہذا اطاعت صرف خدا کے حکم کی واجب ہے یا جس کی اطاعت کا خدا حکم کرے

پیغمبروں کی اطاعت خدا کے حکم سے واجب ہے

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی اطاعت بھی صرف اسی وجہ سے واجب ہے کیونکہ خدا نے انکی اطاعت کا واضح الفاظ میں حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا ہے کہ۔

" وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء-64)

یعنی ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ خدا کے حکم سے انکی اطاعت کی جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر بھی بالذات مطاع نہیں ہیں۔ پیغمبروں کی اطاعت بھی صرف اس لئے واجب ہے کیونکہ خدا نے انکی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس لئے انکی اطاعت خدا ہی کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے سورۃ النساء ہی کی ایک دوسری آیت میں خود پیغمبر کی اطاعت کو بالفاظ واضح اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ:

" من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء-80)

یعنی جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اطاعت کی اس نے یقینی طور پر اللہ ہی کی اطاعت کی ہے۔

وہ آیات جو پیغمبر کی اطاعت کا حکم دیتی ہیں

وہ آیات جن میں خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اطاعت کا واضح طور پر حکم دیا ہے، بہت زیادہ ہیں ہم ان میں سے چند آیات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1: خداوندتعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے

"قل اطیعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا یحب الکافرین

(آل عمران -32)

ترجمہ: (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو اگر وہ اطاعت سے روگردانی کریں تو خدا ایسے کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں خدا نے خدا اور رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کا کافر کہا ہے۔

نمبر 2: اور سورۃ انفال میں اسطرح ارشاد ہوا ہے

"واطیعو االله واطیعو الرسول انکنتم مومنین (الانفال-2)

ترجمہ: اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

نمبر 3: اور سورۃ النور میں اسطرح ارشاد ہوا ہے۔

"قل اطیعو الله و اطیعو الرسول فان تولوا فانما علیه ماحمل و علیکم ما حملتم و ان تطیعو ه تهتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین

(النور-54)

ترجمہ: اے رسول تم کہہ دو کہ خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم سرتابی کروگے۔ تو رسول کے اوپر تو بس صرف اتنا ہی کام ہے جس کے وہ ذمہ دار قرار دیئے گئے ہیں۔ اور جس کام کے تم ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہو وہ تم پر واجب ہے۔ اور اگر تم انکی اطاعت کروگے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول کے اوپر تو صاف طور پر احکام کا پہنچا دینا ہی فرض ہے۔

اس آیت میں واضح طور پہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت کا اصل فائدہ اطاعت کرنے والوں کو ہی ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ انکی اطاعت کرنے سے تم خود ہدایت یافتہ ہو

جاؤ گے۔ اور تمہاری ہدایت کے لئے ہی خدا نے تم پر رسول کی اطاعت کو واجب اور فرض قرار دیا ہے اور اگر تم اطاعت نہ کرو گے تو اسکا رسول پر کوئی الزام نہیں آ سکتا کیونکہ اس کے ذمہ تو واضح طور پر احکام خدا کا پہنچا دینا ہے۔ تمہارے ماننے یا نہ ماننے یا اطاعت کرنے اور اطاعت نہ کرنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے۔

نمبر 4: اور سورۃ محمد میں اس طرح ارشاد ہوا۔

یا ایھا الذین آمنو ا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و لا تبطلوا اعمالکم (محمد-33)

ترجمہ: اے ایمان والوں خدا کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو (اور اسکی اطاعت سے روگردانی کرکے) اپنے اعمال ضائع اور برباد نہ کرو

اس آیت میں خطاب اہل ایمان سے ہے اور انہیں مخاطب کرکے یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مومن پیغمبر کے کسی حکم کی نافرمانی کریگا تو اس کے سارے کئے کرائے اعمال ضائع ہو جائینگے۔

نمبر 5: اور سورۃ آل عمران میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

"واطیعو اللہ والرسول لعلکم ترحمون (آل عمران-132)

ترجمہ: اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ حکومت صرف اللہ کے لئے ہے اور اطاعت بھی صرف اسی کی واجب ہے یا اس ہستی کی اطاعت واجب ہے جس کا حکم وہ حاکم حقیقی دے اور یہ بات نص صریح سے ثابت ہے۔ اور جو بات نص صریح سے ثابت نہ ہو اسے محض قیاس کی بنا پر ماننا صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔

وہ آیات جن میں اطاعت کا اجراور نافرمانی کی سزا کا بیان ہے

وہ آیات جن میں خداوند تعالی نے پیغمبر کی اطاعت کے اجراور نافرمانی کی سزا کو بیان کیا ہے، بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان میں چند آیات یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1: خداوند تعالی سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے

"ومن یطع اللہ و رسولہ ید خلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا و ذالک الفوز العظیم (النساء13)

ترجمہ: اور جو خدا اور رسول کی اطاعت کریگا۔ اسکو خدا آخرت میں ایسے ہرے بھرے باغوں میں پہنچائے گا جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ اور وہ ہمیشہ اس میں رہینگے۔ اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

نمبر 2: ومن یعص اللہ و رسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین" (النساء14)

ترجمہ: اور جس شخص نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی اور انکی حدود سے تجاوز کیا۔ تو خدا اسکو جہنم میں داخل کریگا۔ اور وہ ہمیشہ اس میں ہی (سزا بھگتنے کیلیے) رہیگا۔ اور اس کے لئے بڑی ہی رسوائی اور ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

نمبر 3: اور سورۃ النور میں اس طرح سے ارشاد ہوا۔

"ویقولون آمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتوفّی (یتولی) منھم من بعد ذالک وما اولئک بالمومنین" (النور-47)

ترجمہ: اور کچھ لوگ (ایسے بھی ہیں جو زبانی کلامی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے کچھ لوگ اطاعت سے منہ

پھیر لیتے ہیں۔اور (سچی بات یہ ہے کہ) یہ لوگ سچے دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے۔

نمبر 4 اور سورۃ الاحزاب میں اسطرح ارشاد ہوا

"ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً (الاحزاب 71)

ترجمہ: اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی ہی عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

نمبر 5. اور سورۃ الفتح میں اس طرح سے ارشاد ہوا۔

"ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار و من یتول یعذبہ عذابا الیما" (الفتح-17)

ترجمہ: اور جو شخص خدا اور اسکے رسول کا حکم مانے گا تو وہ اسکو بہشت کے ان سدا بہار باغوں میں داخل کریگا جس کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔اور جو سرتابی کریگا وہ اسکو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

ان آیات میں واضح طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اطاعت کرنے کی صورت میں جنت کی خوشخبری دی گئی ہیں۔اور اگر کوئی مسلمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی کریگا تو اسکی سزا جہنم بیان ہوئی ہے۔

پیغمبر کے حکم اور فیصلہ کے بعد کسی کو اپنے معاملہ میں بھی اختیار نہیں رہتا

خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوٹوک الفاظ میں یہ فیصلہ دیدیا ہے کہ جب رسول کسی کو کوئی حکم دیں یا کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں تو کسی بھی مومن کو خود اپنے معاملہ میں بھی کوئی اختیار نہیں رہتا۔۔ چنانچہ اس مطلب کو سورۃ احزاب میں اسطرح فرماتا ہے کہ:" وما کان لمومن ولا مومنہ اذا قضیٰ اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔(الاحزاب-39)

ترجمہ: جب خدا اور اسکا رسول کسی چیز کے بارے میں حکم اور فیصلہ کردیں تو نہ کسی مومن کو اپنے ہی کسی معاملہ اور کام میں کوئی اختیار رہتا ہے اور نہ کسی مومنہ کو کوئی اختیار رہتا ہے (کہ وہ پیغمبر کے حکم اور فیصلہ کی مخالفت اور نافرمانی کریں) اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا تو وہ واضح طور پر گمراہ ہوگیا۔

ان تمام آیات میں خدا کے ساتھ پیغمبر کی اطاعت کا حکم مطلق طور پر وارد ہوا ہے یعنی جسطرح خدا کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس سے روگردانی کی جاسکے اسی طرح پیغمبر کا ہر حکم بھی ایسا ہی ہے کہ اس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی۔

اب تک جتنی آیات بیان ہوئی ہیں ان میں اللہ کے ساتھ پیغمبر کی اطاعت مطلقہ کا بیان ہوا ہے لیکن سورۃ النساء میں ایک آیت ایسی آئی ہے جس میں خدا اور رسول کے ساتھ بظاہر ایک اور اطاعت کا بیان اطاعت مطلقہ کے طور پر ہوا ہے جسکا بیان آگے آتا ہے

اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ بظاہر ایک
تیسری اطاعت مطلقہ کا بیان

خداوند تعالیٰ سورۃ النساء کی ایک آیت میں اس طرح سے ارشاد فرماتا ہے

یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا" (النساء-59)

ترجمہ: اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی۔ اطاعت کرو۔ جو تم میں سے ہیں۔ پس اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو۔ تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بات تمہارے حق میں بہتر اور انجام

کی راہ میں، بہت اچھی ہے۔

سابقہ آیات میں خدا کے ساتھ رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم تھا۔ اس آیت میں رسول کے ساتھ بظاہر" اولی الامر" کی تیسری اطاعت کا حکم مطلق طور پر دیا جارہا ہے اور یہ تیسری اطاعت بھی مطلق طور پر نہیں ہوسکتی جب تک کہ انکی اطاعت بھی رسول کی اطاعت کی طرح خدا کی اطاعت نہ ہو۔ بالفاظ دیگر انکی اطاعت ایسی ہو جیسی کہ رسول کی اطاعت کہ جسطرح رسول کی اطاعت ایسی ہے جیسا کہ خدا کی اطاعت کی۔

مفسرین اولی الامر کی تفسیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

شیخ طوسی اپنی تفسیر التبیان میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں اسطرح لکھتے ہیں

"ھذا خطاب من اللہ تعالیٰ للمومنین یامرھم ان یطیعوہ و یطعوا رسولہ و یطیعوا اولی الامر منھم فالطاعۃ ھیی امتثال الامر" فطاعۃ اللہ ھی امتثال اوامرہ والانتھاء عن نواھیہ و طاعۃ الرسول کذالک امتثال اوامرہ و طاعۃ رسول ایضاً ھی طاعۃ اللہ لانہ تعالیٰ امر بطاعۃ رسولہ فمن اطاع رسولہ فقد اطاع اللہ کما قال: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

(تفسیر البیان جلد 3 ص 235-236)

ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مومنین سے خطاب ہے وہ انکو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ اس (خدا) کی اطاعت کریں اور اس رسول کی اطاعت کریں اور اطاعت حکم پر عمل کرنے کو کہتے ہیں، لہذا اللہ کی اطاعت تو اس کے اوامر پر عمل کرنا ہے اور اس کے نواہی سے رکنا ہے۔ اور اسی طرح رسول کی اطاعت اس کے اوامر پر عمل کرنا ہے۔ اور رسول کی اطاعت بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے پس جس نے

رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا ہی کی اطاعت کی ہے۔ جیسا کہ اس نے خود بھی فرمایا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی ہے

(تفسیر التبیان جلد 3 ص 235-236)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"وطاعة الرسول واجبة فی حیاته و بعد وفاته لان بعد فاته یلزم اتباع سنته . لانه دعا الیها . جمیع المکلفین الی یوم القیمة کما انه رسول الیهم اجمعین فاما اولی الامر فللمفسیرین فیه تاویلان احدهما قال ابو هریره و فی روایة عن ابن عباس و میمون ابن مهران، والسدی ، والجبائی ، والبلخی والطبری" "انهم الامراء" .

الثانی ، قال جابر ابن عبدالله وفی روایة اخری عن ابن عباس ، ومجاهد ، والحسن وعطاء ابی عالیه " انهم العلماء"

وروی اصحابنا عن ابی جعفر وابی عبدالله (ع) انهم الائمه من آل محمد (ص) فلذالک اوجب الله تعالیٰ طاعتهم بالاطلاق ، کما اوجب طاعة رسوله و طاعة نفسه کذالک ، ولا یجوز طاعة احد مطلقاً الا من کان معصوماً . ما مونا عنه السهو و الغلط ، ولیس ذالک یحاصل فی الامراء والعلماء ، وانما هو واجب فی الائمة الذین دلت الادلته علی عصمتهم و طهار تهم؛

فاما من قال المراد به العلماء فقوله بعید لان قوله (واولی الامر) معناه اطیعوا من له الامر ، ولیس ذالک للعلماء ، فان قالوا یجب علینا طاعتهم اذا کانوا محقین ، فاذا عدلوا عن الحق فلا طاعة لهم علینا . قلنا هذا

تخصیص لعموم ایجاب الطاعة بشیء دون شیی کما لا یجوز وجود طاعة الرسول وطاعة الله فی شیء دون شیء

(تفسیر التبیان جلد 3 ص-236)

ترجمہ: اور رسول کی اطاعت واجب ہے انکی حیات میں بھی اور انکی وفات کے بعد بھی، کیونکہ انکی وفات کے بعد انکی سنت کا اتباع لازم ہے۔ کیونکہ آنحضرت نے تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے اسکی دعوت دی ہے۔ کیونکہ آپ ان سب کے رسول ہیں۔ رہا اولی الامر کا معاملہ تو مفسیرین نے اس کے بارے میں مختلف تاویلیں کی ہیں۔

نمبر1: ان میں سے پہلی وہ ہے جسے ابو ہریرہ نے اور ایک روایت میں ابن عباس و میمون بن مہران اور الجبائی اور البلخی، اور طبری سے روایت ہوا ہے کہ "اس سے مراد امرا ہیں۔"

نمبر2: ان میں دوسری جابر ابن عبداللہ سے اور ایک روایت میں ابن عباس سے اور مجاہد سے اور حسن سے اور عطاء سے اور ابی عالیہ سے روایت ہے کہ "اس سے مراد علماء ہیں"

اور ہمارے اصحاب یعنی (علمائے شیعہ) نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ اس سے مراد آئمہ ہیں آل محمد (ص) سے"

اور اسی لئے اللہ تعالی نے انکی اطاعت کو مطلق طور پر واجب قرار دیا ہے جیسا کہ اپنے رسول کی اطاعت کو مطلق طور پر واجب قرار دیا ہے اور اسی طرح اپنی اطاعت کو مطلق طور پر واجب قرار دیا ہے اور کسی کی اطاعت مطلق طور پر جائز نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ معصوم ہو۔ اور سہو خطا سے محفوظ ہو۔ اور یہ بات نہ امراء میں ہوتی ہے۔ اور نہ ہی علماء کو حاصل ہے۔ اور سوائے انکے نہیں ہے کہ یہ اطاعت آئمہ علیہم السلام کے لئے واجب ہے جن کی عصمت و طہارت پر بہت سے دلائل دلالت کرتے ہیں۔

اب رہے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اس سے مراد علماء ہیں تو انکا یہ قول بعید ہے

کیونکہ خدا نے یہ فرمایا ہے کہ (اس کے لئے امر ہے) اور یہ بات علماء کے لئے نہیں ہے اگر وہ یہ کہیں کہ ہم پر انکی اطاعت واجب ہے جب وہ حق پر ہوں اور اگر وہ حق پر نہ ہوں تو پھر ہم پر انکی اطاعت نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ اطاعت کے عمومی طور پر قبول کرنے میں تخصیص پیدا کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ آیت کو عموم پر محمول کرنا۔ جس میں یہ بات صحیح ثابت ہو اولی ہے اس بات سے کہ کسی شئے کی اطاعت کے لئے تخصیص پیدا کی جائے کسی دوسری شئے کے مقابلے میں۔ جیسا کہ رسول کی اطاعت میں اور اللہ کی اطاعت میں کسی شئے کے لئے تخصیص پیدا نہیں کی جاسکتی کسی دوسری شے کے مقابلہ میں۔

اس میں شک نہیں کہ اطاعت مطلقہ کی صورت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ معصوم کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت واجب اور فرض نہیں کیجا سکتی۔ اور حتماً اس سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہی ہیں۔ لیکن آیت کے متن کے مطابق ایک نئے زاویہ سے غور کرنے پر بھی آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے سوا اور کسی کی اطاعت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا آیئے اولی الامر کے بارے میں آیت کے متن کے مطابق ایک نئے زاویہ سے غور کرتے ہیں۔

اولی الامر کی اطاعت کو فرض قرار دینے والی آیت پر ایک نئے زاویہ سے غور

اولی الامر کی اطاعت مطلقہ کا بیان کرنے والی آیت "یا ایھا الذین آمنو" کے الفاظ کے ساتھ مومنین سے مخاطب ہے۔ لہذا پیغمبر اکرم کے زمانے کے مومنین سے لیکر قیامت تک آنے والے تمام مومنین پر اولی الامر کی اطاعت مطلقہ اسی طرح واجب ہے جس

طرح اللہ کی اطاعت مطلقہ اور رسول کی اطاعت مطلقہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے سے لیکر دامن قیامت تک واجب اور فرض ہے اور جیسا کہ سابق میں بیان ہوا کہ اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کی جائے اور ''یا ایھا الذین آمنو کے ساتھ اطیعوا کا ظرف زمانہ رسالت سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی رسول اللہ کا زمانہ رسالت بھی اس میں شامل ہے۔ پس یہ حکم زمانہ رسالت کے مومنین کے لئے بھی ہے۔ یعنی کہ وہ اللہ کی اور رسول کی اور اولی الامر کی جو ان میں سے ہیں اطاعت کریں۔ اور زمانہ رسالت میں رسول اکرم کے سوا اور کوئی اولی الامر ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ایک وقت میں دو افراد کی علیحدہ علیحدہ اطاعت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے جس وقت یہ آیت یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ کی اور رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرو تو سننے والوں کے ذہن میں یہ بات آنی چاہیے تھی کہ یہ تیسرا اس وقت کون ہے، جسکی اطاعت خدا اور رسول کے ساتھ مطلق طور پر فرض اور واجب کی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی کہہ دیا کہ ''فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول''۔ یعنی اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اپنے اس جھگڑے کو اللہ اور رسول کے سامنے پیش کرو۔ اس میں اولی الامر کا اس لئے ذکر نہ کیا کیونکہ خود سرکار رسالت ہی اس وقت اولی الامر تھے۔

رسالت کے ساتھ رسول کو اولی الامر بنا کر اولی الامر کی اطاعت کو اس لئے فرض کیا گیا۔ کیونکہ رسول کے بارے میں اکثر آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول کی ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل سنت رسول کے دوسرے احکام سے پہلو تہی کرنے کیلئے کہتے ہیں۔ اور رسول کی ان امور میں اطاعت جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے۔ وہ دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے اور اسی لئے ارشاد ہوا ہے کہ: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' بالفاظ دیگر جو کوئی رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ دراصل خدا کی اطاعت نہیں کرتا۔

لیکن چونکہ خدا نے واضح الفاظ میں آیت سخرہ کے اس جملہ میں جسکا بیان چل رہا ہے واضح طور پر یہ کہا کہ "الا لہ الخلق والامر" خبردار! آگاہ ہو جاؤ کہ خلق کرنا بھی اسی کا کام ہے اور امر کرنا اور حکومت کرنا بھی اسی کا کام ہے اس کے سوا اور کوئی تمہارا حاکم و فرمانروا نہیں ہے۔ اور چونکہ وہ براہ راست انسانوں پر ذاتاً حکومت نہیں کر سکتا اور ان پر حکم نہیں چلا سکتا۔ لہذا اس نے جس طرح اپنے پیغام پہنچانے کیلئے رسول بھیجے۔ اسی طرح اس نے اپنی طرف سے پیغمبر کو اولی الامر بھی مقرر کیا ہے۔

پس اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو جو میرا رسول ہونے کے ساتھ ساتھ تمہارے اوپر میرا مقرر کردہ اولی الامر بھی ہے اور اسی لئے اس سے آگے فرماتا ہے:

"فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول"

یعنی اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اپنے اس جھگڑے کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرو۔

آیت کے اس حصہ میں اپنا جھگڑا پیش کرنے کے لئے "اولی الامر" کا ذکر اس لئے نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت اولی الامر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ تھے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم جو احکام خدا کی طرف سے پہنچاتے تھے ان میں تو ایک طرح سے خدا ہی کی اطاعت تھی لیکن وہ امور جو ایک حکمران سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً دفاع کی تدبیر۔ لشکر کی تیاری، علمدارانِ لشکر کا تقرر۔ فوج کی کمان کرنا، اور مختلف احکام صادر کرنا۔ یہ سب امور آپ کے اولی الامر ہونے سے تعلق رکھتے تھے۔ جنگ احد میں آپ نے ایک درہ پر 50 کمانداروں اور تیر اندازوں کو مقرر کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تمہیں یہاں سے نہیں ہلنا۔ یہ سب احکام آپ کے اولی الامر کی حیثیت سے تھے اور چونکہ خدا نے

انہیں اولی الامر مقرر کیا تھا۔ لہذا ان کی اطاعت دو حیثیتوں سے فرض کی تھی۔ ایک رسول کی حیثیت سے اور دوسری اولی الامر کی حیثیت سے۔ اور چونکہ رسول اللہ کی یہ حیثیت رسول کی اطاعت کا حکم بھی خدا نے ہی دیا تھا لہذا رسول کی اطاعت بھی ایک طرح سے خدا کی ہی اطاعت تھی۔ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی خدا ہی نے دیا تھا۔ لہذا آنحضرت کی اولی الامر کی حیثیت سے اطاعت بھی ایک طرح سے خدا کی حکومت کو ہی تسلیم کرنا اور اسکی اطاعت کرنا تھا۔

اب آیت یہ کہتی ہے کہ پیغمبر قیامت تک کے لئے رسول بھی ہیں اور اولی الامر بھی ہیں۔ اور ختم نبوت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپکی نبوت ختم ہوگئی۔ بلکہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئیگا۔ اور قیامت تک اب آپ کی رسالت ہے اور آپکی ہی شریعت ہے اور مومنین کے لیے اولی الامر کا مطلب یہی ہے۔ کہ جب قیامت تک آپ ہی کی رسالت ہے تو قیامت تک حکومت بھی آپ ہی کی ہے۔ اور اولی الامر بھی قیامت تک آپ ہی ہیں۔ تو قیامت تک پیغمبر کے حاکم و فرمانروا و اولی الامر ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص غلبہ کر کے یا کسی اور طریقہ سے مومنین کا اولی الامر یا حاکم و فرمانروا نہیں بن سکتا۔

اور جب قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کی رسالت ہے اور اولی الامر بھی قیامت تک آپ ہی ہیں تو خدا کے کے لئے ضروری تھا کہ یا تو پیغمبر کو رسول و اولی الامر کی حیثیت سے قیامت تک زندہ رکھتا یا ایسا انتظام کرتا کہ پیغمبر کے بعد انکا کوئی ایسا نائب موجود رہے۔ جس کا حکم پیغمبر کا حکم سمجھا جائے۔ اور اسکی اطاعت پیغمبر کی اطاعت سمجھی جائے۔ تو یہ فرض خدا نے بھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے بھی بخوبی انجام دیا۔ اور دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جو خدا کے حکم سے "وانذر عشیرتک الاقربین" کے مطابق

دی گئی تھی اپنی رسالت کے ساتھ ہی جو اعلان کیا وہ یہ تھا کہ:

"ان ھذا اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا"

یہ علی میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے میرا جانشین ہے میرا نائب ہے۔ تم اسکی بات غور سے سننا اور اسکا حکم ماننا اور اسکی اطاعت کرنا۔

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علی وآلہ دعوت ذوالعشیرہ میں پہلے ہی دن اعلان اپنی رسالت کا کر رہے ہیں۔ لیکن اطاعت کا حکم حضرت علی کے لئے دے رہے ہیں۔ تم اسکی بات سننا اسکا حکم ماننا اور اسکی اطاعت کرنا۔

بعض حضرات نے پیغمبر کے اس اعلان خلافت کو وعدہ سے تعبیر کیا ہے کہ میں اسکو اپنا خلیفہ بناؤنگا۔ حالانکہ پیغمبر کے فرمان کے الفاظ یہ کہتے ہیں کہ یقیناً یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے۔ میرا جانشین ہے میرا نائب ہے، یعنی اس وقت میرا بھائی ہے اس وقت میرا وصی ہے اس وقت میرا خلیفہ ہے اور دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر اعلان غدیر تک پیغمبر نے مسلمانوں کے سامنے اس مطلب کو دہرایا ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد غلبہ کے ذریعہ یا دوسرے ذرائع سے برسر اقتدار آنے والوں کو 1924ء تک خلیفہ کہا جاتا رہا لہذا عامۃ المسلمین میں سے اچھے بھلے سمجھدار آدمیوں نے بھی خلیفہ کے معنی غلبہ کے ذریعہ یا دوسرے ذریعہ سے برسر اقتدار آنے والے سمجھا۔ اور نہ صرف مطلقاً خلیفہ یا حکمران سمجھا۔ بلکہ خدا کا خلیفہ سمجھا۔ جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں لکھا ہے کہ "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہ وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے" (خلافت وملوکیت ص 34)

یعنی ہندوستان میں ہندو خدا کے خلفیہ ہیں۔ امریکہ میں عیسائی خدا کے خلیفہ ہیں اسرائیل

میں یہودی خدا کے خلیفہ ہیں۔ اپنے پہلے سے کئے ہوئے فیصلہ اور اپنے پہلے سے قائم کئے ہوئے عقیدہ کی حفاظت کے لئے انسان کو معلوم نہیں کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں۔

اس لفظ خلیفہ کا سب سے پہلا استعمال قران کریم میں حضرت آدم کے لئے ہوا ہے لہذا اس لفظ کے حوالے سے کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا۔ کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو کسی پہلی نسل کا خلیفہ بنایا۔ کسی نے کہا کہ خلافت بہت عظیم منصب ہے جس کو دیکھ کر تمام فرشتوں کے منہ میں پانی بھر آیا کسی نے کہا کہ فرشتوں کو یہ منصب اس لئے نہ ملا کہ فرشتے امتحان میں فیل ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ آدم کو یہ منصب اس لئے ملا کہ آدم فرشتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ وہ عظیم بار امانت ہے جس کا بوجھ سوائے انسان کے اور کوئی نہ اٹھا سکا۔ کسی نے کہا کہ آدم کو خدا نے فرشتوں کا خلیفہ بنایا۔ کسی نے کہا کہ خدا نے صرف آدم کو ہی نہیں بلکہ ہر انسان کو اپنا خلیفہ بنایا، کسی نے کہا کہ خدا نے کسی فرد واحد کو نہیں بلکہ انسانوں کی جماعت کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور مفوضہ اور شیخیہ نے اس سے یہ دلیل نکالی کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خلیفہ ہیں۔ اور خلیفہ کے معنی ہیں نائب و جانشین پس یہی حضرات خدا کے جانشین اور نائب کی حیثیت سے تمام کارھائے ربوبی انجام دیتے ہیں۔ خلق یہی کرتے ہیں رزق یہی دیتے ہیں مارتے یہی ہیں زندہ یہی کرتے ہیں غرض تمام نظام کائنات یہی چلاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر کسی نے خلیفہ کے معنی بھی اپنی مرضی سے کئے خلیفہ کی صفات بھی اپنی مرضی سے متعین کیں۔ اور خدا نے آدم کو کس کا خلیفہ بنایا؟ یہ بھی ہر کسی نے اپنی مرضی سے قرار دیا ہے۔

علمائے اہل سنت کے نزدیک خدا نے آدم کو کس کا خلیفہ بنایا؟

اکثر علماء مفسرین اہل سنت بلکہ تقریبا تمام اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ خدا نے آدم کو خود اپنا خلیفہ بنایا۔ اور نہ صرف آدم علیہ السلام کو بلکہ تمام آدمیوں کو یعنی ساری اولاد آدم کو اور تمام انسانوں کو اپنا خلیفہ بنایا۔

چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو مدینہ پہنچنے کے بعد اقتدار ظاہری بھی حاصل ہوگیا تھا۔ لہذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علی وآلہ کے بعد جن لوگوں نے اس اقتدار پر قبضہ کیا تو وہ کسی اصول کے ماتحت نہ تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ "کانت بیعة ابی بکر فلتة"۔ "یعنی ابوبکر کی بیعت بغیر کسی مشورہ کے اور بغیر کسی سوچ بچار کے ہوئی تھی۔ یعنی کسی اصول کے ماتحت یہ انتخاب نہ ہوا تھا لیکن بعد میں طرفداران حکومت نے تقرر خلیفہ کے لئے جو اصول گھڑے ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے۔ اللہ کے یہ سارے خلفاء کسی ایک نیک آدم کے حق میں دست بردار ہو جاتے ہیں اور جس کے بارے میں وہ دست بردار ہوتے ہیں وہ خدا کا خلیفہ، حاکم و سربراہ مملکت بن جاتا ہے۔ بس اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد اللہ کے یہ سارے خلفاء حضرت ابوبکر کے حق میں اپنے حق خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اور حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے لہذا وہ اللہ کے خلیفہ برحق تھے۔

اور بقول محمد اشرف سیالوی در کتاب تحفہ حسینیہ حضرت علی کے پاس تو صرف چند ووٹ تھے لہذ وہ رہ گئے یہ صرف پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ کو درست قرار دینے کی ایک ترکیب ہے۔

علمائے شیعہ کے نزدیک خدا نے آدم کو کس کا خلیفہ بنایا؟

شیعوں میں جب تک شیخیہ پیدا نہ ہوئے تھے۔ اور صوفی شیعہ معرض وجود میں نہ آئے تھے اس وقت تک اکثر علماء شیعہ کا نظریہ یہ تھا کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو زمین میں ان کا خلیفہ بنایا تھا جو آدم سے پہلے زمین پر آباد تھے۔ چنانچہ تفسیر التبیان میں خلافت آدم کی حکایت کرنے والی آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے۔

" والملائکة المزکورن فی الآیة قال قوم هم جمیع الملائکة، وقال الاخرون، وهو المروی عن ابن عباس و الضحاک انه خطاب لمن اسکنه من الملائکة الارض بعد الجان و قبل خلق آدم، وهم الذین اجلوا لجان من الارض " (تفسیر التبیان جلد 1 ص 133)

ترجمہ: اور وہ ملائکہ جن سے خطاب قدرت تھا۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس سے مراد جمیع الملائکہ ہیں۔ اور باقی دوسرے لوگوں کا کہنا یہ ہے۔ اور یہ روایت ابن عباس سے اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ ان ملائکہ سے خطاب ہے جنہیں خدا نے آدم کی خلقت سے پہلے اور جنوں کے زمین سے بے دخل ہو جانے کے بعد زمین میں آباد کر دیا تھا۔ اور یہ وہی فرشتے تھے۔ جنہوں نے جنوں کو زمین سے بے دخل کر کے نکالا تھا۔ یہ فرشتے زمین میں جنوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کی ہدایت سے عزازیل کے علاوہ اور کوئی ایمان نہ لایا لہذا ان فرشتوں نے خدا کے حکم سے جنوں کو زمین سے بے دخل کر کے باہر نکال دیا۔ اور خود زمین پر آباد ہو گئے۔ اور عزازیل ان کے ساتھ رہتے ہوئے عبادت میں ایسا مصروف ہوا کہ فرشتوں میں ہی شمار ہونے لگا، آخر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 30 کے مطابق ان فرشتوں کو اطلاع دی گئی کہ اب تمہاری جگہ دوسرا ھادی زمین پر ہدایت کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ اور

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدم علیہ السلام آیت قرانی:

"ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحا و ال و ابراهیم وال عمران علی العالمین"

کے مطابق انسانوں میں سے زمین پر سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے ہادی تھے۔

ہم نے خلافت کے بارے میں اپنی کتاب "خلافت قرآن کی نظر میں" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ لہذا تفصیل کے لئے وہاں پر رجوع کریں۔ یہاں پر صرف یہ بتلانا ہے کہ جس طرح اہل سنت نے پہلے سے قائم کیے ہوئے عقیدہ کے مطابق بعد میں خود اپنی مرضی سے خلیفہ کے تقرر کے اصول گھڑ لئے اسی طرح جب شیعوں میں صوفی شیعہ اور شیخیوں کا داخلہ ہوا تو انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق خلیفہ کے معنی اور خلیفہ کی حیثیت کا تعین کیا۔ اور صوفی شیعوں اور شیخیوں کی تبلیغات کے نتیجہ میں بہت سے شیعہ علماء بھی انہی کی بولی بولنے لگ گئے۔

چنانچہ آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنی تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم میں آدم کی خلافت کا اعلان کرنے والی آیت کو عنوان ہی یہ دیا تھا۔

انسان خلیفہ خدا در روئے زمین"

(تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 244)

یعنی انسان روئے زمین میں خدا کا خلیفہ

اس کے بعد اس سے اگلے صفحہ پر اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"در ایں آیہ برخلاف آیہ قبل سخن از برتری انسان از طریق تسلط بر کل زمین وطبقات نیست بلکہ محور سخن جانشین او از خدا در روی زمین است او باید آنچنان موجود برتر وبالا باشد بتواند جانشین نمائندہ خدا در روئے زمین باشد خدائے کہ جامع تمام کمالات است"

(تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 244)

ترجمہ: اس آیت میں اس سے پہلے آیت کے برخلاف انسان کی کل زمین پر تسلط کے طریق سے برتری کی بات نہیں ہے بلکہ اس آیت میں محور سخن انسان کی روئے زمین پر جانشینی ہے۔ اسے ایسا برتر وبالا موجود کی حیثیت سے ہونا چاہیئے۔ کہ وہ روئے زمین میں خدا کا جانشین اور نمائندہ کی حیثیت سے ہو اس خدا کا جانشین جو تمام کمالات کا جامع ہے۔

اس کے بعد خدا کی جانشینی کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"مقصود از خلافت از جانب خدا این است کہ او با وجود خود۔ وجود خدا و با صفات و کمالات خود صفات و کمالات خدا۔ و با فعل و کار خود، افعال خدا را ترسیم کند و آئینہ ایزدی گردد۔ (تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 245)

ترجمہ: خدا کی طرف سے خلافت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے وجود سے خدا کے وجود کا۔ اور اپنے صفات وکمالات سے خدا کے صفات وکمالات کا اور اپنے فعل اور کام سے خدا کے کام کا نقش ہو۔ اور خدا کا آئینہ ہو۔

یعنی جس طرح آئینہ میں وہی چیز آتی ہے جو اس کے سامنے ہو اسی طرح اس کے اندر خدا ہی نظر آئے۔

اس کے بعد پھر اپنے اس بیان کی مزید وضاحت اس طرح سے کرتے ہیں۔

وبہ دیگر سخن، با کلیہ شئون وخصوصیات وجودی و فعلی خویش صفات وکمالات او رانشان دھد و یک چنیں مقام وموقعیت فقط از انسان است وبس"

تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 245)

ترجمہ: دوسرے الفاظ میں وہ اپنے تمام شئون اور خصوصیات وجودی و فعلی میں خدا کے صفات وکمالات کا نمونہ ہو اور اس قسم کا مقام اور موقعیت صرف انسان سے ہے اور بس۔

چونکہ صوفیا کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان ریاضت کر کے نہ صرف مرتبہ نبوت ورسالت

پر فائز ہو سکتا ہے بلکہ خدائی صفات کا حامل بن سکتا ہے اس لئے اپنے عقیدہ کے مطابق خلافت کی تعریف کی ہے اور چونکہ پہلے کے شیعہ علماء کا نظریہ اور عقیدہ یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو خدا نے زمین میں فرشتوں کا یا جنوں کا یا پہلی کسی قوم کو جانشین بنایا تھا۔ لہذا اس کے بعد ان کے نظریے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''برخی از افراد نا آگاہ کہ با قرآن در ست انس نگرفتہ، و روح و روان آنان قرآنی نشدہ است تصور کردہ است کہ مقصود جانشینی آدم از موجودات دیرینہ است کہ پیش از آدم منقرض گشتہ و راہ فنا را رفتہ است پس یک چنیں نظریہ جز پیش داوری علت و اساسی ندارد۔ این تنہا ما ہستم کہ از خلافت آدم جانشینی از جانب خدا را می فہمیم بلکہ فرشتگان نیز از جانشینی انسان ہمیں معنی را درک کردہ؛

(تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 245)

ترجمہ: کچھ ناواقف اور نا آگاہ لوگوں نے جو قرآن کے ساتھ صحیح انس نہیں رکھتے اور انکی روح رواں قرآنی نہیں ہوئی ہے یہ تصور کر لیا ہے کہ آدم کی جانشینی سے مراد پہلے سے رہنے والی موجدات کی جانشینی ہے، جو آدم سے پہلے ختم ہو گئی اور فنا کی راہ اختیار کر گئی۔

اس قسم کا نظریہ پہلے سے کئے ہوئے فیصلہ کے سوا اور کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔

یہ صرف ہم ہی نہیں ہیں کہ جنہوں نے خلافت آدم سے خدا کی جانب سے جانشینی کو سمجھا ہے بلکہ فرشتوں نے بھی انسان کی جانشینی سے اس مطلب کو سمجھا تھا۔''

غرض اس مطلب کو اپنے فیصلہ اور عقیدہ کے مطابق بیان کرتے کرتے آخر میں لکھتے ہیں کہ: ''گزشتہ ازیں از برخی آیات می تواں استفادہ کرد کہ جانشینی آدم اختصاص بہ وی نداشتہ و فرزندان وی در ایں مورد با و شریکند زیرا خدا۔ مجموع انسان ھای عصر رسول اسلام و پس از او را چنیں توصیف می کنند'' و یجعلکم خلفاء الارض ء الہ مع اللہ

قلیلا ما تذکرون (النمل آیہ 62) وشما ھارا جانشینان درزمین قرارمی دھد آیا با خدا خدائے ھست کمتر یاد آوری شوید"

(تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 249)

ترجمہ: اس کے علاوہ کچھ آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدم کی جانشینی ان ہی کے ساتھ خاص نہیں تھی۔ بلکہ انکی ساری ہی اولاد یعنی تمام انسان اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ کیونکہ خدا نے زمانہ رسالت کے تمام انسانوں اور ان کے بعد کے کل انسانوں کی اسطرح سے توصیف کی ہے کہ:

ہم تمہیں زمین میں خلیفہ بناتے ہیں کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی خدا ہے تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنی اس تفسیر میں یہ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے کہ تمام انسان خدا کے خلیفہ ہیں۔ اور خدا کے جانشین ہیں اور خدا کی افعال و صفات کا ان سے ظہور ہوتا ہے۔

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ جن بزرگوں شیعہ علماء متقدمین نے آدم علیہ السلام کی خلافت کو یہ لکھا تھا۔ کہ انہیں ان سے پہلے زمین پر آباد موجودات کا جانشین بنایا تھا۔ قرآن سے ناواقف و ناآگاہ لکھا جیسا کہ انہوں نے فرمایا:

"برخی از افراد ناآگاہ کہ با قرآن درست انس نگرفتہ و روح روان آنان قرآنی نشدہ است تصور کردہ است کہ مقصود جانشینی آدم از موجودات دیرینہ است"

(تفسیر موضوئی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 245)

یعنی کچھ ناواقف اور ناآگاہ لوگوں نے جو قرآن کے ساتھ صحیح انس نہیں رکھتے اور ان کی روح و رواں قرآنی نہیں ہوئی ہے یہ تصور کرلیا ہے کہ آدم کی جانشینی سے مراد پہلے سے

زمین پر رہنے والی موجودات کی جانشینی ہے۔

یعنی آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنے اس بیان میں واضح طور پر ان بزرگ شیعہ علماء متقدمین کو جنہوں نے حضرت آدم کو زمین پر پہلے سے رہنے والی موجودات کا جانشین لکھا تھا ناواقف و نا آگاہ۔ قرآن کو درست طور پر نہ سمجھنے والا لکھا اور خود جس آیت سے استدلال کیا۔ اسے جزوی طور پر لکھا ہے اور اس میں یستخلفکم صیغہ مضارع ہے جو حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے۔ ماضی پر نہیں۔ اور خدا نے اور بہت سے انبیاء نے اہل ایمان سے مستقبل میں کفار کو ہلاک کرنے انکے مال اور زمینوں کا مالک اور انکی زمینوں میں انکا جانشین بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے لئے مثالیں نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر 1: جب قوم عاد نے کفر و شرک کی راہ اختیار کی تو حضرت ھود نے ان سے فرمایا:

"فان تولوا فقد ابلغتم ما ارسلتم به الیکم ویستخلف ربی قوما غیر کم"

(ھود-57)

ترجمہ: حضرت ھود نے کہا جو حکم دے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تو میں نے پہنچا دیا اب اگر تم اس کے حکم سے منہ پھیرو گے اور اس کی نافرمانی کرو گے (تو وہ تمہیں ہلاک کر کے) تمہاری جگہ دوسری قوم کو (جو صاحب ایمان ہوگی) تمہارا جانشین بنا دیے گا یعنی وہ اہل ایمان کی قوم اس وقت خلیفہ نہیں ہے بلکہ زمانہ مستقبل میں انہیں تمہار جانشین بنائے گا اور سورۃ ھود کی اس سے اگلی آیت نمبر 58 یہ کہتی ہے۔ کہ "جب خدا کا عذاب آیا تو اس نے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا اور انکی جگہ اہل ایمان آباد ہوئے اور انکی زمینوں کے اور مالوں کے مالک بنے۔

نمبر 2: اسی طرح خدا عصر پیغمبر کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"و ربک الغنی ذوالرحمته ان یشاء یذھبکم و یستخلف من بعد

کم ما یشاء کما انشاء کم من ذریہ قوم آخرین (الانعام-133)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار بے نیاز اور صاحب رحمت ہے اور تمہارے بعد جن کو چاہے تمہاری جگہ آباد کردے اور تمہارا جانشین بنادیے جیسا کہ دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا کردیا۔

یستخلف کے معنی کی وضاحت کے لئے یہ آیت اتنی واضح ہے کہ اس نے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ "ان یشاء یذھبکم" اپنے مخاطب زندہ لوگوں سے خطاب ہے کہ اگر خدا چاہے تو تمہیں یہاں سے اس دنیا سے لے جائے۔ طبعی موت کے ذریعہ لے جائے یا عذاب کے ذریعہ موت دیکر لیجائے۔ وہ جس طرح چاہے تمہیں لے جاسکتا ہے۔ "ویستخلف من بعد ما یشاء" اور تمہارے لیجانے کے بعد تمہاری جگہ جنہیں چاہے آباد کردے اور تمہارا جانشین بنادے۔ اب یہ انکی جگہ کیسے آباد کریگا اور کس طرح سے انکا جانشین بنائے گا۔ واضح اور دوٹوک اور واشگاف الفظ میں کہتا ہے "کما انشاء کم من ذریۃ قوم آخرین" اس طرح سے آباد کریگا جس طرح سے تم کو دوسرے لوگوں کی نسل، ذریت اور اولاد سے پیدا کر کے تمہیں انکی جگہ آباد کیا ہے۔ اور تمہیں انکا جانشین بنایا ہے۔

اس سے بڑھ کر وضاحت اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ یستخلف سے مراد ہرگز ہرگز کوئی منصب یا عہدہ یا خدا کی جانشینی نہیں ہے۔ بلکہ پہلی موجودات یا پہلے لوگوں کے مرنے کے بعد انکی جگہ زمین پر آباد ہونا اور انکا جانشین بننا ہے۔

لہذا شیعہ علمائے مقدمین نے جو کچھ سمجھا تھا وہی درست تھا اور آیت آاللہ استاد جعفر سبحانی نے ان شیعہ علمائے مقدمین کو ناآگاہ و ناواقف اور قرآن سے انس نہ رکھنے والے اور قرآنی روح و رواں نہ رکھنے والے صحیح نہیں کہا ہے البتہ وہ نہ تو صوفی تھے اور نہ تصوف و عرفان نظریات کے شیعوں میں داخل ہونے سے متاثر ہوئے تھے۔

غرض اکثر لوگوں نے اپنے عقیدے اور پہلے سے کئے ہوئے فیصلہ کے مطابق

قرآن کی آیات کو اپنے مطلب پر چپکایا ہے اور خلیفہ یا خلافت کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی ہیں۔ اور خلیفہ کے لئے اپنی طرف سے خود ہی صفات کا تعین کیا ہے۔

آیت اللہ روح اللہ خمینی نے بھی اپنی کتاب مصباح الھدایہ میں صوفیانہ انداز میں خلیفہ کو اسماء وصفات الیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور بغیر کسی دلیل اور نص صریح کے صوفیانہ انداز میں جسے صوفی شیعہ عرفان کا نام دیتے ہیں۔ جا بجا اپنے مطلب کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

" وقالت العرفاء الكاملون ان الذات الاحدية تجلى بالفيض الاقدس اى الخليفة الكبرىٰ فى الواحدية و ظهر فى كسوة الصفات والاسماء، وليس بين الظاهر و المظهر اختلاف الا بالاعتبار"

(مصباح الھدایہ ص 48 مطبوعہ ایران)

ترجمہ: اور عارفین کاملین نے فرمایا ہے ذات احدیث نے فیض اقدس کے ساتھ تجلی فرمائی ہے یعنی حضرت واحدیث میں خلیفہ کبریٰ تجلی نما ہے اور یہ خلیفہ صفات الیہ اور اسمائے خداوندی کے لباس میں ظہور پذیر ہے اور ظاہر اور مظہر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہے تو محض اعتباری ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالاعتبار یا محض اعتباری کی وضاحت کر دوں

آپ نے اگر کسی کمہار کو کبھی چاک (گول چکر جس پر وہ برتن بناتا ہے) پر برتن بناتے ہوئے دیکھا ہو تو آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ وہ چاک پر گندھا ہو اچھی طرح سے بنایا ہوا مٹی کا گارا درمیان میں رکھتا ہے اور پھر اس چاک کو لاٹھی سے گھما کر اس پر رکھے ہوئے گارے سے مختلف قسم کے برتن بناتا ہے اور طرح طرح کے بناتا ہے۔ مثلاً لوٹا بناتا ہے گھڑا بناتا ہے۔ پیالی بناتا ہے۔ غرض طرح طرح کے برتن بناتا ہے یہ

سارے دیکھنے میں مختلف نظر آتے ہیں مگر ان سب کی اصل ایک ہے اور وہ مٹی ہے۔ ان میں صورتوں کے لحاظ سے جو فرق نظر آتا ہے اسے "بالاعتبار" یا اعتباری کہتے ہیں ورنہ یہ سب گھڑا بھی لوٹا بھی اور پیالی بھی اصل میں وہی مٹی ہے۔ آیت اللہ روح اللہ الخمینی فرماتے ہیں کہ ظاہر میں اور مظہر میں یعنی خدا میں اور خلیفہ میں کوئی اختلاف یا فرق نہیں ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف اعتباری ہے

علامہ امین شہیدی نے ماہنامہ العارف اور سہ ماہی رسالہ الثقلین میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "تصوف وعرفان اور امام خمینی" اس مضمون میں انہوں نے امام خمینی کی تصوف وعرفان میں گہری سوچ اور تصوف وعرفان میں انکی علمی خدمات تصنیفات وتالیفات، اور تصوف وعرفان کے درس تدریس کا بیان کیا تھا۔ اور ان کو سید العرفا کے لقب کے ساتھ تحریر فرمایا تھا جو کافی مدلل تھا۔

میں نے اپنی مطبوعہ کتاب "شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے خصوصا تصوف و عرفان قران وحدیث وتاریخ کی روشنی میں" میں اپنے موضوع سے متعلق ہونے کی بنا پر ان کے اس مضمون کے کچھ اقتباس نقل کر کے اپنی محتاط رائے لکھی تھی۔ جس میں آیت اللہ موصوف کی شان کے خلاف کسی قسم کی کوئی بات نہیں تھی بلکہ جو بات انکی تعریف کے طور پر لکھی گئی تھی اسے ہی نقل کیا تھا۔ لیکن مجھے ایک علامہ صاحب نے بڑے تلخ انداز میں فرمایا کہ امین شہیدی کو کیا پتہ ہے کیا تم نے ان کی کوئی کتاب پڑھی ہے۔ میں نے آیت اللہ موصوف کی طرف سے گورباچوف کے نام خط کا ذکر کیا جو آیت اللہ جوادی آملی لے کر گئے تھے تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے انکی کوئی کتاب پڑھی ہے میں نے کہا صرف ایک کتاب "حکومت اسلامی" فارسی کی پڑھی ہے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں پڑھی

فرمانے لگے کہ آیت اللہ خمینی کا فقیہ اور مجتہد کی حیثیت سے بڑا مقام ہے۔ جب میں نے

ان دونوں کی کتابیں پڑھیں تو علامہ امین شہیدی کے مضمون ''تصوف و عرفان اور آیت اللہ خمینی'' کے مندرجات کی تصدیق ہوگئی کہ واقعاً آیت اللہ موصوف تصوف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور امین شہیدی نے جو تعریف کے عنوان سے سید العرفا لکھا ہے تو وہ بالکل ٹھیک لکھا ہے۔ اور انہوں نے خلافت اور خلیفہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ واقعاً تصوف و عرفان ہی کی بات ہے یہ بات قرآن میں یا آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات میں نہیں مل سکتی۔

بہر حال خلافت کے بارے میں اہل سنت، شیعہ علماء اور صوفیا و شیخیہ کے نظریات کے بارے میں اہل سنت، شیعہ علماء اور صوفیا و شیخیہ کے نظریات لکھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآن و احادیث سے مختصر تحقیق پیش کریں۔

خلیفہ یا خلافت کے بارے میں مختصر تحقیق

خلافت کے بارے میں ہم نے اپنی مطبوعہ کتاب خلافت قرآن کی نظر میں'' تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ لہذا تفصیل کے لئے تو اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ یہاں پر اختصار کے طور پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم میں، لفظ خلیفہ جو خلف سے مشتق ہے اس کے تمام مشتقات صرف دو طرح سے آئے ہیں۔ ان دو طریقوں کے علاوہ اور کوئی طریقہ سالم قرآن میں بیان نہیں ہوا ہے پہلے طریقے کا بیان اس طرح ہے۔

نمبر 1: جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خلیفہ اور اسکی جمع اور خلف کے دوسرے مشتقات مثلاً خلفاء، خلائف، یستخلف، یستخلفکم، یستخلفنھم اور لیستخلفنھم وغیرالفاظ سارے کے سارے گزشتہ قوموں کے عذاب سے ہلاک ہونے کے بعد انکے پس ماندگان اور زندہ بچ رہنے والے اہل ایمان کیلئے

استعمال ہوئے ہیں جو انکی جگہ زمین میں آباد ہوئے۔ اسی لئے ہر جگہ ان مشتقات کے ساتھ الارض کا لاحقہ ہے یعنی "فی الارض خلیفه، خلیفة فی الارض، خلفاء الارض، خلائف فی الارض، یستخلفکم فی الارض، یستخلفهم فی الارض، اور یستخلفنهم فی الارض۔

یعنی انبیاء علیہم السلام حضرت نوح۔ حضرت ھود، حضرت صالح اور حضرت شیعب وغیرہ اپنی قوموں کو توحید کی تبلیغ کرتے تھے تو چند لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہ لاتے تھے۔ لہذا وہ قومیں عذاب الہی سے ہلاک کردی گئیں۔ اور انکی جگہ اپنے نبی کے ساتھ ان پر ایمان لانے والے آباد ہوئے۔

چونکہ قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے کے واقعات سے مشابہ ہیں۔ لہذا آنحضرت کو مثیل موسیٰ کہا جاتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے فرعون کے غرق ہونے اور انکی جگہ بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اسے یہاں نقل کیا جائے۔ بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم کو موسیٰ سے جس طرح بیان کیا اور موسیٰ نے اسکا جو جواب دیا اسے قرآن نے حکایتاً اس طرح بیان کیا ہے۔

"قالوا او زینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یهلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعلمون"

(الاعراف-129)

"(بنی اسرائیل نے) کہا (اے موسیٰ) ہم نے تو تمہارے آنے سے پہلے بھی تکلیف اٹھائی اور تمہارے آنے کے بعد بھی (موسیٰ نے) کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کریگا۔ اور تم کو زمین میں (انکا) خلیفہ (یعنی وارث وجانشین) بنائیگا اور پھر دیکھے گا

کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

یہاں موسیٰ علیہ السلام نے " یستخلفکم فی الارض " کہا ہے یعنی وہ تمہیں زمین میں انکا خلیفہ بنائیگا، یعنی وہ اب خلیفہ نہیں ہیں۔

اور سورۃ دخان میں فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے انکا جانشین بنائے جانے کا حال اسطرح بیان کیا ہے۔

" فاسر بعبادی لیلاانکم متبعون ، واترک البحر رھواً انه جند مغرقون ، کم ترکوا من جنت و عیون و زروع و مقام کریم ، و نعمة کانوا فیها فاکهین ، کذالک (قف) واورثنٰها قوم آخرین " (الدخان 23 تا 28)

ترجمہ: (اے موسیٰ) تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو ساتھ لیکر راتوں رات (مصر سے) چلے جاؤ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائیگا لہذا تم دریا کو اپنی حالت میں ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جانا (جب وہ داخل ہو جائینگے تو) ان سب کو غرق کر دیا جائیگا۔ وہ لوگ کتنے کتنے باغات۔ اور کتنے کتنے چشمے اور کتنی کتنی کھیتیاں اور کیسے کیسے مکانات اور آرام و آسائش کی وہ چیزیں جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کیا کرتے تھے پیچھے چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ (کذالک) یعنی ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ اور ہمارا قانون اور سنت یہی ہے فرعون کی قوم کے بعد بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور ان تمام چیزوں کا جو فرعون اور اسکی قوم نے چھوڑا تھا دوسرں (یعنی بنی اسرائیل کو) انکا وارث (یعنی خلیفہ و جانشین) بنا دیا کیونکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ: عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض " قریب ہے کہ تمہار پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں (انکا) خلیفہ و جانشین اور وارث بنا دیگا۔ لہذا حضرت موسیٰ نے تو یستخلفکم لفظ استعمال کیا تھا۔ خدا نے اس وعدے کو پورا ہونے پر " واورثنٰها " کہا، یعنی ہم نے اس قوم کو فرعون

اوراسکی قوم کے چھوڑے ہوئے باغات اور چشموں اور کھیتیوں۔نفیس مکانات اوران چیزوں کے جن سے وہ عیش وآرام کی زندگی بسر کیا کرتے تھے وارث بنادیا۔تو یہاں وعدہ استخلاف فرعون اوراسکی قوم کے مالوں کاوارث بنانے کی صورت میں پورا کیا گیا۔

خدانے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ذریعہ بھی اہل ایمان سے انکے استخلاف کاوعدہ کیا تھا جو یہ تھا کہ:

" وعد الله الذاین آمنوا منکم وعملوا الصلحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم . ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیاً و من کفر بعد ذالک فاولئک هم الفاسقون (النور-55)

ترجمہ:اے ایمانداروں) تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدانے وعدہ کیا ہے کہ ایک نہ ایک دن انہیں زمین میں جانشین بنائے گا۔جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا تھا جوان سے پہلے گزرے ہیں۔اور جس دین کواس نے ان کے لئے پسند کیا ہے ضرور ضرور مضبوط اور مستحکم بنادیگااوران کے خوف وحراس کوضرورضرور امن میں بدل دیگا وہ (اطمینان سے) میری عبادت کیا کرینگے اور میرا کسی کوشریک نہ بنائینگے۔اور جوشخص اس کے بعد بھی ناشکری کریگا تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ وہ اب خلیفہ نہیں ہیں۔اس وعدہ کو پورا کرنے کا بیان خدانے قرآن میں اس طرح سے کیا ہے کہ جنگ احزاب کی فتح کے بعد بنی قریضہ کے یہود نے حسب معاہدہ مسلمانوں کی مدد کرنے اور مدینہ کادفاع کرنے کی بجائے لشکر کفار کا ساتھ دیا تو جنگ احزاب میں دشمن کی شکست کے بعد وہ اپنے قلعہ میں آکر پناہ گزین ہوگئے۔لہذا خدا کی طرف سے پیغمبر کو ان کا محاصرہ کرنے کا حکم ہوااور انکا جوحشر ہوااسکا بیان سورۃ احزاب میں اسطرح کیا ہے

" وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون و تاسرون فریقا ، واورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم وارض لم تطئو ھا وکان اللہ علی کل شیء قدیرا"

(الاحزاب-26-27)

ترجمہ؛اور اہل کتاب میں سے (یہودی قریضہ) جن لوگوں نے (جنگ احزاب میں) کفار کی مدد کی تھی اور وہاں سے واپس آکر اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہو گئے تھے) خدا نے ان کو ان قلعوں (سے نکال کر) نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا ایسا رعب بٹھا دیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کرنے لگے۔اور دوسرے گروہ کو گرفتار کر کے قیدی بنانے لگے۔اور خدا نے تم کو انکی زمینوں کا اور انکے مکانوں کا اور ان کے مالوں کا مالک و وارث بنا دیا اور ایسی زمین کا تمہیں وارث بنایا جس پر تمہارے کبھی قدم بھی نہ پہنچے تھے۔اور خدا ہر چیز پر قادر و توانا ہے پس خدا کا پیغمبر کے ذریعہ کیا ہوا وعدہ استخلاف یہودی قریضہ کی زمینوں مکانوں اور مالوں کا وارث بنا کر پورا ہوا۔اور آئندہ بھی جب کبھی ہوگا اسی طرح ہوگا۔

پس آدم علیہ السلام بھی ان فرشتوں کی جگہ جانشین بنائے گئے تھے جو جنوں کو زمین سے نکال کر زمین پر آباد ہو گئے تھے۔اور اسی لئے زمین پر رہنے والے فرشتوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اس بات سے آگاہ کیا گیا تھا۔

پس آدم علیہ السلام نے زمین کی وراثت کا چارج فرشتوں سے حاصل کیا تھا۔ لیکن ایک دن آئیگا کہ انسانوں کو زمین سے ختم کر دیا جائیگا۔اور اس وقت زمین کا چارج پھر فرشتوں کے پاس چلا جائیگا۔جیسا کہ سورۃ زخرف میں ارشاد ہوا ہے

" ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون و انہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا واتبعون ھذا صراط مستقیم (الزخرف-60-61)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ضرور تمہارے بدلے میں فرشتوں کو تمہاری جگہ زمین میں جانشین بنادیں گے۔ اور یقینی طور پر یہ تو قیامت کی ایک نشانی ہے تم لوگ اس (قیامت) میں ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

بعض ترجمہ کرنے والوں نے "لجعلنا منکم ملائکۃ" کا ترجمہ تمہیں میں سے کچھ لوگوں کو فرشتے بنادینگے کیا ہے۔

لیکن کلام عرب میں "من" حرف جار بدل کے معنی میں یا بجائے کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی تمہاری بجائے یا تمہاری جگہ تمہارے بدلے میں۔ جیسا کہ تفسیر التبیان میں بیان ہوا ہے "ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ" ای بدلاً منکم معشر بنی آدم ملائکۃ فی الارض یخلفون، (تفسیر التبیان جلد 9 ص 210-211)

یعنی اے آدم کی اولاد اگر ہم چاہتے تو تمہاری بجائے تمہاری جگہ تمہارے بدلے میں زمین میں فرشتوں کو تمہارا خلیفہ یعنی تمہاری جگہ تمہارا جانشین بنادیتے۔

یہ بات جو آدم کی اولاد کو انکی جگہ فرشتوں کو زمین پر انکا جانشین بنانے کے لئے کہی ہے۔ یہی بات خدا نے زمین میں پہلے سے آباد فرشتوں کو آدم کے لئے کہی تھی کہ اب تمہاری بجائے زمین میں آدم علیہ السلام کو آباد کیا جائیگا اور اس کی اولاد کو زمین میں بسایا جائیگا۔

یہاں تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ خلف کے مادہ سے جتنے مشتقات قرآن میں آئے ہیں مثلاً خلیفہ، خلفاء، خلائف، یستخلفکم، یستخلفھم، لیستخلفنھم وغیرہ ان سب کے ساتھ الارض کا لاحقہ ہے یعنی یہ وہ خلافت ہے جسکی زمین کے ساتھ رشتہ داری اور تعلق ہے اور قرآن کریم میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ جس میں خدا نے آدم علیہ السلام کو یا آدم علیہ السلام کی اولاد کو خلیفۃ اللہ کہا ہو یعنی اللہ کا خلیفہ یا خلیفتی کہا ہو یعنی میرا خلیفہ۔

حالانکہ خداوند تعالٰی نے پتھرے بنے ہوئے گھر کو "بیتی" میرا گھر کہا ہے سارے رسولوں کو "رسلی" میرے رسول کہا ہے اور حضرت صالح کی اونٹنی تک کو ناقۃ اللہ کہا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو واضح الفاظ میں "محمد رسول الله" (الفتح -28) کہا ہے اور "ولکن رسول الله و خاتم النبین" (الاحزاب-40) کہا ہے مگر کسی کو بھی سالم قرآن میں نہ خلیفتی کہا اور نہ ہی خلیفۃ اللہ کہا ہے جبکہ وہ فرشتوں کے سامنے سب سے پہلے اعلان کرتے وقت ہی یہ کہ سکتا تھا کہ " واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفتی " یعنی میں زمیں میں اپنا خلیفہ مقرر کر رہا ہوں۔ اور اگر آدم خدا کے خلیفہ ہوتے تو فرشتوں کے سامنے خلیفتی کے ذریعہ اعلان کرنے سے فصاحت و بلاغت کلام میں اور اضافہ ہوتا۔ مگر نہ تو آدم خدا کے خلیفہ تھے نہ اولاد آدم خدا کی خلیفہ ہے۔ اور نہ ہی فرشتوں نے وہ کچھ سمجھا تھا جو آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے سمجھا ہے۔

ہم نے سابقہ صفحات میں عرض کیا تھا کہ خلف کے مادے سے یہ لفظ دو طرح سے آیا ہے۔ ایک طرح کے بیان میں الارض کے لاحقہ کے ساتھ جو الفاظ آئے ہیں انکا بیان ہو گیا

اب ہم خلف کے مادے سے ایک دوسرے مشتق لفظ کے معنی میں غور کرتے ہیں۔

نمبر 2: قرآن کریم میں خلف کے مادہ سے دوسرا مشتق لفظ وہ ہے جس کے ساتھ الارض کا لاحقہ نہیں ہے۔ بلکہ اسکی نسبت ایک اولوالعزم پیغمبر کی طرف ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر میقات کے لئے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون سے فرمایا کہ:

" قال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین" (الاعراف-142)

اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میری جانشینی کے فرائض انجام دینا اور انکی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا۔

اس آیت کا ترجمہ اہل سنت کے معروف عالم شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے۔

''اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ پر''

اور اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت کے معروف عالم و مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھا ہے۔ کہ:

(ف20) یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تمہیں کرنا۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیار موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے۔ وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیئے گئے۔ اور چونکہ بنی اسرئیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے۔ اسلئے بڑی تصریح و تاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑ بڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کار بند رہنا۔ مفسدہ پردازوں کے راہ پر نہ چلنا'' (تفسیر عثمانی ف 2 ص 216)

اس سے ثابت ہوا کہ جب کوئی نبی کسی کو اپنا خلیفہ بناتا ہے تو وہ اپنی غیبت میں اپنے تمام کام اور فرائض سپرد کرتا ہے۔

لہذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا دعوت ذوالعشیرہ کا یہ اعلان کہ: ان ھذا اخی و صی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا' اس بات کا اعلان تھا کہ علی میرا خلیفہ ہے میرا جانشین ہے اور اسکو میری غیبت میں یا میری عدم موجودگی میں مجھ سے متعلق سارے کام اور سارے فرائض انجام دینا ہیں۔

پس توحید در اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے سوا اطاعت کسی کی نہیں سوائے اس کے جسکی اطاعت کا خدا حکم دے۔ لہذا اسکی اطاعت خدا کی اطاعت ہوگی۔ رسول کی

حیثیت سے بھی اولی الامر کی حیثیت سے بھی۔اور پیغمبر کے سوا بھی قیامت تک اور کسی کی اطاعت نہیں ہے سوائے اس کے جسکی اطاعت کا حکم پیغمبر دیں اور جسکی اطاعت کو اپنی اطاعت قرادیں اور انہیں اپنی ذمہ داریاں سپرد کر کے جائیں۔اور اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے دعوت ذوالعشیرہ کے اعلان کے علاوہ بھی کئی مواقع پر اس طرح فرمایا تھا۔

"عن ابی ذر رضی الله عنه ل قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله لعلی ابن ابی طالب رضی الله عنه ، من اطاعنی فقد اطاع الله و من عصانی فقد عصاالله و من اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی . هذا حدیث صحیح السناد ولم یخرجاه"

الحاکم مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث

کتاب معرفۃ الصحابہ ص 131، 128 وغیرہ

ترجمہ: ابی ذر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی ۔اور اے علی) جس نے تیری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے تیری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی۔

"مزید احادیث بھی نقل کی جاسکتی ہیں تسلی کے لئے یہی حدیث کافی ہے جو ایک طرح سے تشریح اور وضاحت ہے دعوت ذوالعشیرہ کے اعلان کی جو توحید در اطاعت پر واضح دلیل ہے یعنی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت ہے اور پیغمبر کی اطاعت خدا ہی کی اطاعت ہے اور علی کی نافرمانی پیغمبر کی نافرمانی ہے اور پیغمبر کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔اس طرح پیغمبر کے بارہ جانشینوں کی اطاعت و نافرمانی کا حال ہے۔ جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے اوصیاء اور اپنے خلفاء کہا ہے۔پس قرآن میں

ایک خلافت وہ بیان ہوئی ہے جسکی رشتہ داری اور نسبت زمین کے ساتھ ہے اور دوسری خلافت وہ ہے جس کی نسبت اولاالعزم پیغمبر کی طرف ہے پہلی خلافت کے معنی دوسرں کی جگہ زمین میں آباد ہونے والے ہیں۔اور دوسری خلافت کے معنی اولوالعزم پیغمبر کی نیابت میں اسکے جانشین کی حیثیت سے اس کے فرائض اور ذمہ داریاں انجام دینا ہے۔ اور اسی کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت ہے اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور یہی توحید دراطاعت ہے۔اور توحید دراطاعت ہی دراصل توحید درحکومت ہے توحید درحکومت کے بارے میں اتنا لکھنا ہی کافی ہے اب ہم توحید درتقنین وتشریع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

توحید درتقنین وتشریع

آیت اللہ استاد جعفر سبحانی اپنی تفسیر موضوعی میں توحید درتقنین وتشریع کے سلسلہ میں آیت قرآنی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''وہ آیات جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کرتی ہیں۔کہ انہوں نے اپنے علماء،راہبوں اور تارکین دنیا کو اپنا ''رب'' بنالیا تھا۔اور مختار قرار دے لیا تھا۔مثلاً

'' اتخذو ا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم''

انہوں نے اپنے علماء اور رہبانوں اور مسیح کو ''رب'' مختار اور مدیر بنالیا تھا''

(ترجمہ تفسیر موضوعی جلد 2 ص 327)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہود ونصاریٰ نے علماء اور راہبوں کو خدا کیسے بنایا تھا۔کیا وہ انہیں عالم آفرینش کا خالق سمجھتے تھے۔؟ مسلمہ طور پر ایسا نہیں ہے۔جبکہ شئون الٰہی اور خدا کے کاموں میں سے ایک کام جو وہی قانون گذاری ہے ان کے سپرد کر دیا تھا۔اور

اگر وہ کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام کر دیتے تھے تو وہ اسے قبول کر لیتے تھے۔

مرحوم کلینی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت صادق سے دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے ہم ایک کے مضمون کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

"خدا کی قسم نہ تو وہ ان کے لئے روزہ رکھتے تھے اور نہ ہی نماز پڑھتے تھے۔ لیکن وہ ان کے لئے حرام کو حلال قرار دیتے تھے۔ اور حلال کو حرام، اور وہ بھی اسے بے چون وچرا قبول کر لیتے تھے۔ اور اس پر عمل کرتے تھے۔

(تفسیر موضوعی جلد 2 ص 327)

(بحوالہ کافی جلد 2 ص 52)

اس کے بعد اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

"ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دن عدی بن حاتم مسیحی تازہ مسلمان مسجد نبوی میں داخل ہوا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے عدی جو پہلے عیسائی تھا۔ اور ابھی اسلام لایا تھا۔ پیغمبر سے کہنے لگا کہ ہم انکی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے فرمایا کیا وہ حلال خدا کو حرام نہیں کر دیا کرتے تھے۔ اور تم اسے حرام ہی شمار کرتے تھے اس نے کہ کیوں نہیں؟ ایسا تو تھا فرمایا یہی تو انکی عبادت تھی

(تفسیر موضوعی جلد 2 ص 327)

(بحوالہ کافی جلد 2 ص 52)

اس کے بعد ایک اور روایت اس طرح نقل کرتے ہیں "ربیع کہتا ہے۔ میں نے ابولعاتیہ سے کہا انکی خدائی اور معبودیت کیا تھی۔ تو اس نے کہا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی مطلب کو کتاب خدا میں دیکھتے تھے جو احبار و رہبانوں کے قول کے برخلاف ہوتا تھا۔ تو وہ ان کے قول کو قبول کر لیتے تھے۔ اور جو کچھ کتاب خدا میں ہوتا تھا وہ اس قبول نہ کرتے تھے۔

(تفسیر موضوعی جلد 2 ص 327)

(بحوالہ کافی جلد 2 ص 52)

اس کے بعد اس سے اگلے صفحہ پر شرک در تشریع کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اب جبکہ تشریع میں توحید کی حقیقت واضح ہوگئی تو اس سے شرک در تشریع کا معنی اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔" ہم بارہویں حصہ میں یہ ثابت کرینگے کہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص ذات خدا کو متعدد سمجھے یا کسی مخلوق کو خدائی کاموں کا مبدء سمجھے۔

شرک کی پہچان کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ ہم خدائی کاموں کو انسانی کاموں سے جدا کر کے اچھی طرح سے پہچانیں اور یہ ہی لفظ ایک عظیم لغزش کا مقام ہے ان لوگوں کے لئے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ توحید کو شرک سے الگ کریں۔ خدائی کام یہ ہے کی فاعل اپنے کام میں ہر لحاظ سے مستقل ہو اور کسی فرد اور مقام سے اس کی انجام دہی میں مدد نہ لے۔ جیسا کی خدا خلق و آفرینش، مارنے اور اگانے کے ہر کام کے انجام دینے میں اپنی ذات کے علاوہ کسی پر تکیہ نہیں کرتا۔ اور اگر اس راستے میں کچھ اسباب کو ابھارتا ہے تو وہ سب کے سب اس کے ارادہ و مشیت اور حکم و فرمان سے مشغول کار ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہیں۔

تقنین و تشریع اللہ کے کاموں میں سے ایک کام ہے اور وہی مستقل طور پر تشریع کے کام انجام دیتا ہے اگر کوئی شخص کسی فرد یا مقام کو خدا کے سوا اس قسم، کے کام کا مختار سمجھے اور یہ کہے کہ جیسے یہود یا راہب مسیحی اپنی طرف سے یہ حق رکھتے ہیں کہ لوگوں کے لئے ان کی ذمہ داریوں کا تعین کریں۔ اور کچھ چیزوں کو حرام و حلال قرار دیں تو اس صورت میں اس نے انہیں اپنا رب اور اختیار دار قرار دے لیا ہے۔ اور خدا کے فعل کی اس کے غیر کی طرف نسبت دی ہے اور توحید در فعل کی سرحد کو توڑ دیا ہے۔ لہذا اس نظر سے وہ مشرک ہے۔

اور اگر اس اعتقاد کے ساتھ اس کے سامنے خشوع و خضوع کرے اور جھکے تو ان

کے لئے یہ خضوع وخشوع انکی عبادت اور پرستش ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ کوئی فرد یا مقام بطور اصالت واستقلال حق تشریع تقنین رکھتا ہے تو خود یہ اعتقاد شرک در فعل ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کا فرد یا مقام اس اعتقاد کی وجہ سے "رب" اور اختیار دار سمجھا جایگا۔ اور اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ اس کے سامنے خشوع وخضوع کرے تو اس کا خضوع "شرک در عبادت" کا رنگ اختیار کرے گا۔ اس بنا پر قرآن کہتا ہے۔ "یہود ونصاریٰ نے اپنے احبار اور راہبوں کو اپنے رب قرار دے لیا تھا۔ اس موقع پر "رب" کے معنی وہی حلال وحرام قرار دینے کی اختیار داری ہے جبکہ خدا نے اس قسم کا اختیار نہیں دیا تھا۔

(تفسیر موضوعی جلد 2 ص 329-330)

آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنے اس بیان کے آخری حصہ میں جو کچھ لکھا ہے فی الحقیقت صحیح بات یہی ہے۔ ہم اسے پھر دہراتے ہیں۔

"یہود ونصاریٰ نے اپنے احبار اور راہبوں کو اپنے رب قرار دے لیا تھا۔ اور اس موقع پر رب کے معنی وہی حلال وحرام قرار دینے کی اختیار داری ہے جب کہ خدا نے اس قسم کا اختیار انہیں نہیں دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اصل شرک مستقل ماننے اور غیر مستقل ماننے میں نہیں ہے بلکہ اس بات میں ہے کہ خدا نے اس قسم کا اختیار انہیں نہیں دیا ہے۔

اور جب شریعت کا بنانا خدا کا کام ہے اور پیغمبر کا کام صرف شریعت کا پہنچانا ہے اور جب پیغمبر کا کام بھی شریعت کا بنانا نہیں ہے تو پھر عالم خواہ کسی بھی مذہب کا ہو یہودی احبار ہوں یا عیسائی راہب ہوں یا مسلمان علماء ہو۔ جو بھی کوئی خدا کی نازل کردہ شریعت کے خلاف شریعت سازی کریگا وہ بلا کسی اختیار کے کریگا۔ اور جو کوئی انکی بات کو مانے گا وہ ایسا ہوگا

جیسا کہ اس نے ان علماء کو اپنا رب مان لیا ہے۔
یہاں پر شرک کی دو صورتیں بن گئیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ خدا نے کسی کو ایسے کام کا اختیار نہ دیا ہو جو صرف اسی کے کرنے کا ہو۔ لیکن وہ پھر بھی بغیر کسی اختیار کے وہ کام کرے۔ جیسا کہ شریعت کا بنانا صرف خدا کا کام ہے مگر پھر بھی کوئی شریعت سازی کرے اور کسی شریعت کے کام میں اضافہ یا کمی کرے تو چاہے یہودی ہو یا عیسائی راہب ہو یا مسلمان عالم ہو تو وہ مشرک ہے۔ اور جو کوئی اسکی بات کو مانے گا تو وہ ایسا ہو گا جیسا کہ اس نے اسے رب مان لیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسے کام کرتا ہی نہ ہو اور نہ ہی انہوں نے ایسا کام کیا ہو۔ نہ انکا اس قسم کا دعویٰ ہو بلکہ کوئی خود ہی اپنی طرف سے کسی کے بارے میں یہ عقیدہ اپنائے کہ وہ یہ خدائی کام کرتے ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنا حتما شرک ہے۔ اور مستقل اور غیر مستقل کی اصطلاح ان لوگوں کی گھڑی ہوی ہے جو مفوضہ کے بعد اس شرک میں گرفتار اور مبتلا ہو گیے ہیں۔ اور صرف مفوضہ سے تفریق پیدا کرنے کے لئے مستقل اور غیر مستقل کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ مفوضہ بھی انکو مستقل حیثیت سے خالق اور رازق نہیں مانتے تھے۔ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں۔ کہ مفوضہ بھی انکو خدا کے اذن سے ایسا کرنے کے قائل تھے۔ اور علماء شیعہ کے درمیان اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ مفوضہ مشرک ہیں۔ اور انکا شرک اس بات میں تھا کہ خدا نے جن کاموں کے کرنے کا اختیار آئمہ اطہار کو نہیں دیا تھا اور نہ ہی انہوں نے ان کاموں کو انجام دیا تھا اور نہ دیتے تھے۔ نہ دیتے ہیں۔ وہ ان کیلیے ان کامون یعنی خلق و رزق وغیرہ کے کرنے کے قائل ہو گئے تھے۔ اور کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان کیلیے مستقل طور پر ایسا کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ تو ان کے معجزات کو دیکھ کر ایسا سمجھتے تھے جیسا کہ خدا نے انکو اپنے کاموں کے

کرنے کی قدرت واختیار دیدیا ہے۔ جب کہ یاسر خادم کی روایت یہ کہتی ہے کہ امام علیہ السلام نے واضح الفاظ میں یہ فرمایا کہ خدانے ان کاموں کو ہمارے سپرد نہیں کیا ہے۔

اسی طرح مشرکین عرب کا شرک درافعال بھی اس بات میں نہیں تھا کہ وہ اپنے بتوں کو شفاعت کرنے میں مستقل مانتے تھے بلکہ فی الحقیقت انکا شرک بھی اس بات میں تھا کہ انکے بتوں کو نہ حق شفاعت حاصل تھا نہ وہ کرتے تھے، دراصل وہ خدائی کام جو کوئی کرتا ہی نہ ہو وہ کسی میں مانا جائے اور عقیدہ کے طور پر اپنایا جائے وہ شرک درافعال ہے اور کسی کو وہ خدائی کام کرنے والا مان کر اس کے لئے اس سے التماس کرنا اور دعائیں کرنا یہ شرک در عبادت ہے۔

اور مستقل اور غیر مستقل کی بحث کے عنوان کے تحت ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ کہ مذہب شیخیہ احقاقیہ چونکہ صریحاوعلی الاعلان تفویض کے قائل ہیں اور شیخ احمد احسائی کے جدید فلسفہ کے مطابق اپنی تفویض کو جائز قرار دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ مفوضہ کو تو مشرک اس لئے کہا گیا تھا کہ وہ آئمہ علیہم السلام کو بالاستقلال ان کاموں کا فاعل مانتے تھے اور ہم ان کاموں کے لئے ان کو غیر مستقل فاعل مانتے ہیں۔ یہ قطعی ایک بہانہ ہے ایسا ہی بہانہ جیسا کہ مشرکین عرب کرتے تھے یعنی اپنی تفویض کو جس کے بارے مذہب شیخیہ والے منکر نہیں ہیں مشرکین عرب کی طرح بہانہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ مفوضہ تو اس لئے مشرک تھے کہ وہ ان افعال کو آئمہ اطہار میں مستقل مانتے تھے اور ہم مستقل نہیں مانتے۔

اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مفوضہ بھی ہر گز ہر گز آئمہ اطہار علیہم السلام میں ان افعال کو مستقل حیثیت سے نہیں مانتے تھے۔ بلکہ وہ بھی ان کاموں کے لئے انکو خدا کا محتاج و نیاز مند مانتے تھے۔ انکا شرک اس بات میں نہیں تھا کہ وہ انہیں مستقل فاعل مانتے تھے بلکہ انکا شرک اس بات میں تھا کہ جو خدائی کام آئمہ کرتے ہی نہیں تھے وہ ان کے لئے ان

کے کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے البتہ انسان کے وہ عادی کام جو وہ خدا کی دی ہوئی قدرت سے انجام دیتا ہے اگر وہ خود ان کاموں کے کرنے میں مستقل سمجھے تو یہ شرک خفی کے ذیل میں پڑیگا۔ کیونکہ کرتا تو وہ وہی ہے لیکن اس نے غلطی سے ان کاموں میں خود کو مستقل سمجھ لیا ہے جبکہ وہ خدا کی دی ہوئی قدرت سے انجام دیتا ہے۔

اور چونکہ مذہب شیخیہ اور اسکے سارے مبلغین اور پیروان مذہب شیخیہ اور ان کے بہکائے میں آئے ہوئے بہت سے شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آئمہ ہی خلق و رزق اور حیات وموت اور نظام کائنات چلاتے ہیں۔ اور ان کاموں کے کرنے کا عقیدہ اپنانے کی وجہ سے مفوضہ کو آئمہ علیہم السلام نے مشرک قرار دیا تھا۔ لہذا وہ مشرکین عرب کی طرح بہانے بناتے ہیں۔ کہ مفوضہ تو ان کاموں کے لیے ان کو مستقل مانتے تھے۔ اور ہم مستقل نہیں بلکہ غیر مستقل کی حیثیت سے مانتے ہیں۔

پس مفوضہ کا شرک نہ تو اس وجہ سے تھا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو خدا مانتے تھے اور نہ ہی اس وجہ سے تھا کہ وہ خدائی کاموں کو ان ذوات مقدسہ میں مستقل مانتے تھے۔ یعنی خدا سے بالکل ہی بے نیاز ہو کر خدائی کاموں کے کرنے والا بلکہ انکا شرک صرف اس وجہ سے تھا کہ محمد وآل محمد علیہم السلام نے نہ تو آسمان کو خلق کیا تھا۔ نہ زمین کو خلق کیا تھا، نہ ان دونوں کے درمیان جتنی چیزیں ہیں انکو خلق کیا تھا۔ اور نہ ہی فرشتوں کو خلق کیا تھا۔ اور نہ ہی فرشتوں نے ان کے حکم سے کسی چیز کو خلق کیا تھا۔ کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کے پہلے خطبہ اور نواسی ویں 89 خطبے کے مطابق فرشتے تو پیدا ہی آسمانوں کی خلقت کے بعد ہوئے ہیں۔ جب خدا نے آسمانوں کو خلق کر لیا۔ تب فرشتوں کو خلق کر کے ان کے درمیان بسایا۔

پس روسائے مذہب شیخیہ ہوں، یا مبلغین مذہب شیخیہ ہوں یا پیروان مذہب شیخیہ ہوں یا شیخی مبلغین سے گمراہ ہو کر ایسا عقیدہ اپنانے والے شیعہ ہوں۔ عام شیعہ ہوں یا

خاص شیعہ ہوں، شیعہ علماء ہوں یا بہت ہی بڑے شیعہ علماء ہو۔ چونکہ وہ ان کاموں کے لئے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے قائل ہو گئے ہیں لہذا مشرکین عرب کی طرح استقلال اور غیر استقلال کا بہانہ کرتے ہیں۔

اور یہی حال توحید در تقنین وتشریع کا ہے کہ وہ عمل اور وہ فعل جسے بارہویں صدی ہجری سے پہلے علماء، محدثین وفقہائے شیعہ وحی الہی کے برخلاف ہونے کی بناپر بدعت کہتے تھے۔ اور خود اپنی طرف سے شریعت سازی کہتے تھے۔ اسے چودہویں صدی ہجری میں شعار شیعہ اور رمز تشیع قرار دیدیا گیا۔ اور یہ بات چیلنج کے طور پر کہی جارہی ہے کہ چودہویں صدی ہجری سے پہلے اسے شعار شیعہ اور رمز تشیع کسی نے نہ کہا تھا۔

اب ہم پانچویں باب کے جملہ ''الا لہ الخلق والامر'' کے بعد کے آخری حصہ تبارک اللہ رب العالمین'' کی طرف آتے ہیں۔

باب ششم

''تبارک اللہ رب العالمین''

بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا'' تبارک'' لغت میں'' البرکۃ'' سے ہے جس کے معنی کسی شے میں خیر الہی کے ثابت ہونے کے ہیں قرآن میں ہے

''لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض (7-96) تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔

یہاں برکات سے مراد بارش کا پانی ہے اور چونکہ بارش کے پانی میں اس طرح خیر ثابت ہوتی ہے جس طرح کہ حوض میں پانی ٹھہر جاتا ہے اس لئے بارش کو برکات سے تعبیر کیا ہے۔ '' وانزلنا من السماء ماءً مبارکاً '(50-9) آسمان سے برکت والا پانی

اتارا میں بارش کے پانی کو برکت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسکی برکت کو دوسرے مقام پر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"الم تران اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینابیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ" (21-39)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا ہے پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ "فتبارک اللہ رب العالمین (64-40) پس خدا پروردگار عالم بہت ہی بابرکت ہے "تبارک الذی بیدہ الملک" (1-67) وہ خدا جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے" میں تنبیہ کی ہے وہ تمام کام خیرات جن کو لفظ تبارک کے تحت ذکر کیا ہے ذات باری تعالی کے ساتھ مختص ہے۔

(مفردات القران راغب اصفہانی ص 83 تا 86)

پس "الا لہ خلق و الامر" کے بعد جو "تبارک اللہ رب اللعالمین" آیا ہے۔ اسکا ملطب یہ ہے کہ تمام فیوض و برکات و خیرات ذات باری تعالی کے ساتھ مخصوص اور مختص ہیں۔ اور ان تمام امور میں جن کا ذکر تبارک اللہ رب العالمین سے پہلے کیا گیا ہے ان امور کی کسی کی طرف نسبت دینا غلط اور ناجائز ہے۔

باب ہفتم

"ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ"

اے لوگوں تم اپنے پروردگار سے گڑ گڑا گڑ گڑا کر گریہ وزاری کیساتھ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور پر دعائیں مانگو۔ التجائیں کرو اور اپنی حاجتیں اس سے طلب کرو۔

اس آیت میں "ادعـوا" فعل امر ہے (دع و) کے مادہ سے صیغہ جمع مخاطب میں۔ اور اس سے فعل نہی صیغہ جمع مخاطب میں "لا تـدعوا " بنتا ہے اور اکثر مترجمین نے جہاں بھی اس مادہ کے مشتقات آئے ہیں کے معنی پکارنا کئے ہیں۔

پکارنے کا لفظ اردو میں کسی کو بلند آواز کے ساتھ بلانے کے ہوتے ہیں۔ لہذا فی الحقیقت یہ ترجمہ سیاق وسباق کلام کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً خدا اس آیت میں کہہ رہا ہے۔" ادعوا ربکم تضرعا وخفیة" اب اگر ادعوا کا ترجمہ اردو میں پکارنا ہی کیا جائے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ تم اپنے رب کو بلند آواز کے ساتھ گڑ گڑا گڑ گڑا کر چپکے چپکے پکارو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں کہاں بلند آواز کے ساتھ بلانا۔ اور کہاں گڑ گڑا گڑ گڑا کر چپکے چپکے دعائیں مانگنا بہر حال اس مادہ کے مشتقات اپنے سیاق وسباق کے مطابق معنی دیتے ہیں کہیں دعوت دینے کے معنی میں ہے کہیں اپنی حاجتیں طلب کرنے اور دعائیں مانگنے کے معنی میں ہے۔ اور کہیں بلند آواز کے ساتھ بلانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً راغب اصفہانی مفردات القران میں لکھتے ہیں۔

"لا تجعلو دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا (24-63)

مومنو پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

کیونکہ بعض لوگ آنحضرت سے مخاطبت کے وقت آپ کو یا محمد کہہ کر پکارتے تھے

(مفردات القران راغب اصفہانی ص 343)

یہاں پر دعا الرسول کا معنی بلانا یا بلند آواز سے پکارنا ہی ہے۔ یہاں اس دعا کا معنی التجا کرنا یا اپنی حاجتیں پیش کرنا یا دعا مانگنا نہیں ہے۔

اس کے بعد راغب اصفہانی مفردات القران میں لکھتے ہیں کہ: اور دعوة کے معنی سوال یا مدد طلب کرنا بھی آئے ہیں قران میں ہے

"قالوا ادع لنا ربک" انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے درخواست کیجئے۔

اور آیت کریمہ " قل اریتم ان اتاکم عذاب الله او آتتکم الساعة اغیر الله تدعون ان کنتم صادقین بل ایاہ تدعون" (6-40-41)

کہو (کافرو) بھلا دیکھو تو اگر تم پر خدا کا عذاب آ جائے یا قیامت آ موجود ہو تو کیا تم ایسی حالت میں خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو (تو بتاؤ) بلکہ (مصیبت کے وقت تم) اسکو پکارتے ہو۔ میں تنبیہ ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا اور عاجزی کرتے ہو۔ اس سے آگے لکھتے ہیں۔" ادعوا ربکم خوفاً و طمعاً (7-56) اور خدا سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔

اس سے آگے لکھتے ہیں۔

"فادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صادقین (4-23)

اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

" ولا تدعوا من دون الله ما لا ینفعک ولا یضرک "(100-106)

اور خدا کے سوا ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے۔

(مفردات القران راغب اصفہانی ص 342-343)

پس اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس مادہ کے مشتقات ہر جگہ پکارنے کے معنی نہیں دیتے بلکہ سیاق وسباق کے مطابق معنی دیتے ہیں پس خدا کے لئے صیغہ امر میں ادعوا آئے تو اس کے معنی دعائیں مانگنا التجائیں کرنا اپنی حاجات بارگاہ خداوندی میں پیش کرنا ہوتے ہیں اور جب صیغہ نہی میں دوسروں کے لئے آئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تم رب العزت کے سوا اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرو۔ اور خدا کے سوا کسی سے بھی اپنی حاجت روائی کے لئے دعائیں نہ مانگو۔

پس خداوند تعالیٰ ''ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ'' کہہ کر اپنے بندوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم اپنے رب سے گڑ گڑا گڑ گڑا کر چپکے چپکے اور پوشیدہ طور سے دعائیں مانگا کرو۔ اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لئے اسی سے التجائیں اور درخواستیں کیا کرو۔ مصیبتوں کے ٹالنے اور مشکلات کے حل کرنے کے لئے اسی سے مدد مانگا کرو کیونکہ مصیبتوں کا ٹالنے والا اور مشکلات کا حل کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔

" ان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یردک بخیر فلا راد لفضله یصیب به من یشاء من عباده وهو الغفور الرحیم

(یونس-107)

اور اگر خدا کیطرف سے کوئی برائی تمہیں چھو بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اسکا رفع کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل و کرم کا پلٹنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فائدہ پہنچائے اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

خدا نے دعا کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

آیت مذکورہ میں خداوند تعالیٰ نے دعا کا حکم دینے کے ساتھ دعا کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے اور سورۃ بقرہ میں اپنے بندوں سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ میرے بندے جب بھی مجھ سے دعا کرتے ہیں۔ تو میں انکی دعا کو قبول کرتا ہوں جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

" واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلهم یرشدون" (البقرۃ-186)

اے رسول جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو تم ان سے کہدو کہ

میں ان کے پاس ہی ہوتا ہوں اور جب بھی کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں۔ اور اگر مناسب ہو تو میں قبول کرتا ہوں۔ پس انہیں چاہیے کہ میرا ہی کہنا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ سیدھی راہ پر آ جائیں

دعا کا مفہوم

سرکار علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ صحیفہ کاملہ کے مقدمہ میں مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

دعا کے لغوی معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں۔ اور عرف میں اللہ تعالی سے راز و نیاز اور بارگاہ الوہیت میں مقصد و حاجت کو پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ اور کبھی ان کلمات پر بھی دعا کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو صرف حمد و ثنائے الہی پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں طلب وہ سوال اور عرض حال کیصورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

"خیر الدعاء دعائی و دعاء الانبیاء من قبلی وھو : لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شی ء قدیر"

بہترین دعا میرے اور مجھ سے پہلے نبیوں کی دعا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو یکتا و لاشریک ہے اس کی ہی شاہی اور جہانداری ہے۔ اور اسی کے لئے حمد و ستائش ہے جس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔

ان کلمات کو دعا سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ تعریف و ستائش کے اندر طلب وسوال کا پہلو بھی پنہاں ہوتا ہے اگرچہ اس کی نوعیت سوال کی نہیں ہوتی۔ مگر

طلب وسوال سے خالی بھی نہیں ہوتی۔ اور یہ مطلب وعرض حاجت کا ایک لطیف انداز ہوتا ہے جس کے بعد کھلے الفاظ میں عرض وسوال کی احتیاج نہیں رہتی۔ اور سننے والا مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دولت مند شخص کے جود وسخا کی تعریف کرتے ہوئے اپنی محتاجی وبے مائیگی کا ذکر کرے تو اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کی لب تشنگی اس کے سرچشمہ جود وسخا سے سیرابی کی طلبگار ہے۔ جبکہ اس مدح وتوصیف اور اپنی بے نوائی کے ذکر کے بعد سوال مخفی نہ رہا۔ اس مطلب کی طرف امیہ بن ابی الصلت نے اپنے اس شعر میں جو ابن جزعان کی مدح میں کہا اشارہ کیا۔

" اذا اثنا علیک المرء یوماً

کفاہ من تعرضہ الثناء"

جب کوئی شخص تمہاری مدح وثنا کرتا ہے تو یہ مدح وثنا اسے دست طلب بڑھانے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں اپنی احتیاج وبے نوائی اور اس کے فیضان کرم اور شان استغناء وبے نیازی کا تذکرہ کرے تو اس کے بعد کون سی بات رہ جاتی ہے جو طلب کے بلسلہ میں نہ کہی گئی ہو کہ اب کہنے کی ضرورت محسوس ہو بلکہ یہی مدح و توصیف عین طلب وسوال ہے

دعا کا حکم

سرکار علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ اپنے مذکورہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے" دعا کا حکم" کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اپنی بہت سے بخششوں اور نعمتوں کو دعا سے وابستہ کیا ہے۔ اور یہ اسکا لطف واحسان ہے کہ اس نے نہ صرف دعا کی طرف رہنمائی کی۔ بلکہ حکماً دعا کا فریضہ عائد کر دیا۔ تا کہ اس کے بندے اس کے فیضان

کرم سے بہرہ مند اور اس کے انعام و بخشش سے دامن مراد کو بھرتے رہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث و آثار آئمہ طاہرین علیہم السلام میں دعا کے متعلق بڑی تاکید وارد ہوئی ہے اور ہر طرح سے اس پر ترغیب وتحریض دلائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

نمبر 1: واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبو الی"

ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں ان کے پاس ہی تو ہوں اور جب کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں اور مناسب ہوتا ہے تو قبول کرتا ہوں

نمبر 2: "وقال ربکم ادعونی استجب لکم"

ترجمہ: تمہارا پروردگار فرماتا ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کرونگا۔

نمبر 3: "ھو الحی لا الہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین"

ترجمہ: وہی تو ہمیشہ رہنے والا ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ لہذا تم صدق نیت سے عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔

(صحیفہ کاملہ مترجم مفتی جعفر حسین صاحب ص 32-33)

اس کے بعد سرکار علامہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ امیر المومنین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی دعا کے بارے میں احادیث کو بیان کیا ہے اور اس سے اگلے صفحہ پر دعا کی اہمیت کے عنوان کے تحت اسطرح لکھتے ہیں۔

دعا کی ہمہ گیری و فطری اہمیت

علامہ موصوف دیگر ادیان میں دعاؤں کی اہمیت کا بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"اور اسلام میں تو فریضہ دعا کی اتنی اہمیت ہے کہ اسکے ترک پر جہنم کی وعید تک وارد ہوئی ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

"ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین"

ترجمہ: مجھ سے دعا مانگو میں قبول کرونگا۔ وہ لوگ جو غرور و تکبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے:

مفسیرین نے اس آیت میں عبادت سے دعا کو مراد لیا ہے۔ کیونکہ دعا عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام بھی اس کی تاکید فرماتے ہیں۔

"فسمیت دعائک عبادۃ وترکہ استکبار و توعدت علیٰ ترکہ دخول جہنم داخرین"۔

ترجمہ: تو نے دعا کا نام عبادت رکھا ہے اور اس کے ترک کو غرور سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کے ترک پر جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونے سے ڈرایا ہے۔

(صحیفہ کاملہ مترجمہ مفتی جعفر حسین ص 34-35)

دعا عبادت ہے

جیسا کہ سابقہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ خدا نے دعا کے لیے بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔ اور خدا کے ہر حکم کی تعمیل عبادت ہوتا ہے۔ پھر خدا جس چیز کے ترک پر جہنم کی وعید سنائے اس کا کرنا واجب اور فرض ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ سابقہ عنوان کے تحت صحیفہ کاملہ سے دعا کی اہمیت کے عنوان میں لکھا گیا ہے۔ خدا نے بالفاظ واضح بھی دعا

کو عبادت کہا ہے

جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

''ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین (مومن-60)

ترجمہ: اے میرے بندوں مجھ سے دعا مانگو میں قبول کرونگا بیشک جو لوگ غرور اور تکبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہونگے،

اس آیت میں خداوند تعالی نے اسی سے دعا کرنے اسی سے سوال کرنے اور اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کو عبادت قرار دیا ہے اور اس سے دعا نہ مانگنے والوں کو اس نے تکبر کرنے والے قرار دیا ہے۔ اور انہیں جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی کہ: ''فسمیت دعاک عبادۃ و ترکہ استکبار و تو عدت علی ترکہ جھنم داخرین (صحیفہ کاملہ مترجم مفتی جعفر حسین ص 34-35)

یعنی بارالہا تو نے خود سے دعا کرنے کا نام عبادت رکھا ہے اور اس کے ترک کرنے کو غرور سے تعبیر کیا ہے اور اس کے ترک پر جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونے سے ڈرایا ہے''

مذکورہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔

اور احادیث میں بھی دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا۔

جیسا کہ ارشاد ہوا '' الدعاء مخ العبادۃ'' دعا عبادت کا مغز ہے۔

اور امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ'' افضل العبادۃ الدعاء

(صحیفہ کاملہ مترجم مفتی جعفر حسین صاحب ص 23)

نماز کو دین کا ستون اور خیر العمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن نماز اردو کا لفظ ہے۔ اور فارسی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں جس لفظ کا یہ متبادل ہے وہ صلواۃ ہے۔''

واقیموا الصلواۃ "اور نماز قائم کرو اور قرآن میں یہ لفظ صلواۃ دعا کے معنی میں بھی آیا ہے۔
جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

"وصل علیھم ان صلواتک سکن لھم" (9-30)

اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے۔
اور راغب اصفہانی اپنی لغت کی مشہور کتاب مفردات القران میں لکھتے ہیں۔

الصلواۃ۔ جو کہ ایک عبادت مخصوصہ کا نام ہے اس کی اصل بھی دعا ہی ہے۔ اور نماز چونکہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے صلواۃ کہا جاتا ہے اور یہ "تسمیۃ الشیء باسم الجزء" کے قبیل سے ہے یعنی کسی چیز کو اس کے قسمتی مفہوم کے نام سے موسوم کرنا۔

(مفردات القران ص 591)

پس نماز کو صلواۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ ان سے بارش برسانے کے لئے التجائیں کرتے تھے۔ ان سے اولاد کے لئے درخواست کرتے تھے۔ ان سے مشکلات کے حل کرنے اور مصائب کے ٹالنے کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ قرآن کریم میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے دعائیں کرتے تھے مثال اور نمونہ کے طور پر چند آیات کا بیان ذیل میں کیا جاتا ہے۔

نمبر 1: خداوند تعالیٰ سورۃ رعد میں ارشاد فرماتا ہے۔

"لہ دعوت الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیء الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال" (الرعد-14)

ترجمہ: (اپنی حاجات کیلئے) اسی سے دعا کرنا ٹھیک ہے اور جو لوگ خدا کے سوا دوسروں سے

دعائیں مانگتے ہیں وہ تو انکی کسی بھی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

ان سے دعائیں مانگنا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف اس لئے پھیلائے تا کہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ حالانکہ وہ پانی کسی طرح بھی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کا ان سے دعائیں مانگنا گمراہی میں بھٹکنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس آیت میں "یدعون" کے معنی دعا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں اور اس سے جس نے بھی عبادت مراد لی ہے وہ اس لئے ہے کیونکہ دعا عبادت ہے۔

نمبر 2: اور سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوا ہے۔

"والذین تدعون من دونہ لا یستطیعون نصر کم ولا انفسکم ینصرون

(الاعراف-197)

اور جن سے تم خدا کے سوا دعائیں مانگتے ہو وہ تو نہ تمہاری ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی

نمبر 3: اور سوۃ فاطر میں ارشاد ہوا کہ:

"والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر (الفاطر-13)

خدا کے سوا جن سے بھی تم دعائیں کرتے ہو وہ خرے کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

نمبر 4: اور سورۃ یونس میں ارشاد ہوا

"ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک"

ترجمہ: تم خدا کے سوا کسی ایسے سے دعائیں نہ مانگا کرو جو نہ تو تمہیں کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس آیت میں پیغمبر کو اور اہل ایمان کو حکم ہے کہ تم خدا کے سوا کسی اور سے دعائیں نہ مانگنا۔

نمبر 5: اور سورہ فاطر ہی کی ایک اور آیت میں اسطرح ارشاد ہوا ہے۔

"ان تدعوهم لا یسمعوا دعاکم (فاطر-14)

اگر تم ان سے دعائیں کرو گے تو وہ تمہاری دعاؤں کو سنیں گے ہی نہیں۔

یہ تمام آیات واضح طور پر اللہ کے سوا کسی سے بھی دعا مانگنے کو منع کر رہی ہیں۔ اگرچہ یہ تمام آیات بت پرستوں کے بارے میں آئی ہیں۔ سوائے سورۃ یونس کی آیت نمبر 106 کے جو پیغمبر کو اور اہل ایمان کو خدا کے سوا کسی سے بھی دعا کرنے کو روک رہی ہے

بہرحال قرآن نے بتوں کے علاوہ بھی ہر کسی سے دعا کرنے کو منع کیا ہے، حتی کہ ملائکہ اور انبیاء اور اولوالعزم پیغمبروں سے بھی جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے کہ:

نمبر6: قل ادعو الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم و لا تحویلا ، اولئک الذین تدعون یبتغون الیٰ ربهم الوسیلة ایهم اقرب ویرجون رحمته و یخافون عذابه ان عذاب ربک کان محذورا

(الاسراء 56-57)

ترجمہ: اے رسول ان سے کہدو کہ تم جن لوگوں کو معبود سمجھتے ہو۔ ان کو وقت پڑے پکار تو دیکھو کہ وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دفع کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس کو بدل سکتے ہیں۔ یہ لوگ جن کی مشرکین خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ وہ خود اپنے پروردگار کی قربت کے ذریعہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کہ دیکھیں ان میں سے کون زیادہ قربت رکھتا ہے۔ اور اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔ (فرمان ترجمہ)

ان آیات کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ آیات بتوں کے بارے میں نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ہستاں ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتی ہیں۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے گمان میں ان کو اپنا معبود بنالیا ہے جیسا کہ آیت کے

الفاظ سے ظاہر ہے۔ ادعوا الذین زعمتم من دونہ جن کو تم نے خدا کے علاوہ گمان کر لیا ہے ان کو پکار کر دیکھو۔ وہ نہ تو تمہاری کسی مشکل کو حل کر سکتے ہیں اور نہ مصیبت کو ٹال سکتے ہیں۔ اور زیادہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ جن کو یہ پکارتے ہیں جن سے یہ فریادیں کرتے ہیں جن سے یہ دعائیں کرتے ہیں وہ خود ایسے وسیلہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جو انہیں خدا کے قریب کردے آیت کے الفاظ واضح طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے تقدس کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں نے انہیں خدا یا خدائی کام انجام دینے والا گمان کر لیا ہے اور اپنے اس گمان کی بناء پر ان سے دعائیں مانگتے ہیں اپنی مشکلوں کو حل کرنے کیلئے کی درخواستیں کرتے ہیں اپنی مصیبتوں کو ٹالنے کی التجائیں کرتے ہیں لیکن خدا کہتا ہے بیشک یہ ہستیاں مقدس ہستیاں ہیں۔ یہ ہستیاں ایسے عمل کرنے کی لگن میں رہتی ہیں کہ کون سا عمل ان کے لئے زیادہ قربت کا وسیلہ بن سکتا ہے یہ مقدس ہستیاں اس کی رحمت کی امید رکھتی ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتی رہتی ہیں۔ لیکن خدا کہتا ہے کہ تمہارا گمان غلط ہے یہ ہستیاں مقدس ضرور ہیں لیکن ان کو مشکلات کے حل کرنے اور مصیبت کا ٹالنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور مفسرین نے ان آیات کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان آیات میں جن ہستیوں کا بیان ہوا ہے اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ حضرت عزیز ہیں، حضرت عیسے ہیں اور حضرت مریم ہیں جن کو ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں نے خدا مان لیا ہے یا خدائی کام انجام دینے والا مان لیا ہے۔

چنانچہ ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر عمدۃ البیان میں اسطرح بیان ہوئی ہے۔

"کہہ تو اے محمد صلعم ان کافروں سے کہہ پکارو تم انکو کہ گمان کیا ہے تم نے جن کو کہ یہ معبود ہیں مثل ملائکہ اور عزیز اور مسیح وغیرہ کے سوائے انہیں خدا کے۔ تا کہ اس بلا کو وہ تم سے دفع کریں۔ پس نہیں مالک ہیں وہ اور نہیں قدرت رکھتے ہیں وہ دور کرنے سختی کو تم سے کہ قحط اور

فقیری کہ وہ تم سے دور کریں۔ نہ مالک ہیں وہ بدل ڈالنے اور پھیر دینے کو تم سے طرف
دوسرے گروہ کی کہ تم سے سختی دور ہو جائے اور تمہارے غیروں میں جا ٹھہرے ۔ یہ بھی ان
سے نہیں ہو سکتا یہ گروہ کہ ملائکہ وغیرھم ہیں۔ وہ لوگ ہیں کہ پکارتے ہیں جن کو کفار یہ وہ
لوگ ہیں کہ طلب کرتے ہیں وہ طرف پروردگار اپنے کے وسیلہ کو اور دستاویز کو کہ انکی
عبادت کر کے انکی رحمت سے نزدیکی حاصل کریں اور ہر ایک چاہتا ہے کہ مجھ کو زیادہ قرب
حاصل ہو اور جو کہ زیادہ قرب حاصل کرتا ہے وہ طالب وسیلہ کا ہے۔ یہ حال ان کے
معبودوں کا ہے کہ وہ سب محتاج ہیں معبود حق کے اور وہ معبود ان کے طلب کرتے ہیں۔
انکی اطاعت سے اس امر کو کہ کونسا انکا نزدیک تر اور زیادہ مقرب اس کی بارگاہ کا ہے۔ اور
امید رکھتے ہیں وہ رحمت انکی کو کہ ہم کو پہنچے اور ڈرتے ہیں وہ عذاب اس کے سے تحقیق
عذاب پروردگار تیرے کا ہے حذر کیا گیا کہ اس سے ڈرنا چاہیے یہاںتک کہ انبیاء و ملائکہ
اس سے ڈرتے ہیں پس جس وقت کہ یہ لوگ امید اور بیم میں ہیں تو انکی عبادت کرنا کیونکر
چاہیے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ مراد ان سے عیسے اور مریم و ملائکہ ہیں کہ کفار انکی
پرستش کرتے تھے۔

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 ص 248)

اور تفسیر التبیان مین ان آیات کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے۔

"ثم قال لنبیه ، قل لهم ، ادعوا الذین زعمتم من دونه یعنی الذین زعمتم
انهم ارباب والهة من دون الله ادعوهم اذا نزل بکم ضرر فانظروا هل
یقدرون علی ذالک ام لا وقال ابن عباس والحسن والذین من دونه
الملائکة والمسیح والعزیز۔ (تفسیر التبیان جلد 6 ص 490-491)

یعنی پھر خدا نے فرمایا کہ اے میرے رسول ان مشرکین سے کہ دو کہ تم ان لوگوں کو

جن کو تم نے خدا کے سوا گمان کرلیا ہے، یعنی جن کو تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ خدا کے سوا تمہارے رب اور معبود ہیں اب جب کہ تم پر سختی اور مصیبت آئی ہے تو تم ان کو پکارو۔ ان سے التجا کرو ان سے درخواست کرو ان سے دعائیں مانگو اور دیکھو کہ کیا وہ تم سے اس مصیبت کو ٹال سکتے ہیں یا نہیں۔ھل یقدرون علی رفع ذالک ام لا" اور ابن عباس نے اور حسن نے کہ کہا ہے کہ" الذین من دونہ" سے مراد ملائکہ ہیں اور حضرت عیسے مسیح ہیں اور حضرت عزیز ہیں

ثم قال : فلا یملکون ، یعنی الذین تدعون من دون اللہ کشف الضر والبلاء عنکم و لا تحویلا الی سواکم" یعنی پھر یہ فرمایا ہے۔" فلا یملکون " یعنی وہ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو اور خدا کو چھوڑ کر جن سے التجائیں درخواستیں اور دعائیں کرتے ہو چاہے وہ ملائکہ ہوں یا عیسیٰ ہوں یا وہ عزیز ہوں وہ نہ تو تمہاری مشکلات کو حل کرسکتے ہیں اور نہ ہی تمہاری مصیبتوں کو ٹال سکتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ تم سے دوسروں کی طرف تبدیل کرسکتے ہیں۔

" ثم قال " اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلہ ایھم اقرب ......الآیة

والمعنی ان ھولاء المشرکین یدعون ھؤلاء الذین اعتقدوا فیھم انھم ارباب ویبتغی المدعوون ارباباً الی ربھم القربة والزلفة لانھم اھل ایمان بہ والمشرکون باللہ یعبدونھم من دون اللہ ایھم اقرب عنداللہ بصالح اعمالہ و اجتھادہ فی عبادتہ ، فھم یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ بخلافھم ایاہ ان عذاب ربک کان محذورا "ای متقی.

(تفسیر التبیان جلد 6 ص 491)

پھر فرمایا کہ: اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلہ ایھم اقرب ۔۔تو اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین جن ہستیوں کو رب مان کران سے دعائیں کرتے ہیں وہ رب مانے جانے والی ہستیاں خود اپنے رب کی بارگاہ میں قرب کا وسیلہ تلاش کرتی ہیں کیونکہ وہ ہستیاں تو خدا پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ شریک بنانے والے اللہ کو چھوڑ کر انہی کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں مگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ عمل صالح اور خدا کی عبادت کی جدو جہد میں کونسا عمل اس کی بارگاہ میں زیادہ قریب کرنے ولا ہے۔ پس وہ اپنے اعمال وافعال کے ذریعہ خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور وہ ان کے برخلاف خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے والی بات"

اگرچہ ہماری ان دونوں معتبر بزرگ مفسرین کی تفسیروں کے مطابق جن ہستیوں کو مشرکین اس آیت کی رو سے رب مان کر دعائیں مانگتے تھے وہ ملائکہ ہیں اور عیسے مسیح ہیں۔ حضرت مریم ہیں اور حضرت عزیز پیغمبر ہیں۔ لیکن اگر ان ہستیوں کے نام یہ بزرگ ہستیاں نہ بھی لکھتے تو بھی یہ آیت بالفاظ واضح پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ آیت بتوں اور بت پرستوں کے بارے میں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ آیت ان بزرگ اور مقدس ہستیوں کے بارے میں ہیں جو خدپر ایمان رکھتی تھیں۔ اور خدا کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے اعمال وافعال کو وسیلہ بناتی تھیں۔ البتہ نزول قرآن کے وقت کچھ لوگوں نے ان مقدس ہستیوں کے بارے میں رب ہونے کا عقیدہ اپنا لیا تھا اور وہ ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ اپنی حاجات طلب کرتے تھے مشکلات کے حل کرنے اور مصائب کے ٹالنے کے لئے درخواستیں کرتے تھے ان میں کچھ مشرکین عرب ملائکہ کو رب مانتے تھے، یہودی حضرت عزیز کو رب مانتے تھے، اور عیسائی حضرت عیسے کو رب مانتے تھے۔ اور حضرت عیسے علیہ السلام کے معجزات کے علی الرغم کہ وہ کوڑھیوں کو شفا دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادرزاد

اندھوں کو دیکھنے والا بنا تے تھے اور لاعلاج مریضوں کو صحت یاب کرتے تھے۔ ان کے بارے میں خدا یہ کہہ رہا ہے کہ ان معجزات کو دیکھ کر خود اپنی طرف سے ان کے لئے بھی کوئی عقیدہ نہیں اپنا سکتے اور واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ: ''لا یملکون کشف الضر'' وہ تمہاری مشکلوں کو حل نہیں کر سکتے۔ وہ تمہاری مصیبتوں کو ٹال نہیں سکتے۔ بلکہ وہ تو اپنے افعال واعمال کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ خدا کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کے لئے کونسا عمل اور کونسی عبادت مناسب ہے۔ لہذا تم ان سے دعائیں کرتے رہو۔ فریادیں کرتے رہو۔ وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ یہ بات خود خدا کہہ رہا ہے جس نے حضرت عیسیٰ کو وہ معجزات عطا کئے تھے۔ لہذا حضرت عیسے علیہ السلام کے ان معجزات کو دلیل بنا کر یہ کہنا ہرگز درست نہں ہو سکتا کہ: ''جب ہم مدد کی درخواست کرتے ہیں تو وہ صرف ارواح انبیاء وآئمہ علیہم السلام سے اس ارادہ سے کرتے ہیں کہ ذات احدیت نے ان ہستیوں کو مشکل کشائی کی قدرت عطا فرما رکھی ہے (عقائد الابرار ترجمہ کشف الاسرار ص 50)

کیونکہ اس کی دلیل میں صرف فلاسفہ کے بقائے روح کے بارے میں اقوال اور انبیاء علیہم السلام کے معروف معجزات کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ بقائے روح سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا نے انہیں مشکل کشائی کی قدرت عطا کر دی ہے اور مذکورہ معجزات رکھنے والے کے بارے میں خود خدا یہ کہہ رہا ہے کہ'' فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا'' یعنی خود عیسیٰ مسیح کو مشکلات حل کرنے اور مصیبتوں کے ٹالنے کی کوئی قدرت یا اختیار نہیں ہے۔ ان کا ان امور کے لئے ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک فی الافعال تھا اور ان سے دعائیں مانگنا اور اپنی حاجات طلب کرنا شرک فی العبادۃ تھا۔ کیونکہ خدا نے ان سے دعائیں کرنے کو ہی انکی عبادت کرنا کہا ہے لہذا ارشاد فرماتا ہے۔

"ویعبدون من دون الله ما لا یضرھم و لا ینفعھم ویقولون ھولاء شفاء نا عندا لله قل اتنبئون الله بما لا یعلم فی السموات و الارض سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون" (یونس-18)

یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انکو نقصان ہی پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ خدا کے یہاں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہونگے۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں کہیں پاتا ہے اور نہ زمین میں یہ لوگ جس چیز کو خدا کا شریک بناتے ہیں اس کی ذات ان کے اس شرک سے صاف و پاک اور منزہ و برتر ہے۔

اب تک جتنی آیات کا بیان ہوا ہے ان میں بت پرست ہوں یا ملائکہ کو رب ماننے والے ہوں یا حضرت عزیز اور حضرت عیسےٰ کو رب مان کر التجائیں درخواستیں اور دعائیں کرنے والے ہوں ان کے لئے "یدعون و تدعون" وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں مثلاً سورۃ فاطر کی آیت جو سابق میں بیان ہو چکی ہے وہ یہ ہے "والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر" ترجمہ پیچھے ہو چکا۔ یہ آیات نہ صرف بتوں سے بلکہ مقدس ہستیوں سے بھی دعا کرنے کو منع کرتی ہیں لیکن سورۃ یونس میں اسی بات کو جسے یدعون و تدعون کہا تھا۔ "یعبدون" کہا ہے۔ ان کی عبادت جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ خدا نے ان سے دعا کرنیکو ہی عبادت کہا ہے کیونکہ انکا عقیدہ یہ تھا کہ یہ کام یہی کرتے ہیں اور خدا نے غیر اللہ سے دعا کرنے کو سبحنہ وتعالیٰ عما یشرکون کہہ کر واضح الفاظ میں قطعی طور پر شرک قرار دیا ہے اور بت پرست جو بتوں کے لئے "ھٰولاء شفاؤنا عنداللہ" کہتے تھے تو وہ ان کے اس قول سے ثابت ہے کہ وہ بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے، بلکہ خدا کے یہاں سفارش کرنے والا مانتے تھے۔ ان کا

شرک اس وجہ سے بھی نہیں تھا کہ وہ ان افعال کے کرنے میں مستقل مانتے تھے بلکہ وہ شفاعت کرنے والے تھے ہی نہیں۔ وہ شفاعت کرتے ہی نہ تھے انکو شفیع کہنا خود انکی حماقت تھی اور دوسروں کو بے وقوف بنا کر اپنے فعل کو جائز قرار دینے کی بات تھی۔ اور ایک غلط توجیہہ تھی۔

بیشک قرآن نے یہ کہا ہے کہ "من یشفع شفاعة حسنه فله نصیب منها. اور ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت میں یشفع کا مطلب کسی کے لئے دعا کرنا ہے پس اگر وہ یہ کہتے کہ اے "ہبل" تم ہمارے لئے خدا کی بارگاہ میں فلاں کام کیلئے دعا کرو تو اس میں شرک کی کوئی بات نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ انکا یہ فعل فضول ہوتا۔ اور قیامت پر وہ ایمان ہی نہ رکھتے تھے کہ اس شفاعت سے مراد قیامت کی شفاعت ہو بس اصل شرک انکا یہ تھا کہ وہ خود انہی سے دعا کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ یہ کام انجام دیتے ہیں کیونکہ خود کسی سے رزق اور اولاد کے لئے دعائیں مانگنا اور بات ہے اور کسی سے یہ کہنا کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ہمارے لئے فلاں مطلب کے لئے دعا کریں یہ اور بات ہے اور اسکی کچھ تفصیل اور وضاحت آگے چل کر آئے گی۔

خدا نے اپنے سوا کسی سے دعا کرنے کو شرک کیوں قرار دیا ہے؟

اگر کوئی شخص قران کریم کا غور کیساتھ مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ خدا نے چیلنج کے ساتھ یہ کہا ہے کہ آسمانوں کا خلق کرنے والا میں ہوں زمین کا پیدا کرنے والا میں ہوں۔ آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اسکو پیدا کرنے والا میں ہوں۔ بارش کا برسانے والا میں ہوں۔ دانے کا اگانے والا میں ہوں۔ اولاد کا عطا کرنے والا میں ہوں۔ اور ساری کائنات کا نظام چلانے والا میں ہوں۔ لہذا اس نے ہر ایک سے ایک مناسب

حال ان چیزوں کے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جن کی انہیں ضرورت ہے۔ لیکن وہ چاہتا یہ ہے کہ میں نے جس چیز کے دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو چیز میں نے اسکو حتماً دینی ہی ہے وہ اس کے لئے بھی مجھ سے سوال کرے اور گڑ گڑا کر گریہ وزاری کے ساتھ چپکے چپکے پوشیدہ طور پر مانگے۔ اور اپنی حاجات کے لئے مجھ سے دعا کرے تا کہ اس سے یہ ثابت ہو کہ وہ مجھ کو ہی ان چیزوں کا دینے والا مانتا ہے اور میرے سوا اور کسی کو ان چیزوں کا دینے والا نہیں مانتا کیونکہ کوئی چیز مانگی اسی سے جاتی ہے جو اس چیز کو دینے والا ہے۔ دینا تو میں نے ہی ہے مانگے وہ اور کسی سے، چاہے وہ مقدس ہستی ہو، عیسے ہو یا عزیز یہ بات تو غلط ہے اسکا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے میرے بجائے اسے دینے والا مان لیا ہے جس سے وہ التجا کر رہا ہے جس سے وہ دعا مانگ رہا ہے۔ ہم اس کے لئے کہ خدا نے جو چیز عطا کرنی ہے اس کے لئے بھی وہ یہ چاہتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے مانگے۔ چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو انتہائی پختہ اور یقینی ہیں۔

پہلی مثال: یہ ہے کہ خدا کا یہ پختہ ارادہ تھا کہ وہ اپنے حبیب کو اتنا علم دے گا کہ جتنا کسی کو نہیں دیا لہذا اس نے اپنے حبیب کو جتنا علم دینا تھا وہ دینا ہی تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے حبیب کو یہ حکم دے رہا ہے کہ: "قل رب زدنی علماً" اے میرے حبیب تم مجھ سے یہ دعا کیا کرو کہ اے میرے پرودگار میرے علم کو زیادہ کر دے" یہ وہی چیز ہے کہ خدا نے جو چیز دینی ہے اس کے لئے بھی وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے اس چیز کیلئے سوال کرے اس سے دعا کرے اس سے مانگے۔ کیونکہ اس سے وہ چیز مانگنے سے ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مانگنے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ اس چیز کو دینے والا وہی ہے اور کوئی نہیں ہے۔

دوسری مثال: مکہ میں رہتے ہوئے تمام مسلمان کفار قریش کے ظلم وستم کا شکار تھے اور پیغمبر

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ بھی سختیوں پر سختیاں جھیل رہے تھے۔ لیکن ہجرت مدینہ سے پہلے ہی خدا کا ارادہ یہ تھا کہ ایک دن پیغمبر کو غالب کر کے رہیگا اور انہیں تمام جزیرہ نمائے عرب پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ لیکن اس کے باوجود ہجرت مدینہ کے وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو حکم ہوتا ہے کہ

" قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا " (بنی اسرائیل-80)

اے میرے حبیب اب تم یہ دعا کرو کہ اے میرے پروردگار تو مجھے جہاں بھی لیجا رہا ہے وہاں سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور یہاں سے بھی سچائی کے ساتھ نکالنا اور اپنی طرف سے مجھے ایسا غلبہ عطا فرمانا جو تیرے دین کی نصرت کے لئے مددگار ثابت ہو۔

یہ بھی وہی چیز ہے کہ خدا نے جو چیز دینی ہے اس کے لئے بھی وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے اس چیز کے لئے سوال کرے اس سے دعا کرے اس سے مانگے اور جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے دعا کو افضل عبادت فرمایا ہے۔ کیونکہ اور کسی عبادت میں یہ تصور ہو یا نہ ہو لیکن دعا کرنے میں یہ تصور ہوتا ہے کہ میں جو چیز مانگ رہا ہوں اس کا دینے والا وہی ہے اس لئے جب اسکا بندہ کسی اور سے دعا کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا بندہ اسکو یہ چیز دینے والا سمجھتا ہے۔ اور میرے اس کام میں اسکو شریک کر رہا ہے۔

تیسری مثال: قرآن کریم کی وہ مشہور و معروف آیت جس سے ہر مسلمان واقف ہے ارشاد رب العزت ہے" ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان لانے والو تم بھی اس پر درود بھیجو اور تسلیم کرو جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔

یہ حکم بظاہر " یا ایھا الذین آمنو " کو ہے یعنی تمام اہل ایمان کو لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ

" آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ و المومنون " (البقرۃ-250)

یعنی رسول پر جو کچھ نازل ہوتا ہے اس پر سب سے پہلے رسول ایمان لاتا ہے اور پھر دوسرے ایمان لانے والے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو کچھ نازل ہوتا ہے اس کے لئے سب کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ "سمعنا و اطعنا" ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پس خدا جو بھی حکم نازل کرتا ہے اس پر سب سے پہلے پیغمبر ہی ایمان لاتے ہیں اور اس پر عمل بھی سب سے پہلے پیغمبر ہی کرتے ہیں۔ اور اسکی اطاعت بھی سب سے پہلے پیغمبر ہی کرتے ہیں۔

اب خدا کہہ رہا ہے کہ وہ اپنے حبیب پر رحمتیں نازل کر رہا ہے اور فرشتے بھی اس پر نزول رحمت کی دعائیں کر رہے ہیں۔ جب وہ پہلے ہی رحمتیں نازل کر رہا ہے تو پھر دعا کرنے کا حکم کس لئے دیا۔ کیا وہ اہل ایمان کے دعا نہ کرنے کی صورت میں اپنے حبیب پر رحمتیں نازل کرنے سے ہٹ جائیگا۔؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ خدا چاہتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے یہ سوال کرکے اس رحمت میں حصہ دار بن جائے اب آپ سوچیں گے کہ رحمت کے نزول کی دعا تو مومن پیغمبر کے لئے کریگا پھر درود بھیجنے والا بندہ اس کی رحمت میں حصہ دار کیسے بنے گا تو خداوند تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا۔

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا (النساء-86)

جو بھی کوئی کسی کیلئے اچھی سفارش کریگا تو اس میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔

اور تفسیر التبیان میں اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ:

قال ابو علی: " الشفاعۃ الحسنۃ الدعاء للمومنین یعنی ابوعلی کے قول کے مطابق مومنین کیلئے دعا کرنا ہیں۔

" وقال الحسن و مجاھد و ابن زید : الشفاعہ ھی مسالۃ الانسان

فی صاحبہ ان ینالہ خیر بمسالتہ "یعنی حسن اور مجاہد اور زید نے یہ کہا ہے کہ یہاں شفاعت سے مراد کسی انسان کا اپنے کسی ساتھی کے لئے دعا کرنا ہے سوال کرنا ہے تا کہ اسکی دعا سے اور سوال سے اس کو بھلائی نصیب ہو"

بہر حال مفسرین نے یہاں شفاعت سے مراد کسی مومن کو کسی مومن کے لئے دعا کرنا لکھا ہے۔ یعنی جو کوئی اپنے برادر مومن کے لئے اچھی دعا کریگا تو اسکا اجر وثواب اسکو بھی ملیگا اور وہ خود بھی اس دعا میں حصہ دار بن جائیگا۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی یہ معروف حدیث ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا تو خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کریگا۔ اور جو کوئی مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجے گا خدا اس پر سو مرتبہ رحمتیں نازل کریگا۔ اود جو کوئی مجھ پر سو مرتبہ دورد بھیجے گا یعنی مجھ پر نزول رحمت کی دعا کریگا تو خدا اسیر ہزار مرتبہ رحمتیں نازل کریگا۔

اور قرآن کریم پیغمبر کی اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ تصدیق کرتا ہے کہ:

"من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" (الانعام-161)

جو شخص ایک نیکی کریگا تو خدا اس کو اسکا دس گنا ثواب عطا فرمائیگا۔

دیتا بھی وہ آپ ہی ہے اور دینے کے لئے مانگنے کی ترکیبیں بھی وہ آپ ہی بتاتا ہے، اور جو چیز دینی بھی اسی نے ہے، وہ اس کے لئے یہ چاہتا ہے کہ وہ چیز جو میں نے ہی اسے دینی ہے، اس کے لئے میرا بندہ مجھ سے ہی سوال کرے۔ اس کے لیے وہ مجھ سے ہی مانگے۔ اس کے لیے وہ مجھ سے ہی دعا کرے۔ اور گڑگڑا گڑگڑا کر گریہ زاری کے ساتھ چپکے چپکے پوشیدہ طور پر میرے سامنے ہی اپنی التجائیں پیش کرے تا کہ اس میں ریاء کا بھی ذرا سا شائبہ نہ رہے۔ تا کہ وہ جان لے کہ واقعاً میرا یہ بندہ مجھ کو ہی ان چیزوں کا دینے والا سمجھتا ہے۔ لیکن یہ شخص ان چیزوں کو جو دینی ہی اس نے ہیں۔ اس کی بجائے کسی اور سے

مانگنے لگ جائے تو وہ کیا سمجھے گا۔ یقیناوہ یہی سمجھے گا کہ یہ شخص میری بجائے اس دوسرے کو ان چیزوں کو دینے والا سمجھتا ہے جس سے وہ مانگ رہا ہے۔ حاجت روائی کے لئے التجا کررہا ہے۔ اپنی مرادوں کے برآنے کے لئے دعائیں کررہا ہے کیا وہ اس بات کو گوارہ کرسکتا ہے، یہ تو اس نے اس کو میرا شریک بنادیا ہے اسی لئے وہ کہتا ہے کہ ہر گناہ بخش دونگا مگر شرک کو نہیں بخشونگا۔ کیونکہ خدا نے ہر انسان کو اپنا، اسکی ضروریات کے لئے صرف اپنا محتاج بنایا ہے اور وہ ہر شخص سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی حاجتیں اس بے نیاز سے طلب کرے جیسا کہ سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"یا ایھا الناس انتم الفقرء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید" (فاطر-15)

اے لوگو تم سب کے سب خدا کے محتاج ہو اور صرف خدا ہی سب سے بے پروا بے نیاز اور لائق حمد ہے"

اس آیت میں" واللہ ھو الغنی الحمید "میں واللہ اور الغنی کے درمیان ھو ضمیر منفصل لایا ہے۔ جو حصر پر دلالت کرتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ سوائے خدا کے سب کے سب محتاج ہیں۔ سب کے سب نیاز مند ہیں اور وہی اور صرف وہی ایک بے پروا بے نیاز اور غنی ہے۔ بناء بریں لائق حمد بھی صرف اسی کی ذات ہے اس کے علاوہ اور کوئی غنی حمید نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی بے نیاز اور ہر چیز سے بے پروا نہیں ہے۔

لیکن شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح زیارت میں یہ کہتا ہے کہ:

" واما الممکنات وکل واحد منھا لائذ بما فیہ ھو من الفقر بجناب الغنی لحمید سبحانہ و تعالی وھم جناب المنیع والشان الرفیع کما فی دعائہ الھی وقف السائلون بباک ولاذ الفقراء بجنابک و ھذا کلہ فی وجود الذی ھو ظاھر الشیء" (شرح زیارت ص 381 سطر 15-16)

اور مخلوقات میں سے ہر ایک اپنے اس فقر کی وجہ سے جو اس میں ہے جناب غنی حمید، سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہے۔ اور وہ جناب منیع وشان رفیع یعنی غنی حمید محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں، جیسا کہ انکی دعا میں مذکورہ ہوا ہے کہ:

اے خدا سائل تیرے دروازے پر کھڑے ہیں اور فقراء نے تیری جناب میں رجوع کیا ہے۔ اور یہ سب خطاب اس وجود میں ہے جو ظاہر شے ہے۔

جیسا کہ ہم سابق میں ثابت کر آئے ہیں کہ شیخ احمد احسائی کے نزدیک کوئی شے مادہ کے بغیر خلق نہیں ہو سکتی، پس محمد و آل محمد تو جس مادہ سے خلق ہوئے وہ مادہ خدا ہے "و مادتہ عین ذاتہ" اور خدا کا مادہ اسکی عین ذات ہے اور باقی ساری مخلوق محمد آل محمد و علیہم السلام کے مادہ سے بنی ہے۔

لہذا مذکورہ عبارت میں اس نے جو یہ کہا ہے کہ مخلوق میں سے ہر ایک اپنے فقر کی وجہ سے جناب غنی حمید سبحانہ وتعالیٰ کی درگاہ میں ملتجی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ محمد و آل محمد کا وہ مادہ ہی غنی حمید سبحانہ وتعالیٰ ہے جو ظاہر شے ہے اور ہر پیدا ہونے والا انہیں کا محتاج ہے۔ لہذا وہ جناب منیع وشان رفیع یعنی غنی حمید سبحانہ وتعالیٰ محمد و آل محمد علیہم السلام کی ذات گرامی ہے اور دعا کرنے والے اپنی دعاؤں میں جو یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ سائل تیرے دروازے پر کھڑے ہیں اور فقراء نے تیری طرف رجوع کیا ہے تو یہ وقوف اور یہ رجوع محمد و آل محمد علیہم السلام کی طرف کیا جاتا ہے اور اے خدا کا خطاب بھی محمد و آل محمد علیہم السلام سے ہی ہے۔ "هذا كل في وجود الذي هو ظاهر الشيء" لیکن دنیا کی یہ بزرگ ہستیاں یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام جنہیں شیخ احمد احسائی غنی حمید کے معنی بتلاتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ "وهم ذالك الجناب المنيع والشان الرفيع" یعنی وہ بے مثل اور بارفعت شان والے غنی حمید محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ ان

میں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا تو ارشاد گرامی یہ ہے کہ: الفقری فخری "یعنی فقر ہی میرے لئے باعث فخر ہے۔ اور اس فقر سے مراد بھکاری ہونا، یا گداگر و بے نوا ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے آپکی مراد صرف اور صرف خدا کے سوا کسی کا محتاج اور نیاز مند نہ ہونا ہے۔ یعنی پیغمبر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ انسان صرف اور صرف خدا کی بارگاہ کا محتاج اور نیاز مند ہے اور کسی کا نہیں۔

اور امیر المومنین نے جس بات پر اپنے فخر کا اظہار کیا وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کفیٰ لی فخراً ان تکون لی رباً

و کفیٰ لی عزاً ان اکون لک عبداً

پروردگار میرے لئے تو فخر کی بس یہ بات کافی ہے کہ تو میرا رب ہے اور میری عزت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔

اب اندازہ لگائیں کہ جس مذہب (شیخیہ) کا بانی یہ کہ رہا ہے کہ " الھی وقف السائلون بباک ولاذ الفقراء بجنابک " کا مطلب یہ ہے کہ سارے سائل محمد وآل محمد علیہم السلام کے دروازے پر کھڑے ہیں اور ان کی جناب میں التجا کر رہے ہیں۔ اس مذہب کے رؤسا اور مبلغین نے جو عقیدہ پھیلایا کیا اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں وہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہی دیتے ہیں۔ لہذا جو کچھ مانگنا ہے وہ محمد وآل محمد علیہم السلام سے ہی مانگو۔ یہی وجہ ہے کہ سادہ لوح عوام تو رہے ایک طرف ہم نے اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں وہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہی دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ پنجتن پاک ہی دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ مولا علی دیتے ہیں یا مولا علی کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔

اگرچہ ہم نے اپنی کتابوں "العقائد الحقہ میں اور ولایت قرآن کی نظر میں" میں

مذہب شیخیہ کے عقائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن موضوع کے اعتبار سے یہاں پر بھی ایک بات کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح زیارت میں علامہ مجلسی کی ''انتم السبیل الاعظم'' کی شرح کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: قال الشارح (مجلسی) رحمته الله علیه فان طریق متابعتهم فی العقائد و الاعمال اقوم الطریق'' یعنی علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انتم السبیل الاعظم و الصراط الاقوم'' کی شرح میں یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عقائد و اعمال میں آئمہ علیہم السلام کی اتباع اور پیروی اقوم الطریق یعنی سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں شیخ احمد احسائی لکھتا ہے'' اقول قوله علیه السلام انتم السبیل الاعظم ؛ یرید انهم علیهم السلام سبیل الله الی خلقه ای طریقه الی جمیع خلقه فی کل ایجاد و تکلیف ، فلایوجد شیئاً و لا یمد شیئا بما له و بما به لمن دونه الا بواسطهم فهم سبیل الایجاد و الفیض من فعل الله سبحانه فلا یستمد شیئاً من الحق فی صدور وبقاء الا بهم ومنهم ولهم کما لایستمد شیئاً ،من اشعة السراج و منها ولها کذالک هم علیهم السلام'' (شرح زیارت شرح احمد احسائی ص188)

ترجمہ: علامہ مجلسی کے برخلاف) میں یہ کہتا ہوں کہ انتم السبیل الاعظم سے مراد یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام تمام خلق کیلئے شریعت میں بھی اور پیدا کرنے اور ایجاد و خلق کرنے میں بھی اللہ کی طرف سے سبیل ہیں یعنی ہر چیز کے خلق ہونے میں بھی اور امور شریعت میں بھی تمام مخلوق کے لئے وہی واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ پس کوئی بھی چیز ایجاد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز کسی سے مدد حاصل کر سکتی ہے۔ (فلا یستمد شیئاً) مگر آئمہ علیہم السلام کے واسطے سے۔ پس وہی اللہ کے فعل سے ایجاد و فیض میں سبیل ہیں۔ پس کوئی بھی چیز اپنے

صدور یعنی ایجاد و خلق میں اور اپنی بقا کے لئے امداد حاصل نہیں کرسکتی ۔ لیکن اسکی علت فاعلی ۔ علت مادی اور علت غائی آئمہ علیہم السلام ہی ہیں ۔ جس طرح سے کوئی بھی چیز اپنے وجود و بقا کے لئے آگ کے فعل سے چراغ کی شعاؤں کے ذریعہ مدد حاصل نہیں کرسکتی سوائے چراغ کے ظاہری شعلہ کے ذریعہ اور اسی طرح آئمہ علیہم السلام ہیں۔

مذہب شیخیہ اور شیخی مبلغین نے اس عقیدہ کو اتنا پھیلایا ہے کہ اب بہت ہی کم شیعہ ایسے ہونگے جو یہ عقیدہ نہ رکھتے ہوں کہ خلق کرنے والے بھی یہی ہیں رزق دینے والے بھی یہی ہیں اولاد دینے والے بھی یہی ہیں ۔ مشکل کشا بھی یہی ہیں مدد دینے والے بھی یہی ہیں لہذا وہ انہیں کو مشکل کشائی کے لیے پکارتے ہیں ۔ انہیں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ۔ انہیں سے رزق مانگتے ہیں انہیں سے اولاد مانگتے ہیں۔

البتہ کچھ سمجھدار قسم کے شیعہ جو کچھ نہ کچھ قرآن اور تعلیمات محمد و آل محمد سے آشنا ہیں جب یہ باتیں ان کے ضمیر سے ٹکراتی ہیں تو وہ پریشان ہو کر علماء سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایسا کہنا جائز ہے ۔ تو وہ انہیں ان باتوں کو جائز بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں کہ اگر کوئی شفاعت کی نیت سے کچھ یا ان کے وسیلہ سے یا انکے واسطے سے مانگے تو جائز ہے۔

لہذا آیئے اس بارے میں غور کریں کہ قرآن کریم اور ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں شفاعت اور وسیلہ اور واسطہ کسے کہتے ہیں۔

شفاعت کے بارے میں تحقیق

شفاعت کا قرآن کریم میں تین طرح سے ذکر ہوا ہے پہلی صورت وہ ہے جسکا ذکر سورۃ النساء کی آیت نمبر 85 میں ہوا ہے ۔ اور جس کا کچھ بیان سابقہ اوراق میں ہو چکا ہے ۔ اور وہ کسی مومن کے لئے دعائے خیر کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها۔(النساء-85)

یعنی جو بھی کوئی کسی کے لئے اچھی سفارش کریگا تو اس کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا۔

ہم اس آیت کے بارے میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ یہ شفاعت دعا کے معنی میں ہے۔ اور اسکی ہر ایک کو جازت ہے اور ہر کوئی کرسکتا ہے۔ اور ہر مومن کے لئے کرسکتا ہے اور اپنے برادر مومن کے لئے دعا کرنے کی بڑی ترغیب دلائی گئی ہے اور خود اس آیت میں یہ کہہ کر کہ جو کوئی کسی کی اچھی سفارش کریگا تو اسے بھی اس میں سے حصہ ملیگا۔ اس شفاعت یا دعا کرنے کی تحریص کی گئی ہے۔ جب دعا ہر کوئی کرسکتا ہے تو ہر کسی سے دعا کے لئے التماس کیجا سکتی ہے۔ تو انبیاء و آئمہ علیہم السلام سے تو دعا کی درخواست کرنا قبولیت دعا کے لئے زیادہ موثر ہوگی لیکن دعا و التماس دعا کے جائز ہونے اور ناجائز ہونے میں جو بات دلیل بنے گی وہ دعا کے الفاظ ہونگے۔ یا التماس دعا کے الفاظ ہونگے۔

ایک مشہور روایت ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار کے یہاں کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ لہذا انہوں نے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے پاس آپ کے نائب خاص کے توسط سے عریضہ بھیجا کہ یا امام آپ میرے لیے خدا سے دعا کریں کہ خداوند تعالی مجھے اولاد نرینہ عطا کرے۔ لہذا امام علیہ السلام کی طرف سے یہ توقیع مبارک صادر ہوئی کہ:

"دعانا الله لک سه رزق ولدین ذکرین خیرین"

ہم نے تمہارے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اللہ تعالی تمہیں عنقریب دو نیک اور صالح فرزند عطا کریگا۔

اس میں التماس دعا کے الفاظ بھی یہ ہیں۔ کہ آپ، میرے لئے خدا سے دعا کریں۔ اور امام علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا۔ کہ ہم نے تمہارے لئے بارگاہ خدا میں دعا کی

اور چونکہ آئمہ علیہم السلام خدا کے برگزیدہ مصطفے ومجتبے ہوتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ انہیں خدا وحی کے ذریعہ جس بات کی اطلاع دینی ہوتی ہے یا آگاہ کرنا ہوتا ہے آگاہ کر دیتا ہے۔ لہذا امام علیہ السلام کی دعا کے جواب میں خدا نے جو وحی والہام کیا اسے امام علیہ السلام نے اپنی توقیع مبارک میں لکھ کر بھیج دیا۔

اور علی ابن احمد الدلال قمی کی روایت میں بھی یہی آیا ہے کہ امام علیہ السلام نے خلق ورزق کے بارے میں سوال کا جواب نفی میں دیتے ہوئے یہی فرمایا کہ ہمیں خلق و رزق کا کام سپرد نہیں ہوا ہے۔ لیکن ہم خدا سے دعا کرتے ہیں تو وہ ہماری دعا کو قبول کر لیتا ہے۔

لہذا یہ شفاعت جو طلب دعا یا التماس دعا کے معنی میں ہے بالکل جائز ہے اور شفاعت یعنی طلب دعا یا التماس دعا کے لئے کسی سے بھی درخواست کرنا بالکل جائز ہے درست ہے اور صحیح ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ بت پرست جو بتوں کے لیے یہ کہتے تھے کہ "**ھٰولاء شفاؤنا عنداللہ**" یہ ہماری اللہ کے پاس شفاعت کرینگے۔ شرک کیوں ہو گیا؟ کیونکہ انکا یہ کہنا کہ یہ ہماری اللہ کے پاس شفاعت کرینگے واضح طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کو ہی اللہ مانتے تھے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآنی ایسی ہیں جن میں خود خدا نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ بت پرست اللہ ہی کو اپنا اللہ اور ساری کائنات کا خالق مانتے تھے اور یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی بھی اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر یا لکڑی کے مجسموں سے دعائیں نہیں مانگ سکتا بلکہ یہ ان کے بزرگوں کے مجسمے تھے، جن کے حسی وجود سے ان کے دل میں ان کے موجود ہونے کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ لہذا وہ دراصل اپنے ان بزرگوں کو ہی مخاطت کرتے تھے اور ان ہی کے سامنے اپنی التجائیں اور درخواستیں اور حاجات پیش کرتے تھے۔ اور اپنے ان بزرگوں سے دعائیں مانگتے تھے۔ یعنی وہ اپنے

ان بزرگوں سے جن کے وہ مجسمے تھے یہ التماس نہیں کرتے تھے کہ وہ خدا سے ان کے لئے دعا کریں۔ لہذا انکا یہ کہنا کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری شفاعت کرینگے غلط تھا اور صرف بہانہ کے طور پر تھا۔ اور غلط توجیہ تھا۔ انکا یہ کہنا کہ یہ ہماری اللہ کے یہاں شفاعت کرینگے قیامت کے لئے بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ حتما و یقینا تمام مشرکین عرب روز آخرت کے یا روز قیامت کے قائل ہی نہیں تھے۔ اور قرآن کریم میں روز آخرت کے لئے روز قیامت کے لئے جتنی بھی آیات آئی ہیں۔ ان میں سے اکثر ان مشرکین عرب کے روز قیامت کے انکار کے جواب میں ہی ہیں۔ لہذا انکی یہ بات قیامت میں شفاعت کے لئے نہیں سمجھی جاسکتی کہ یہ کہا جائے کہ قیامت میں کوئی شخص خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کی جرات نہیں کرسکتا۔ "من ذا الذی یشفع عندہ" سوائے اسکے جس کو خدا اجازت دے اور انکے وہ بت یا انکے وہ بزرگ جن کے وہ مجسمے تھے اس بات کے لئے مجاز نہیں تھے۔

اور اگر وہ اپنے بزگوں سے جن کے وہ مجسمے تھے التماس دعا کرتے تو انکا اپنے بزرگوں سے التماس دعا کرنا ہرگز ہرگز شرک نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ سورہ النساء کی آیت نمبر 85 یہ کہتی ہے کہ کسی کے لیے خدا سے دعا کرنا یا کسی سے خدا سے دعا کرنے کی التماس کرنا شرک نہیں ہے بلکہ عین ثواب ہے اور جائز ہے۔ تو پھر مشرکین عرب کو مشرک کیوں کہا گیا ہے۔ جب کہ وہ اللہ ہی کو اللہ مانتے تھے۔ اور کسی سے دعا کے لئے التماس کرنا بھی شرک نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے خدا نے اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ والہ نے ان کو مشرک کہا ہے۔ اور ان کے یہ کہنے کو قبول نہیں کیا کہ یہ ہماری اللہ کے پاس شفاعت کرینگے۔

حقیت یہ ہے کہ کسی کے عقیدے کا اظہار کسی کی نیت کا اظہار اس کے الفاظ سے ہی ہوتا ہے اگر بت پرست یہ کہتے کہ اے جبل خدا سے دعا کرو کہ وہ بارش برسادے۔ اے لات خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمیں اولاد دیدے۔ اے عزیٰ خدا سے دعا کرو کہ وہ ہماری

مشکلات کا حل کر دے پریشانیوں کو دور کر دے اور مصیبتوں کو ٹال دے تو یہ ہرگز شرک نہ ہوتا، چاہے ان کو اس کام سے کوئی فائدہ ہوتا یا نہ ہوتا۔ اور انکا یہ فعل فضول اور بے فائدہ ہی ہوتا۔ لیکن شرک نہ ہوتا۔

لیکن وہ تو خود ان بتوں سے کہتے تھے یا اپنے ان بزرگوں سے کہتے تھے جن کے وہ مجسمے تھے کہ اے جبل ہمیں اولاد دو، اے لات ہماری مشکلات کو حل کر دو، اے عزیٰ ہماری مصیبتوں کو دور کر دو، تو ان الفاظ کا دراصل مطلب یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کام وہی کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ انہیں سے مانگتے تھے اور یہ بات ایسی نہیں تھی کہ خدا اسکا مطلب ہی نہ سمجھتا ہو کہ یہ دراصل مجھ سے شفاعت کرنے کو کہہ رہے ہیں یا خود انہی سے مانگ رہے ہیں۔ اس لئے خدا نے قرآن کی کئی آیات میں واضح طور پر کھول کر بیان کر دیا ہے کہ یہ اپنے بتوں سے شفاعت کرنے کے لئے نہیں کہتے تھے، دعا کرنے کے لئے نہیں کہتے تھے بلکہ میرے بجائے خود ان ہی سے مانگتے تھے ان ہی سے دعائیں کرتے تھے۔

چنانچہ سورۃ رعد میں ارشاد ہوا

"والذین یدعون من دونہ" (رعد-14)

یعنی جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے دعائیں مانگتے ہیں۔

اور سورہ الاعراف میں اس طرح ارشاد ہوا۔

"والذین تدعون من دونہ (الاعراف-197)

اور وہ جن سے تم خدا کو چھوڑ کر دعائیں کرتے ہو

اور سورۃ فاطر میں اسطرح ارشاد ہوا

"والذین تدعون من دونہ" (فاطر -13)

اور خدا کو چھوڑ کر جن سے تم دعائیں کرتے ہو۔

اور سورہ الاعراف میں ہی ایک اور آیت میں ارشاد ہوا۔

" ان الذین تدعون من دون اللہ (الاعراف-194)

یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن جن سے تم دعائیں کرتے ہو۔

غرض کئی آیات میں خداوند تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ کہا ہے کہ وہ ان سے طلب شفاعت نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں سے اپنی حاجت براری کے لئے دعائیں کرتے تھے۔

مسلمانوں میں شامل بہت سے فرقے مثلاً، مفوضہ وشیخیہ، اور صوفیہ جو خود کو شیعہ کہلاتے ہیں۔ وہ تو خیر مانگتے ہی محمد وآل محمد علیہم السلام سے ہیں اور علی الاعلان مانگتے ہیں اور اس دعوے اور عقیدے کے ساتھ مانگتے ہیں کہ یہی دینے والے ہیں بلکہ ان کے نزدیک تو خدا کچھ دے ہی نہیں سکتا نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ جس کو کچھ دیتے ہیں یا کسی کی مدد کرتے ہیں تو وہ محمد وآل محمد ہی کرتے ہیں۔

" فلا یستمد شئاً من الحق فی صدور وبقاء الا بھم ومنھم ولھم

(شرح زیارت جامعہ شیخ احمد احسائی ص185)

لیکن ان کے بہکائے میں آ کر بہت سے لاعلم بے خبر اور سادہ لوح شیعہ عوام بھی ان ہی سے مانگتے ہیں۔ اولاد ان سے مانگتے ہیں۔ رزق ان سے مانگتے۔ مشکل کشائی کی دعائیں ان سے کرتے ہیں مصیبتوں اور پریشانیوں کے دور ہونے کی درخواستیں ان سے کرتے ہیں اور بڑی عقیدت کے ساتھ کہتے ہیں کہ محمد وآل محمد ہی دیتے ہیں۔ پنجتن پاک ہی دیتے ہیں۔ مولا علی مشکل کشا ہی دیتے ہیں مولا علی کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ مگر کچھ شیعہ ایسے ہیں جو اس بات کی قباحت کو سمجھنے لگے ہیں لہذا وہ اس بات کے بارے میں علماء سے پوچھتے ہیں کہ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے تو وہ انہیں مشرکین عرب والا بہانہ سکھا کر یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور پھر وہ سادہ لوح شیعہ عوام مشرکین عرب کی

طرح کہتے ہیں کہ ہم تو شفاعت کے طور پر ان سے مانگتے ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر 85 کے مطابق شفاعت کے لئے التماس کرنا برحق ہے۔ لیکن اس کے الفاظ شفاعت کے عنوان سے ہونے چاہئیں۔ بت پرستوں کی طرح نہیں ہو نا چاہیئے کہ مانگ انہی سے رہے ہیں اور شفاعت کا بہانہ کرتے ہیں اور مفوضہ وصوفیہ و شیخیہ کی طرح بھی نہیں ہو نا چاہیئے جو خود کو شیعہ ہی کہتے ہیں اور جس طرح اثیر جاڑوی نے لکھا ہے اس طرح بھی نہیں ہو نا چاہیے کہ ہم تو علم سے نہیں مانگتے، بلکہ صاحب علم سے مانگتے ہیں۔ حالانکہ نہ علم سے مانگنا جائز ہے نہ صاحب علم سے مانگنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ علم اس لئے نہیں نکالے جاتے کہ تم ان سے دعائیں مانگو یا صاحب علم سے دعائیں مانگو۔ کیونکہ خدا نے تو ملائکہ و عزیز مریم و عیسےٰ مسیح تک کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ:

"لا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا"

ان بزرگ انبیاء علیہم السلام کو مشکلات کے حل کرنے اور مصیبتوں کے ٹالنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اور میں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں یہ بات کہ جو علماء شیعہ عوام کو اپنی حاجات ان سے طلب کرنے ان سے مدد مانگنے اور ان سے دعائیں کرنے کے لئے فتوے دیتے ہیں ان کے پاس ان انبیاء کے معجزات کو دلیل میں پیش کرنے کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور وہ اس مطلب کے لئے ایک بھی نص قرآن سے پیش نہیں کر سکتے۔

بہر حال یہ شفاعت کی وہ قسم ہے جو دعا کے معنی میں ہے۔ اگر اس کے الفاظ اس قسم کے ہوں کہ گویا سوال کرنے والا التماس دعا کر رہا ہے۔ تو یہ عین حکم خدا کے مطابق ہے۔ اور اگر سوال و دعا کے الفاظ اس قسم کے ہوں جس سے یہ ثابت ہو کہ سوال کرنے والا انہیں سے مانگ رہا ہے تو یقیناً اسکا مطلب یہی ہوگا کہ وہ یہ سمجھتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

یہی دیتے ہیں۔ یہی مدد کرتے ہیں۔ یہی مشکلوں کو حل کرتے ہیں۔ یہی مصیبتوں کو ٹالتے ہیں۔ تو یہ مشرکین عرب کے سوال کی طرح ہے جو شرک ہے۔ چاہے یہ بھی مشرکین عرب کی طرح یہی کہتے رہیں کہ" ھٰولاء شفائونا عند الله " تو اس طرح کہنے سے نہ مشرکین عرب کا شرک توحید بن سکا اور نہ ہی آج اس طرح سے کہنے سے انکا شرک توحید بن سکتا ہے۔

معلوم نہیں ہمارے شیعہ بھائی شرک کی قباحت سے کیوں نہیں ڈرتے درآنحالیکہ خدانے یہ فرمایا کہ وہ ہر قسم کا گناہ بخش دیگا لیکن شرک کو نہیں بخشے گا۔

لیکن خدا نے اپنے تمام بندوں سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ ان کے تمام گناہ بخش دیگا۔ جیسا کہ سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا ہے۔

" قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمت الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه ھو الغفور الرحیم (الزمر-53)

ترجمہ: اے رسول کہہ دو۔ اے میرے بندوں جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بیشک خدا تمہارے کل گناہوں کو بخش دیگا بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اور بخشنے کی ترکیب بھی خود ہی بتلاتا ہے اور اپنے انبیاء کے ذریعے کھل کر اعلان کرتا ہے جیسا کہ سورۃ ھود میں حضرت صالح سے اعلان کرایا ہے کہ:

" فاستغفروا ثم توبوا الیه ان ربی قریب مجیب " (ھود 61)

حضرت صالح نے کہا کہ پس تم اپنے پچھلے گناہوں کے لئے اللہ سے معافی مانگ لو اور آئندہ کے لئے توبہ کرلو بیشک میرا خدا ہر ایک سے قریب ہے۔ اسکی دعا و استغفار و توبہ کو سنتا بھی اور اسکی دعا کو قبول بھی کرتا ہے۔

لیکن آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے پیغمبر اور آئمہ علیہم السلام کے لئے جس آیت

کا حوالہ دیا ہے وہ ہر فرد بشر کے لئے نہیں ہے کہ جب تک وہ پیغمبر صلعم یا آئمہ علیہم السلام میں سے کسی امام کے پاس جا کر استغفار نہیں کریگا۔ اور پیغمبر بھی اس کے لئے استغفار نہیں کرینگے وہ بخشا نہیں جائیگا۔ بلکہ وہ ان منافقین کے بارے میں ہے جنہوں نے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کو ناراض کیا تھا اور یہ انہیں کے لئے فرمایا تھا کہ:

"ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واسغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (انبیاء-64)

اگر وہ اس وقت جب کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے اور خدا سے طلب بخشش کرتے اور پیغمبر بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا رحیم پاتے" (تفسیر موضوعی جلد 2 ص 415)

چونکہ بہت سے شیعوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ اور آئمہ علیہم السلام سے ہی دعائیں کرنا شروع کر دیا ہے لہذا وہ اس آیت کو دلیل کے طور پر لاتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اس مقصد کے لئے قطعی طور پر دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ کوئی بھی صاحب عقل اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ خود پیغمبر اور آئمہ اطہار کے زمانہ میں اس وسیع و عریض سلطنت میں رہنے والے تمام مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بالمشافہ پیغمبر یا آئمہ اطہار کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی مغفرت کی دعا کے لئے التجا کرتے اور اس آیت کی شان نزول کے بارے میں خود آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے اپنی تفسیر موضوعی منشور جاوید قرآن جلد چہارم میں جنگ بنی مصطلق کا حال بیان کرتے ہوئے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کے بارے میں اس طرح لکھا ہے۔

"قرآن در این سورۃ متن گفتار رئیس حزب نفاق را بہ انتقاد از ان نقل می کند آنجا کہ می فرماید"

یعنی قرآن نے اس سورۃ (المنافقون) میں رئیس منافقین عبداللہ ابن ابی کی گفتگو کو اس پر تنقید کے لئے اس طرح نقل کیا ہے۔

"هم الذين يقولون لا تنفقوا على من عند رسول الله حتىٰ ينفضوا ، ولله خزائن السموات والارض ولكن المنافقين لا يفقهون"

یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اصحاب پر کچھ خرچ نہ کرو۔ تا کہ وہ پیغمبر کے پاس سے تتر بتر ہو جائیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے خدا ہی کے لئے ہیں۔ لیکن منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے۔

"يقولون لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمومنين ولكن المنافقين لا يعلمون"

وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا شخص ذلیل آدمی کو باہر نکال دیگا حالانکہ عزت ساری خدا کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے، لیکن منافقین اس بات کو نہیں جانتے"

(تفسیر موضوعی فارسی منشور جاوید قرآن جلد چہارم ص 87)

اس کے بعد آیت اللہ استاد جعفر سبحانی لکھتے ہیں۔

"نزول این آیت منافق رسوا را رسواتر ساخت ۔ مع الوصف ۔ گروہی بر این بودند کہ عبداللہ را بہ نزد پیامبر ببرند تا پیامبر در حق او طلب امرزش کند، وقتی بہ او چنیں پیشنہاد کردند او براثر فقدان ایمان، استغفار پیامبر را کہ جز دعا در حق او چیزی نبود سجدہ بر پیامبر تلقی کرد و گفت، دستور دادی کہ با او ایمان بیاورم، ایمان آوردم گفت زکات مال خودم را بدھم، دادم، اکنوں می گوئید بروم بر او سجدہ کنم ۔ نا گفتہ پیدا است زمینہ ھائے نا مساعد ہر نو بذر صالح و پاک را ضائع می سازد، سخن ناصحان در کام بد اندیشان تلخ می آید قرآن در ایں

مورد می فرماید۔" واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا روسھم و رایتھم یصدون وھم یستکبرون"

(تفسیر موضوعی فارسی مشور جاوید قرآن ص 87-88)

ترجمہ: ان آیتوں کے نازل ہونے نے رسوا منافق کو اور بھی رسوا کر دیا۔ اس کے باوجود اصحاب پیغمبر میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے تھے کہ عبداللہ کو پیغمبر کے پاس لے چلیں تا کہ پیغمبر اس کے لئے طلب مغفرت کریں۔ جس وقت انہوں نے اس کے سامنے یہ پیش نہاد کی تو اس نے ایمان کے فقدان کے باعث پیغمبر کے استغفار کو جو سوائے اس کے لئے دعا کرنے کے اور کچھ نہیں تھا پیغمبر کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا اور یہ کہا کہ تم نے مجھے ایمان لانے کے لئے کہا میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا میں اپنے مال میں سے زکواۃ نکالوں تو وہ بھی میں نے دیدی۔ اب تم یہ کہتے ہو کہ میں اس کے پاس جا کر اس کو سجدہ کروں۔

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ خراب زمین میں اچھے سے اچھا بیج بھی ضائع ہو جاتا ہے اور نصیحت کرنے والوں کی باتیں بداندیش لوگوں کو کڑوی لگتی ہیں۔ قرآن اس بارے میں یہ کہتا ہے کہ:

جب ان سے یہ کہا گیا کہ آؤ پیغمبر کے پاس چلو تا کہ رسول للہ تمہارے لئے طلب مغفرت کریں تو وہ اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تکبر کے ساتھ مغرور ہو کر خود کو راہ خدا سے باز رکھتے ہیں" اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"ناصحان عبداللہ از یک نکتہ غفلت داشتند و آن این کہ دعائے رسول گرامی در زمینہ ہائے مساعد و آمادہ مستجاب می گردد۔ نہ در زمین کور و گوشہای کر۔ دعا اولیاء بسان بذر صالح است کہ اگر در سرزمین ناپاک پاشیدہ گردد ہرگز رشد نمی کند۔ ازیں جہت قران در این مورد می فرماید "سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم ان

اللہ لا یھدی القوم الفاسقین

(تفسیر موضوعی فارسی جلد چہارم منشور جاوید قرآن ص 88)

ترجمہ: عبداللہ کو نصیحت کرنے والوں نے ایک نکتہ کی طرف سے غفلت کی اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم کی دعا تیار و آمادہ زمین میں قبول ہوتی ہے نہ کہ اندھے اور بہرے لوگوں کی زمین میں۔ اولیاء کی دعا ایک اچھے بیج کی طرح ہوتی ہے۔ کہ اگر اسے ناپاک اور خراب زمین میں بکھیرا جایگا تو وہ ہرگز نہ اگے گا۔

اس لئے قرآن اس بارے میں یوں کہتا ہے کہ: ان کے لئے برابر ہے چاہے تم ان کے لئے استغفار کرو یا استغفار نہ کرو اللہ ہرگز انکو نہ بخشیگا۔ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

(تفسیر موضوعی جلد چہارم منشور جاوید قرآن ص 88)

یہ کچھ تو آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے لکھا ہے۔ لیکن قرآن تو اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا "استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ لن لیستغفر اللہ لھم (التوبہ-88)

یعنی اے میرے حبیب تم ان منافقین کے لئے دعا کرو یا ان کے لئے دعا نہ کرو اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت کی دعا کرو گے تب بھی خدا ہرگز ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔

تو آیت اللہ استاد جعفر سبحانی نے تفسیر موضوعی جلد دوم اردو ترجمہ کے صفحہ 415 پر جس آیت کا حوالہ دیا ہے کہ اگر وہ رسول اللہ کے پاس چلے آتے اور وہ اللہ سے استغفار کرتے تو وہ اللہ کو بڑا بخشنے والا پاتے۔ تو وہ اسی عبداللہ بن ابی کے بارے میں ہے جسکا حال خود انہوں نے اپنی تفسیر موضوعی فارسی جلد چہارم کے صفحہ 87-88 پر لکھا ہے۔ "اور پیغمبر سے استغفار کرانے کا مطلب یہاں پر یہ تھا کہ چونکہ عبداللہ ابن ابی نے خود پیغمبر کی توہین کی تھی، ان کے قلب مبارک کو اذیت پہنچائی تھی خود کو مدینہ کا معزز ترین شخص کہا تھا۔ اور پیغمبر کو

(نعوذ باللہ) ذلیل ترین آدمی کہا تھا۔ (سورۃ المنافقین) لہذا پیغمبر کو قلبی طور پر دکھ پہنچا تھا تو جو کچھ اس نے پیغمبر کو کہا تھا اسے تو ہر صورت میں پیغمبر نے ہی معاف کرنا تھا۔ اس آیت میں ایک سبق ہے کہ خدا اپنے گناہ تو استغفار کی صورت میں معاف کردیگا۔ لیکن اس کے بندوں میں سے اگر اس نے کسی کو اذیت پہنچائی ہے تو اسکو صرف وہ بندہ ہی معاف کرسکتا ہے۔ یہاں بھی چونکہ عبداللہ ابن ابی نے پیغمبر کو اذیت پہنچائی تھی لہذا اسکو تو صرف پیغمبر ہی معاف کرسکتے تھے۔ اور پیغمبر کی توہین کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کے لئے پیغمبر نے ہی اس کے لئے استغفار کرنا تھا۔

اس آیت کو خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ اطہار علیہم السلام سے طلب حاجات کرنے والوں اوران سے دعائیں مانگنے والوں یا مولا علی دیتے ہیں، یا مولا علی کا دیا ہوا سب کچھ ہے، کہنے والوں کی باتوں کے جواز میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ پر نادم ہو اپنے کئے پر دل میں شرمندہ ہو اور اپنے دل میں یہ سمجھے کہ تو نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ اور آئندہ کے لئے وہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے اور سابقہ گناہ کے لئے خدا سے معافی مانگے، اگر وہ گناہ خدا کا ہے اور اگر کسی بندے کو اذیت پہنچائی ہے تو اسکی تلافی کرے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

اور اگر زمین تیار نہیں ہے اور بیج اگانے کے قابل نہیں ہے تو پھر کسی کا بھی استغفار کارآمد نہیں ہے۔ لیکن پیغمبر کی یہ معروف حدیث ہے کہ جس نے توبہ کرلی اس کو قیامت کے دن کسی کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی۔

لہذا بہتر یہی ہے کہ انسان خود توبہ کرے اپنے کیئے پر پشیمان ہو۔ اور خدا سے اپنے سابقہ گناہ کی معافی مانگے اور اس کے بندوں کے حقوق کی تلافی کرے تو اس صورت میں خدا کا وعدہ یہ ہے کہ:

" قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً انه ھوا لغفور الرحیم (الزمر-53)

یعنی اے میرے حبیب تم یہ اعلان کردو کہ اے میرے بندوں جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بیشک خدا تمہارے کل کے کل گناہوں کو بخش دیگا۔ بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

امیر المومنینؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ آیت بخشش کے لئے سب سے زیادہ وسعت والی ہے۔ اس آیت میں خدا نے ''عبادی'' کہا ہے یعنی اے میرے بندوں اور'' اسرفوا علیٰ انفسھم'' کہا ہے یعنی جنہوں نے اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) زیادتی کی ہے اور'' یغفر الذنوب جمیعاً'' کہا ہے یعنی کل کے کل سارے کے سارے گناہ بخش دیگا۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن آیت کا ظاہر یہ کہتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور تمام بندوں کے لئے ہے۔ اور بعض نے تو یہ تک کہہ دیا ہے کہ اس آیت کی رو سے خدا جسے چاہے توبہ کے بغیر ہی بخش دے۔ لیکن خدا نے اس سے اگلی آیت میں تمام گناہوں کے بخشے جانے کی جو ترکیب بتائی ہے وہ یہ ہے کہ۔

" وانیبو الی ربکم واسلمو اله من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لا تنصرون ،واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتقوانتم لا تشعرون" (الزمر-54-55)

ترجمہ: اور (اگر تم بخشش کے طلبگار ہو تو) اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے توبہ کرو۔ اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردو۔ اس وقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو، کیونکہ پھر تمہاری کوئی مدد نہ ہوسکے گی۔ اور جو اچھی اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر

نازل ہوئی ہیں۔ ان پر عمل کرو۔ اس سے پہلے کہ تم پر یکبارگی اچانک عذاب نازل ہو جائے۔ اور تم کو اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہو۔

عام معافی کے اعلان کی آیت کے بعد بالکل ساتھ ہی سورۃ الزمر کی اگلی دو آیتوں میں اس عام معافی سے بہرہ اندوز ہونے کی ترکیب بتلادی گئی ہے۔

سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، توبہ وانابہ کرو، اپنے کیے پر ندامت وپشیمانی کا اظہار کرو اور اپنے رب سے یہ عہد کرو کہ آئندہ ایسا نہیں کروگے

دوسری بات یہ ہے کہ عذاب کے آنے سے پہلے پہلے اس کے آگے سر تسلیم خم کردو۔ اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرلو۔ ورنہ عذاب کے آنے کے بعد تمہاری کوئی مدد نہ کیجا سکے گی

تیسری بات یہ ہے کہ تمہارے پرودگار کے پاس سے تمہارے لیے جو احکام نازل کیے گئے ہیں ان پر عمل کرو اس سے پہلے کہ اچانک تم پر عذاب آجائے۔ اور تم بے خبر پڑے ہوئے ہو۔

یہ ہے وہ لائحہ عمل اس عام معافی کا اس لائحہ عمل پر عمل کرنے سے تم نے اس سے پہلے جتنے گناہ کیے ہیں وہ سب کے سب معاف ہوجائینگے، ورنہ تو خدا کی پہلی ہی نافرمانی کے بعد بندہ مستحق عذاب بن جاتا ہے۔

یہاں پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا خدا مشرکین وکافرین اور منافقین کو بھی بخش دیگا۔ کیونکہ اس نے مشرکین کے بارے میں تو حتمی طور پر اعلان کیا ہوا ہے کہ

" ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذالك لمن يشاء (النساء-46)

یعنی یقینی طور پر اللہ اس جرم کو تو معاف نہیں کریگا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے، ہاں

اس کے سوا جو گناہ ہوگا۔ جس کو چاہے گا بخش دیگا۔

اور کافروں کے بارے میں اس نے یہ کہا ہے کہ:

"وللکافرین عذاب مهین" (البقرۃ-91)

یعنی کافروں کے لئے تو بڑا ہی رسوائی کا عذاب ہے۔

اور منافقین کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجدلهم نصیرا

(النساء-145)

اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہونگے اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سورۃ الزمر کی آیت نمبر 54 اور 55 کا لائحہ عمل اختیار کرنے کی صورت میں شرک کرنے والوں کو اور کافروں کو اور منافقوں کو بھی بخش دیگا۔ کیونکہ مذکورہ آیات میں بیان کردہ لائحہ عمل پر عمل کرنے کی صورت میں مشرک مشرک نہ رہے گا۔ کافر کافر نہ رہیگا، منافق منافق نہ رہیگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عذاب کے نازل ہونے یا موت کے آنے سے پہلے پہلے توبہ کرلے۔ کیونکہ پیغمبر صلعم کے زمانہ میں جتنے اصحاب رسول تھے وہ سب کے سب مسلمان ہونے سے پہلے مشرک اور کافر ہی تو تھے۔ جب انہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کرلی یعنی شرک اور کفر چھوڑ دیا اور اسلام قبول کرلیا۔ اور پیغمبر اکرم کی پیروی کرنے لگے۔ تو ان کا سابقہ شرک اور کفر کا گناہ معاف کردیا گیا۔، اور منافقین کے بارے میں جو آیت یہ کہہ رہی ہے کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے اس سے اگلی ہی آیت میں اسطرح بیان ہوا ہے۔

"الا الذین تابوا واصلحوا و اعتصموا باللہ و اخلصوا دینهم للہ فاولئک

مع المومنین و سوف یوت اللہ لمومنین اجراً عظیماً (النساء146)

ترجمہ: مگر ہاں جنہوں نے نفاق سے توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی۔ اور خدا کے احکام کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا اور اپنے دین کو خدا کے واسطے نرا کھرا کرلیا۔ تو وہ لوگ مومنین کے ساتھ ہیں۔ یعنی مومن ہیں اور خدا مومنین کو آگے چل کر آخرت میں بڑا ہی اچھا اجر دیگا۔

تو سورہ الزمر کی آیت نمبر 53 کی عام معافی کا اعلان مشرکین و کافرین، منافقین کو اور بڑے سے بڑے گناہ گاروں کو شامل ہے۔ اور عبداللہ ابن ابی کے لئے جو پیغمبر کے پاس آنے کی شرط رکھی گئی تھی اور تنہا اسکے استغفار کو کافی نہ سمجھا گیا تھا۔ تو اسکی وجہ یہ تھی کہ اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی توہین کی تھی۔ اور انکو اذیت پہنچائی تھی۔ اور اذیت جو بھی پہنچائے اور جسے بھی پہنچائے اس کے اکیلے استغفار سے کام نہیں چلے گا۔ جب تک کہ وہی معاف نہ کردے جس کو اذیت پہنچائی گئی ہے۔ اور خداوند تعالی عادل ہے۔ یہ بات صرف پیغمبر صلعم کے لئے ہی نہیں ہے۔ اس نے عام معافی کا اعلان صرف اپنے گناہوں کے بارے میں کیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے۔ یا اذیت دی ہے تو جب تک وہی آدمی اس کو معاف نہیں کریگا خدا بھی اسکو معاف نہیں کریگا۔

بہر حال یہاں پر ہم شفاعت کی اس پہلی قسم کا بیان ختم کرتے ہیں۔ جس کی عام اجازت ہے ہر مومن کرسکتا ہے ہر وقت کرسکتا ہے۔ زندوں کے لئے کرسکتا ہے مردوں کے لئے کرسکتا ہے اور دوسروں سے بھی التماس دعا کرسکتا ہے۔

اب ہم شفاعت کی دوسری قسم کی طرف آتے ہیں۔ شفاعت کی دوسری قسم وہ ہے جو روز آخرت سے متعلق ہے۔ جس کے لئے خدا نے یہ فرمایا ہے کہ:

"من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ"

کون ہے جو اس کے سامنے کسی کی شفاعت کی جرآت کر سکے مگر صرف اس کی اجازت کے بعد؛ اس آیت میں جو آیت الکرسی کا حصہ ہے پہلے تو یہ کہا گیا ہے کہ کوئی اللہ کے پاس کسی کی شفاعت کرنے کی جرآت نہیں کر سکتا۔ لیکن ساتھ ہی استثنار کھ دیا اور وہ استثنا یہ ہے کہ جسے وہ اجازت دے اسکی اجازت سے ہی شفاعت کرنے والا شفاعت کریگا۔

اس سلسلے میں چند آیات کا بیان ہوا ہے جو آخرت میں شفاعت کا ذکر کرتے ہیں پہلی آیت یہ ہے۔

"یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفداً و نسوق المجرمین الیٰ جهنم ورداً لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمٰن عهد"

(مریم 86 تا 88)

اس دن ہم پرہیز گاروں کو خدائے رحمٰن کے سامنے مہمانوں کی طرح جمع کرینگے۔ اور گنہگاروں اور مجرموں کو ہم جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکائیں گے اس دن کوئی بھی شفاعت کا اختیار نہ رکھتا ہوگا سوائے اس کے جس نے خدائے رحمٰن سے شفاعت کا) عہد لے لیا ہو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آخرت کی بات ہے اور تفسیر التبیان میں اس آیت کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے "لا یملکون المتقون الشفاعة الالمن اتخذعند الرحمن عهد ، والعهد ، المراد به الایمان و الاقرار بوحدانیته و تصدیق انبیائه فان الکفا ر لا یشفع لهم" (البیان جلد 7 ص 152-151)

یعنی متقیوں کو بھی کسی کی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا۔ سوائے اس شخص کی سفارش کے جس نے خدائے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے۔ اور عہد سے مراد۔ ایمان ہے۔ اور خدا کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ اور اس کے انبیاء کی تصدیق کرنا ہے۔ کیونکہ کفار کی کوئی شفاعت نہیں کریگا۔

بالفاظ دیگر یہ آیت یہ کہتی ہے کہ کفار و مشرکین اور منافقین کی شفاعت کرنے کی

کسی کو بھی اجازت نہ ہوگی۔

دوسری آیت اسطرح ہے۔'

'یومئذ لا تنفع الشفاعت الا من اذن له الرحمن و رضی له قولاً

(طہ-109')

یعنی اس دن کسی کی شفاعت کام نہیں آئیگی مگر جس کو خدائے رحمٰن اجازت دے گا اور اسکا

بولنا پسند کریگا۔

تفسیر التبیان میں اس آیت کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے" اخبر اللہ تعالیٰ ان ذالک

الیوم لا تنفع الشفاعة احداً فی غیرہ الا شفاعة من اذن له ان یشفع و

رضی قوله فیھا من الانبیاء و الاولیاء والصدیقین والموٴمنین"

(تفسیر التبیان جلد 7 ص209-210)

خدوند تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ اس دن کسی کی سفارش کسی دوسرے

شخص کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں دیگی۔سوائے انبیاء و اولیاء اور مومنین میں سے اس

شخص کے جسے خدا اجازت دے کہ تم شفاعت کرو اور اس بارے میں اسکی بات کو پسند کرے

اس آیت سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ آخرت میں شفاعت کی بات کر رہی

ہے۔اور اس دن کوئی بھی نبی ہو یا ولی ہو یا صدیق ہو یا کوئی مومن ہو بغیر اذن خدا کے کسی

کی شفاعت نہ کر سکے گا۔

تیسری آیت میں اس طرح ارشاد ہوتا ہے۔

"ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له حتیٰ اذا فزع عن

قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالو ا الحق" (النبیآء-23)

ترجمہ: انکی بارگاہ میں کسی کی سفارش کام نہ آئیگی سوائے اس کے جس کے لئے خدا خود اجازت عطا کرے اس کے دربار کی ہیبت یہاں تک ہوگی کہ جب سفارش کرنے کا حکم ہوگا تو سفارش کرنے والے (ملائکہ) بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر جب انکی گھبراہٹ دور کردی جائیگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے پرودگار نے کیا حکم دیا ہے فرشتے جواب دینگے کہ حق بات

تفسیر التبیان میں انکی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے کہ "ثم اخبر تعالیٰ ولا تنفع الشفاعة عنده ای عندالله الالمن اذن الله له فی الشفاعة من الملائکة والبنین والآئمة والموٴمنین"

ترجمہ: یعنی اس کے بعد خداوند تعالیٰ خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کے پاس کسی کی بھی سفارش فائدہ نہیں دے سکتی، مگر ملائکہ۔ نبیوں، آئمہ اور مومنین میں سے جسے خدا شفاعت کرنے کی اجازت دے۔

چوتھی آیت میں اسطرح بیان ہوا ہے۔

، کم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتهم شئیاً الا من بعد ان یا ذن الله لمن یشاء ویرضی "(النجم-26)

ترجمہ: آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کچھ کام نہ آئیگی۔ مگر اسی وقت جب خدا کسی کو کسی کے بارے میں اجازت دے اور راضی ہو۔

ان مذکورہ آیات کے علاوہ قرآن کریم میں شفاعت کے موضع پر اور بھی بہت سی آیات ہیں مگر موضوع کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ چار آیات ہی کافی ہیں۔ ان آیات سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

نمبر 1: یہ سب آیات آخرت میں شفاعت سے متعلق ہیں

نمبر 2: آخرت میں گناہوں کی بخشش کے لئے کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا مگر صرف

وہی جسکو خدا اجازت دیگا۔ کہ وہ شفاعت کرے۔

نمبر 3: جن کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گے ان میں ملائکہ وانبیاء ورسل ہادیان دین آئمہ طاہرین اور متقین ومومنین شامل ہیں۔

نمبر 4: جن کو شفاعت کی اجازت ملے گی وہ بھی صرف اسی کی شفاعت کرسکیں گے جس کے لئے خدا شفاعت کرنے کی اجازت دے کہ تم اس شخص کے لئے شفاعت کرو۔

نمبر 5: جنکی شفاعت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور انکی کوئی بھی شفاعت نہ کریگا۔ ان میں سب مشرکین وکافرین اور منافقین شامل ہیں۔

شفاعت برحق ہے اور جنکو شفاعت کرنے کی اجازت ملیگی، اس کے لئے آیت میں واضح الفاظ میں ذکر ہے، کہ یہ شفاعت کرنے والے بھی صرف اسی کی شفاعت کرینگے جن کے لئے خدا کہیگا۔ کہ تم انکی شفاعت کرو۔

اور یقیناً پیغمبر گرامی اسلام کو شفاعت کی اجازت ہوگی اور خود پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ فرمایا ہے کہ میں گناہان کبیرہ کے بارے میں سفارش کرونگا، مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص توبہ کر کے مرے اس کے لئے کسی کی شفاعت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ گویا دنیا میں توبہ کرلینا سب سے بڑا سفارشی ہے۔ جسے خدا نے خود بندے کے اپنے اختیار میں دیدیا ہے۔

اور یقیناً آخرت میں یہ شفاعت صرف انکی ہوگی جنکا ایمان درست اور عقیدہ صحیح ہوگا۔ اور اس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہوگی۔ لیکن اس نے اپنے گناہوں سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کی ہوگی۔ اور برزخ کی طولانی زندگی میں اپنے گناہوں کی سزا بھگتتا رہا ہوگا۔ اور خدا اسکے صحیح ایمان اور درست عقیدہ کی وجہ سے اور عالم برزخ میں اپنے گناہوں کی کافی سزا بھگتنے کی وجہ سے اس پر رحم فرمائیگا۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو اس بات کی اجازت دیگا کہ وہ اس صحیح

العقیدہ آدمی کے لئے شفاعت کریں، اور آنحضرت بارگاہ خداوندی میں اس شخص کے لئے شفاعت فرمائینگے۔

دوسری شفاعت کے بارے میں جو آخرت کے بارے میں ہے اتنا بیان ہی کافی ہے۔

تیسری شفاعت وہ ہے جس میں کچھ اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس میں تدبیر امور کے بارے میں شفاعت مراد ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک یہاں بھی وہی روز قیامت والی شفاعت ہی مراد ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

"ان ربکم اللہ الذی خلق السموات و الارض فی ستتہ ایام ثم استویٰ علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ ذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون" (یونس-3)

ترجمہ: بیشک تمہارا پرردگار وہی خدا ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اس نے عرش کا قصد کیا (یا عرش پر غالب آ گیا) وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے اس کے سامنے کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد وہی خدا تمہارا پرودگار ہے پس تم اسی کی عبادت کرو کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔

دور جدید کے مفسرین یہاں شفیع سے مراد علت و معلول کا نظام لیتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اللہ استاد جعفر سبحانی تفسیر موضوعی جلد دوم میں لکھتے ہیں۔ کہ:

"آسمان و زمین کی آفرینش و خلقت کے بیان کرنے کے بعد عرش پر استیلا و غلبہ کو پیش کرتا ہے۔ اور اسکو پیش کرنے کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ جہان خلقت کی باگ ڈور خلقت کے بعد بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور یہ ہرگز اسکے ہاتھ سے خارج نہیں ہوئی ہے اور کسی اور کے سپرد نہیں ہوئی۔ عرش قدرت پر غلبہ و استیلا تمام عالم ہستی اور نظام امکان پر تسلط سے کنایہ ہے۔ "یدبر الامر" کے جملہ کا عرش پر استیلا کے بعد آنے میں۔ نکتہ یہ ہے کہ

فرمانروایان عالم تخت پر بیٹھتے تھے اور وہاں سے ملک کے امور کی تدبیر کرتے تھے۔ گویا عالم خلقت کا فرمانروا عرش قدرت سے عالم ہستی پر حکومت کرتا ہے اور نظام عالم کی نگرانی کرتا ہے

(تفسیر موضوعی جلد دوم ص 246)

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"مسئلہ تدبیر کے بعد شفاعت کرنے والوں کا مسئلہ پیش آیا ہے۔ اور یہ اس بات کو بتلاتا ہے کہ ہر شفیع کا کام اذن خدا کے ساتھ مربوط ہے۔ اس آیت میں شفیع سے مراد قیامت کے شفیع نہیں ہیں بلکہ وہی جہان خلقت کے علت و معلول کا نظام ہے کہ اوپر اور نیچے کے نظام میں ہر علت کی تاثیر اذن خدا کیساتھ تعلق رکھتی ہے۔

(تفسیر موضوعی جلد دوم ص 244)

اس نظریہ کے مطابق اس تفسیر کی رو سے شفیع کا معنی یہ ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بعد جب وہ عرش پر غالب آ گیا۔ تو اس کے بعد جہان خلقت کی تدبیر امور بھی اسی کے ہاتھ میں رہی لیکن جہان خلقت میں تدبیر امور کے سلسلہ میں علت و معلول کا نظام خدا کے اذن اور مشیت وارداہ سے آگے چلا۔ لیکن قدیم تفسیروں میں سے تفسیر التبیان میں اس آیت میں واقع لفظ شفیع کے معنی اس طرح لکھتے ہیں۔

" قوله مامن شفيع الا من بعد اذنه ،، فالشفيع هو السائل فى غيره لاسقاط الضرر عنه "

(تفسیر التبیان جلد 5 ص 335)

یعنی خداوند تعالیٰ کے قول " ما من شفيع الا من بعد اذنه " میں واقع لفظ شفیع کا معنی یہ ہے کہ شفیع وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے ضرر کو اس سے دور کرنے کے لئے سوال کرے" یعنی اس تفسیر کی رو سے یہ شفاعت بھی وہی قیامت والی شفاعت ہے۔

اور تفسیر عمدۃ البیان میں اسطرح لکھا ہے کہ:

"ثم استوىٰ علی العرش یدبر الامر مامن شفیع الا من بعد اذنہ"
پھر غالب ہوا اوپر عرش کے اس کے پیدا کرنے اور اسکی تدبیر کے واسطے جیسے کہ بادشاہ غالب ہوتے ہیں واسطے تدبیر مملکت کے اور ذکر اسکا سورہ اعراف میں ہو چکا ہے۔ تدبیر کرتا ہے وہ امر مخلوقات کی کو موافق حکمت کے' نہیں ہے کوئی شفارش کرنے والا کسی کا قیامت کے روز مگر پیچھے اذن دینے اس کے۔ یہ تقدیر اس کے عظمت وجلال کی ہے اور نہایت عالی ہے بارگاہ اسکی کہ بدون اس کے اذن کے کسی کا مقدور نہیں ہے کہ کسی شفارش کرے"

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 ص 17)

اس تفسیر میں بالفاظ واضح لکھا ہے کہ:

"نہیں ہے کوئی سفارش کرنے والا کسی کا قیامت کے روز مگر پیچھے اذن دینے اس کے"

پس شفاعت کے پہلے معنی کی روسے تو اس سے مراد دعا ہے چاہے جو کرے اور جو چاہے جس کے لئے کرے اور دوسروں سے بھی دعا کرنے کے لئے التماس کرسکتا ہے کہ وہ اس کے لئے خدا سے دعا کرے۔

لیکن اس کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یہ دعا کے لئے التماس کر رہا ہے یا خود اسی سے دعا کر رہا ہے اگر کوئی اسی سے دعا ر کر رہا ہے تو اسکا معنی یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہی ان کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ اور بت پرستوں کا شرک بھی اسی میں تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش یہی برساتے ہیں۔ اولاد یہی دیتے ہیں مشکلوں کو یہی حل کرتے ہیں۔ اور مصیبتوں کو بھی یہی ٹالتے ہیں لہذا وہ ان امور کے لئے ان ہی سے دعا کرتے تھے۔ اور ان ہی سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے اور شفاعت کا محض بہانہ کرتے تھے ورنہ اگر وہ اپنا شفیع بنا کر ان سے التماس دعا کرتے تو اسمیں شرک کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اور آخرت پر انکا ایمان ہی نہیں تھا۔ کہ اس سے آخرت کی شفاعت مراد ہوتی۔

اور آخرت میں شفاعت برحق ہے لیکن اسکے لئے عقیدہ کا صحیح ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر شرک سے توبہ کے بغیر موت آگئی تو پھر کوئی شفاعت نہ کریگا۔

شفاعت کے لئے اتنا بیان ہی کافی ہے۔

اب ہم اس سے آگے وسیلہ اور واسطہ کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ شفاعت کے غلط استعمال کی طرح وسیلہ اور واسطہ کے الفاظ بھی اپنے غلط عمل کو جواز کا جامہ پہنانے کے لئے اکثر لوگ بڑی کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

وسیلہ کے معنی کی تحقیق

قرآن کریم میں لفظ وسیلہ صرف دو آیات میں آیا ہے ایک سورۃ مائدہ میں جو یہ ہے کہ: "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون" (المائدہ-38)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور (اعمال نیک، واجبات، و مستحبات کو بجالا کر اور منہیات سے پرہیز کر کے) اسکے قرب کا وسیلہ طلب کرو۔ اور اسکی راہ میں جہاد کرتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ"

اکثر مفسرین کے نزدیک "وابتغوا الیہ الوسیلہ" کا مطلب ایسے اعمال ہیں جن کے کرنے سے خدا خوش ہو اور "جاھدوا فی سبیلہ" میں ضمیر متصل (ہ) کا مرجع جنہوں نے وسیلہ قرار دیا ہے انہوں نے "جاھدوا فی سبیلہ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان اعمال کے بجالانے میں پوری پوری کوشش کرو جو خوشنودی خدا کا سبب ہیں۔

اور جنہوں نے "جاھدوا فی سبیلہ میں (ہ) کی ضمیر متصل کا مرجع اللہ کو قرار دیا ہے انہوں نے جاھدوا فی سبیلہ کا مطلب اللہ کی راہ میں جہاد لیا ہے۔ اور یہ جہاد زبان

سے ہاتھ سے دل سے تلوار سے تحریر سے تقریر سے اور کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ یہ جہاد بھی صحیح ہے اور وابتغوا الیہ الوسیلہ کی مناسبت سے وسیلہ کی تلاش میں جدوجہد کرنا بھی صحیح ہے جیسا کہ قرآن کی ایک آیت میں بیان ہوا ہے جو اس کے کسی بندہ خاص کی دعا کے عنوان سے حکایتاً بیان ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے

"قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وا عمل صالح ترضہ" (الاحقاف-15)

اس نے خدا سے عرض کی پروردگار تو مجھے توفیق عطا فرما کہ تو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں میں ان احسانوں کا شکریہ ادا کروں۔ اور یہ (بھی توفیق دے) کہ میں ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند کرے یا جس سے تو راضی ہو جائے۔

بس یہی نیک کام جس سے خدا خوش ہو جائے وہ وسیلہ ہے جس سے کوئی خدا کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

دوسری آیت جس میں لفظ وسیلہ آیا ہے وہ سورۃ اسراء میں اسطرح ہے۔

"قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا، اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلہ ایھم اقرب، ویرجون رحمتہ و یخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذوراً"

(اسراء 55-56)

اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر سابقہ صفحات میں "دعا کی ہمہ گیری اور فطری اہمیت" کے عنوان کے تحت تفسیر عمدۃ البیان کی جلد دوم کے صفحہ 248 سے اور تفسیر التبیان کی جلد نمبر 7 صفحہ 1497 سے بیان ہو چکی ہے لہذا سابقہ صفحات سے مذکورہ عنوان میں مطالعہ کریں۔

وسیلہ کا لغت میں معنی

راغب اصفہانی نے اپنی لغت کی معروف کتاب ”مفردات القرآن“ میں ”الوسیلہ“ کے معنی اس طرح لکھے ہیں۔ الوسیلہ“ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ ”وابتغوا الیہ الوسیلہ“ (5-35) اور اس کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں درحقیقت ،، توسل الی اللہ“ علم وعبادت اور مکارم شریعت کی بجا آوری سے طریق الہی کی محافظت کرنے کا نام ہے اور یہی معنی تقرب الی اللہ کے ہیں“

آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ امام المتقین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نزدیک وسیلہ کا مطلب کیا ہے؟

امیر المومنینؑ کے نزدیک وسیلہ کا مطلب

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام جن سے بڑھ کر پیغمبر کے بعد اور کوئی حقیقتوں سے پردہ اٹھانے والا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی ان سے بہتر راہ ہدایت دکھانے والا ہے۔ وہ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر 108 میں وسیلہ کے بارے میں اسطرح سے ارشاد فرماتے ہیں۔ ”ان افضل ما توسل به المتوسلون الی الله سبحانه وتعالی الایمان به وبرسوله والجهاد فی سبیله فانه ذروت الاسلام ، وکلمة الاخلاص فانها الفطرة واقام الصلواة فانها الملة وایتاء الزکواة فانها فریضة واجبة وصوم سحر رمضان فانه جنة من العقاب و حج البیت واعتماره فانهما ینفیان الفقر ویرخصان الذنب الخ (نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب خطبہ نمبر 108)

یہ اس خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے ہم پورے خطبہ کا ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ

کے ترجمہ سے پیش کرتے ہیں جو اسطرح ہے۔

"اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے والوں کے لئے بہترین وسیلہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے اور اسکی راہ میں جہاد کرنا ہے کہ وہ اسلام کی سربلند چوٹی ہے۔ اور کلمہ توحید کہ وہ فطرت کی آواز ہے اور نماز کی پابندی کہ وہ عین دین ہے اور زکواۃ ادا کرنا کہ وہ فرض اور واجب ہے اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا کہ وہ عذاب کی سپر ہے، اور خانہ کعبہ کا حج اور عمرہ بجالانا کہ وہ فقر کے دور کرتے اور گناہوں کو دھودیتے ہیں۔ اور عزیزوں سے حسن سلوک کرنا کہ وہ مال کی فراوانی اور عمر کی درازی کا سبب ہے۔ اور مخفی طور پر خیرات کرنا کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور کھلم کھلم خیرات کرنا کہ وہ ذلت ورسوائی کے مواقع سے بچاتا ہے۔

اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو اس لئے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کو خواہش مند ہو کہ جس کا اللہ نے پرہیز گاروں سے وعدہ کیا ہے۔ نبی کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے اور قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اور اس میں غور وفکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ سینوں کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور اس کی خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگردان جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور حسرت وافسوس اس کے لئے لازم وضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 180 ص 198-199)

(مترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

قرآن کریم امیر المومنین علیہ السلام کے مذکورہ خطبہ اور مستند لغت کے معانی

سے ثابت ہوا کہ "وسیلہ" کے معنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان باتوں پر صحیح صحیح ایمان لانا اور اعمال صالح یعنی واجبات و مستحبات کی ادائیگی وہ وسیلہ اور ذریعہ ہیں جن کے ذریعہ انسان خدا کا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور نجات کا حقدار بن سکتا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان باتوں پر صحیح صحیح ایمان لائے اور جن جن باتوں کا خدا نے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں بجالائے اور جن باتوں سے اس نے روکا ہے ان سے رک جائے۔ اصل وسیلہ یہی ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 38 میں اور سورۃ الاسراء کی آیت نمبر 56-57 میں آیا ہے۔ وہ وسیلہ یہی ہے جسکا تفصیلی بیان حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے مذکورہ خطبہ میں فرمایا ہے۔ اور مفوضہ نے شیخیوں نے اور صوفیوں نے جس وسیلہ کو شیعہ عوام میں رواج دیا ہے وہ ایک فریب ہے۔ اور صرف اپنے عقیدے تفویض کو پردہ میں لپیٹ کر پیش کرنے والی بات ہے جہاں تک واسطہ کی بات ہے تو وہ وسیلہ سے الگ اور جدا بات ہے لہذا ہم اس سے آگے لفظ واسطہ کی تحقیق ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

واسطے سے کیا مراد ہے؟

راغب اصفہانی نے مفردات القراں میں (و س ط) کے مادہ کے تحت اسطرح لکھا ہے: وسط الشئ" ہر چیز کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے اس کے دونوں اطراف فاصلہ مساوی ہو اور لغت کی ایک اور معروف کتاب، فرہنگ عمید میں اسطرح لکھا ہے۔

وسط" میانہ، میانہ چیزی، یعنی درمیان کی چیز واسطہ، میانجی، آنچہ کہ درمیان واقع شود کسی کہ میانجی برائے انجام یافتن کاری بشود، بمعنی علت و سبب نیز می گویند"

یعنی وہ چیز جو درمیان میں واقع ہو۔ یا وہ شخص جو کسی کام کے انجام دینے میں

درمیان میں واقع ہو۔علت اور سبب کے معنی میں بھی کہتے ہیں

واسطہ کے معنی لغت سے بیان کرنے کے بعد یہ حقیر عرض کرتا ہے۔کہ حضرت علی علیہ السلام اور محمد وآل محمد علیہم السلام بلکہ تمام انبیاء ورسل اور تمام ہادیان دین یعنی آئمہ طاہرین۔خدا اور اس کے بندوں کے درمیان خدا کے احکام پہنچانے اور خدا کی طرف سے ہدایت کرنے میں بلا شک وشبہ اور یقینی طور پر واسطہ ہیں یعنی خدا نے اپنے احکام انبیاء اور رسل کے واسطے سے وحی کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں اور اس کے بندوں تک ہدایت انبیاء ورسل اور آئمہ ھدیٰ کے واسطے سے ہی پہنچی ہے یعنی انبیاء ورسل اور آئمہ ھدیٰ خدا اور اس کے بندوں کو درمیان میں ہیں خدا نے انبیاء ورسل کو احکام وہدایات دی ہیں اور انبیاء ورسل اور ہادیان دین نے وہ احکام اور ہدایات اس کے بندوں تک پہنچائے ہیں پس بلا شک وشبہ تمام انبیاء ورسل اور تمام آئمہ ھدیٰ خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے خدا کے اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔اور اس مطلب پر بیشمار قرآنی نصوص موجود ہیں۔اور قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

لیکن خلق کرنے، رزق دینے، مارنے جلانے اور نظام کائنات چلانے کے لئے ان کو واسطہ سمجھنا قطعی غلط اور باطل ہے۔نہ خدا نے انہیں خلق کرنے کے لئے واسطہ بنایا ہے نہ انہیں رزق دینے کے لئے واسطہ بنایا نہ موت وحیات کے لئے واسطہ بنایا۔اور قرآن کریم میں اس مطلب کو شرک قرار دینے والی تو بہت سے صریح آیات موجود ہیں۔لیکن اس مطلب کے ثبوت میں ایک بھی صریح نص موجود نہیں ہے۔

بیشک خدا مسبب الاسباب ہے۔وہ ان کاموں کے لئے بھی جو سبب چاہے پیدا کرتا ہے اسی لئے وہ انکی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔

"وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (هود-6)

اور زمین پر چلنے والے زندہ جانداروں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسکی روزی خدا کے ذمہ نہ ہو۔ ہر ایک جاندار کو رزق اور روزی دینے والا وہی ہے۔

اور ایک مقام پر اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

" اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمتکم ثم یحیکم ھل من شرکاء کم من یفعل من ذالکم من شیء سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون "

خدا ہی وہ (قادر و توانا) ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر اسی نے تمہیں روزی دی۔ پھر وہی تم کو مار ڈالیگا۔ پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کریگا۔ بھلا تمہارے بنائے ہوئے خدا کے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی سا کام بھی کر سکے۔ جسے وہ لوگ اللہ کا شریک بناتے ہیں اسکی ذات ان کے اس شرک سے پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خلق کرنے، رزق دینے جیسے امور کی کسی کی طرف نسبت کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔

جہاں تک خلق کرنے کا تعلق ہے تو اسکا بیان سابق میں گزر چکا ہے کہ خدا نے زمین اور آسمانوں کے خلق کرنے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو خلق کرنے میں نہ تو کسی سے مشورہ لیا۔ نہ ہی کسی کو گواہ بنایا۔ اور نہ ہی کوئی اور مخلوق اس وقت موجود تھی حتیٰ کہ فرشتے بھی آسمانوں کی خلقت کے وقت موجود نہ تھے انکو خدا نے آسمانوں اور زمین کو خلق کرنے کے بعد ان میں پیدا کر کے بسایا اور اس پر امیر المومنین کا نہج البلاغہ کا خطبہ نمبر 1 اور خطبہ نمبر 189 گواہ ہے۔

جہاں تک رزق کا تعلق ہے تو خداوند تعالیٰ کے رزق کا دستر خوان ہر جاندار کے لئے بچھا ہوا ہے۔ اور اس نے ہر جاندار کو رزق پہنچانے کا عجیب و غریب انتظام کیا ہے۔

فارسی کے ایک شاعر صائب کا ایک شعر انتہائی طور پر مبنی بر حقیقت ہے وہ کہتا ہے

کہ: چرا غم میخوری از بہر روزی در جہاں صائب

کہ پیش از طفل در پستان مادر شیر می آید۔

یعنی اے صائب تو دنیا میں روزی کے لئے کیوں فکر کرتا ہے۔ دیکھتا نہیں کہ بچہ پید ا بعد میں ہوتا ہے لیکن اسکی ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے آجاتا ہے

اور ایک ہندی کے شاعر نے بھی رزق کے باری تعالی کی طرف سے ہونے کے بارے میں کیا خوب کہا ہے وہ کہتا ہے:۔

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو

جب دانت دیو کے ان نہ دیو

یعنی جب دانت نہیں تھے تب اس نے دودھ کا بندوبست کیا اور اسکی پیدائش سے پہلے ہی اس کی ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیا جب اس نے دانت دیے ہیں تو کیا وہ ٹھوس غذا کا بندوبست نہ کریگا۔

دعاھائے ماثورہ میں واسط، وسیلہ اور شفاعت کے الفاظ کا مطلب کیا ہے۔؟

دعاھائے ماثورہ میں جو "اللھم بحق محمد و آل محمد" کے الفاظ آئے ہیں جسکا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ "بار الھا محمد و آل محمد کے حق کا واسطہ اور دعا توسل میں جو چہاردہ معصومین علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ" انا توجھنا و استشفعنا و توسلنا بک الی اللہ و قدمناک بین یدی حاجاتنا یا وجیھا عند اللہ اشفع لنا عند اللہ" تو ان دونوں کا مطلب بھی وہی ہے جو ہم نے شفاعت اور وسیلہ اور واسطہ کے معنی کی تحقیق کے بیان میں پیش کیا ہے اور اس کے بالکل خلاف نہیں ہے۔ یہ

دونوں طریقے علیحدہ علیحدہ عنوان ہیں۔ جہاں بندہ یہ کہتا ہے کہ اللھم بحق محمد وآل محمد وہاں بندہ براہ راست خدا سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور اسے اس حق کا واسطہ دیتا ہے جو اس نے خود سے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے اور وہ حق جو اس نے محمد وآل محمد کا اپنے او پر لازم قرار دیا ہے وہ ہے۔ "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی"۔ یعنی اللہ نبی پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا اور فرشتے بھی ان پر نزول رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اللہ کی رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہینگے۔ یہ وہ حق ہے جو اللہ نے محمد وآل محمد کا اپنے اوپر قرار دے لیا ہے۔ اور اہل ایمان کو بھی حکم دیتا ہے کہ "یا ایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلمو ا تسلیما" اے ایمان والو تم بھی اس پر درود بھیجو یعنی طلب رحمت کی دعا کرو اور انکی اطاعت بھی کرو جو اطاعت کرنے کا حق ہے اور جب بندہ ایک دفعہ درود بھیجتا ہے تو خدا کے وعدہ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشاد کے مطابق وہ خود دس نیکیوں کا مستحق بنجاتا ہے تو یہ نیکیاں اس کو محمد وآل محمد پر درود بھیجنے کی وجہ سے اور ان پر درود بھیجنے پر ملی ہیں اور ان پر درود بھیجنا ان دس نیکیوں کے حصول میں واسطہ ہے۔ اور دعا توسل کے الفاظ تو بالکل واضح ہیں بندہ خود کو بارگاہ سلطانی میں عرض ومعروض کا اہل نہیں سمجھتا۔ لہذا وہ بارگاہ خداوندی میں اپنی دعاؤں کے لئے وسیلہ بناتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے انکو وسیلہ بنا کر ان سے شفاعت کی درخواست کرتا ہے۔ اور یوں کہتا ہے کہ "یا وجیھا عند اللہ الشفع لنا عند اللہ" اے بارگاہ خداوندی میں قابل قدر ہستیوں میں آپکی شفاعت کا طلبگار ہوں لہذا آپ میری حاجات کے برآنے کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں اور دعائے توسل کے بعد ایک مختصر دعا کا ذکر بھی ہے۔ جس میں بھی۔ توجھت بکم الی اللہ وتوسلت بکم اللہ واستشفعت بکم الی اللہ کے بعد فاشفعوا لی عند اللہ ہے۔ یعنی یہ توجہ یہ توسل طلب شفاعت کے لئے ہے یعنی بندہ جیارده.

معصومین علیہم السلام سے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرنے کی درخواست کر رہا ہے او شفاعت میں درخواست کرنے کے بعد کہتا ہے آپ میرے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں۔

یہ دونوں طریقے درست ہیں اگر خدا سے براہ راست مانگے تو انکے حق کا واسطہ دے یعنی ان پر درود بھیج کر حاجتیں برآنے کے لئے مستحق بنے اور اگر محمد و آل محمد علیہم السلام کو مخاطب کرے تو ان سے شفاعت کی درخواست کرے اور یہ وہی شفاعت ہے جو دعا کے معنی میں ہے۔ یعنی ان سے اپنے حق میں دعا کرنے کی درخواست کرے اور اس مقصد کے لئے انکی طرف متوجہ ہو اور انکو دعا کرنے کے لئے وسیلہ بنائے اور یہ بات پروردگار عالم کی عظمت کے اعتراف کے معنی میں ہے کہ بندہ خود کو بارگاہ سلطانی میں عرض و معروض کا اہل نہیں سمجھتا لہذا وہ ان ہستیوں سے جو مقبول بارگاہ خداوندی ہیں دعا کی درخواست کرتا ہے۔

مفوضہ، صوفیہ، اور مذہب شیخیہ نے اہل اسلام کو مشرک اور ناکارہ بنادیا

قرآن کریم نے آسمان وزمین سے رزق کے اسباب کو جس طرح سے بیان کیا ہے اس میں کوئی بھی خدا کا شریک نہیں ہے۔ لیکن اسکا حکم یہ ہے کہ میرا یہ دستر خوان سب کے لئے یکساں ہے اور اس میں سب برابر کے حصہ دار ہیں سوائے "سواء للسائلین" لیکن ہر ایک کو اسکی کوشش کے مطابق ملے گا۔ لیس الانسان الا ماسعی" انسان کو ملے گا اتنا ہی جتنا وہ کوشش کریگا۔

بیشک خدا رازق ہے اسکے رزق کا دستر خوان ہر خواص و عام کے لئے بچھا ہوا ہے۔ مگر وہ حاصل تو نے خود اپنی کوشش سے کرنا ہے اسی لئے ہادیان دین نے کسب معاش کو عبادت قرار دیا ہے۔ اور اس کا عملی نمونہ خود پیش کر کے دکھایا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا

اگر ایک شخص ایک رسی لیکر پہاڑوں میں جائے اور لکڑیاں اکٹھی کرے پھر انہیں کندھے پر اٹھائے اور ان کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی پوری کرے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اپنی حاجات کے لئے دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرے"

(اسلام دین فطرت جامعہ تعلیمات اسلامی ص 18)

امام ہشتم علی ابن موسی الرضا علیہ السلام نے کام کو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص اپنے اور اپنے عیال کے اخراجات پورے کرنے کے لئے محنت اور کوشش کرے اور اپنی روزی اللہ تعالی کے فضل سے کام اور مشقت کی روشنی میں تلاش کرے تو اسکی جزا اور اجر اس شخص کی جزا اور اجر سے زیادہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے

(اسلام دین فطرت جامعہ تعلیمات اسلامی ص 19)

(بحوالہ وسائل الشیعہ)

یہی مصنف پیشوایان اسلام کی سیرت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

"اسلام کے جلیل القدر پیغمبر حضرت محمد بن عبداللہ سالہا سال تک گلہ بانی اور تجارت میں مشغول رہے امام علی علیہ السلام کھیتی باڑی اور شجر کاری کرتے تھے تمام پیشوایان اسلام کام کاج کرتے تھے اور مفید کاروبار سے جو کچھ حاصل ہوتا اس سے لذت اٹھاتے تھے۔

(اسلام دین فطرت جامعہ تعلیمات اسلامی ص 23)

تعجب کی بات یہ ہے کہ مولا علی تو یہودیوں کے باغ میں آبیاری کر کے ان کے درختوں کو اجرت پر پانی دیکر اپنے ماننے والوں کو یہ سبق دیتے تھے کہ اللہ کے رزق کا دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ اس کے حاصل کرنیکا طریقہ علی تمہیں بتاتا ہے۔ یہ میری طرف دیکھو اور میرے عمل سے سبق سیکھو۔ اور حصول رزق کے لئے میری پیروی کرو۔ لیکن آج مفوضہ

کے صوفی شیعوں کے اور شیخیوں کے بہکائے میں آ کر بہت سے شیعوں کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ مولا علی رزق دیتے ہیں۔ مولا علی کا دیا ہوا سب کچھ ہے وغیرہ۔

صوفیا آئمہ اطہار کے زمانے میں پیدا ہو چکے تھے اور وہ ان پر اکثر اعتراض کرتے تھے۔ حتیٰ کے ان کے کسب معاش پر بھی زبان طعن دراز کرتے تھے "اسلام دین فطرت" میں ایک صوفی کے ایسے ہی طعن کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ:

"محمد بن منکدر جس کا شمار تارک الدنیا صوفیوں میں ہوتا تھا کہتا ہے کہ: ایک دن جب کہ میں مدینہ کے نواح میں ایک بستی میں گیا ہوا تھا۔ میں نے امام محمد باقرؑ کو دیکھا کہ اپنے دو خدمت گاروں کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے اور اس حالت میں کہ آپ کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ کھیتی باڑی کے کام سرانجام دینے کے لئے اپنے کھیتوں کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ قریش کا یک بزرگ اس شدید گرمی میں اس حالت میں دنیا کی طلب میں جارہا ہے۔ مجھے چاہیئے کہ میں اس سے مل کر نصیحت کروں ۔ یہ ارادہ کر کے میں امام علیہ السلام کے پاس گیا اور سلام کے بعد کہا" اس شدید گرمی میں آپ دینا کی طلب میں جارہے ہیں۔ اگر اس وقت آپ کی موت واقع ہو جائے تو آپ کی کیا حالت ہو گی؟ امام عالی مقام رک گئے۔ اور ایسے صریح اور قاطع انداز میں جس سے اسلامی تعلیمات کی عظمت مترشح تھی مجھ سے فرمایا: "اگر اس حالت میں میری موت واقع ہو جائے تو میں عین اس وقت دنیا سے آنکھیں بند کرونگا جب کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہونگا۔ میں اس لئے کام کرنے جارہا ہوں کہ تمہارا اور تم جیسے دوسرے شخص کا محتاج نہ رہوں۔ اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات زندگی پوری کروں۔ اور اگر اس حالت میں مجھے موت آجائے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں"

محمد بن منکدر شرمندہ ہو گیا اور اپنے بے بنیاد اور بچگانہ اعتراض پر معذرت کرتے

ہوے کہنے لگا: میں برعم خود آپ کو صحیح مشورہ دینا چاہتا تھا لیکن آپ نے مجھے نصیحت فرمائی ہے اور ایک بہت بڑی غلط فہمی سے نجات دلا دی ہے"

(اسلام دین فطرت جامعہ تعلیمات اسلامی ص 23-24)

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے شیعوں نے حضرت علی علیہ السلام اور آئمہ اطہار علیہم السلم کی تعلیمات اور سیرت طیبہ کو یکسر بھلا دیا ہے اور نصیریہ کے، مفوضہ کے، شیخیوں کے اور صوفی شیعوں کے بہکائے میں آ کر زبانی کلامی "یا علی مدد" کہنے کو ہی وسیلہ سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ حضرت علی علیہ السلام نے جو کچھ مدد کرنی تھی وہ اپنے بعد کے لئے بھی اپنی زندگی میں ہی کر گئے ہیں۔ ان کے خطبات ،انکی دعائیں۔ انکے کلمات قصار۔ انکی سیرت۔ انکا عملی کردار، انکے شیعوں کے لئے انکی عملی زندگی کے لئے بہترین مددگار ہے۔

کیا یا علی مدد کہنا وسیلہ اور واسطہ کے معنیٰ دیتا ہے؟

وسیلہ اور واسطہ کے معنی ومفہوم کی اس تحقیق کو جان لینے کے بعد ہر کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ "یا علی مدد" کہنا نہ تو وسیلہ کے معنی میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی واسطہ کے معنی میں، بلکہ یہ صرف نصیریوں کی مفوضہ کی صوفی شیعوں کی اور شیخیوں کی نقل ہے۔ کیونکہ خود امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ارشادات اور فرمان کے مطابق وسیلہ کے معنی خدا سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ان باتوں پر ایمان لانا جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور صحیح عقیدہ کے ساتھ ان اعمال کا بجا لانا جو واجب ہیں اور مستحب ہیں جن سے خدا کا تقرب حاصل ہو سکے اور اسکی تفصیل امیر المومنین نے اپنے خطبہ میں خود بیان کر دی ہے جو سابق میں بیان ہو گیا ہے۔

جہاں تک واسطہ کا تعلق ہے تو یہ دو طرح سے ہے ایک اسطرح سے ہے. جسطرح سے شیخ احمد احسائی نے اپنے جدید فلسفہ علل اربعہ کے تحت بیان کیا ہے کہ کائنات میں کوئی چیز وجود میں آ ہی نہیں سکتی، مگر جو بھی چیز وجود میں آتی ہے وہ ان کے واسطے سے آتی ہے۔ یعنی جو کچھ کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں خلق یہ کرتے ہیں رزق یہ دیتے ہیں مارتے یہ ہیں جلاتے یہ ہیں۔ غرض سارا نظام کائنات یہ چلاتے ہیں۔ اور یہ وہی مفوضہ والا عقیدہ ہے جسے آئمہ طاہرین نے شرک قرار دیا ہے چاہے کوئی معجزات کو دلیل بنا کر یہ عقیدہ اپنائے اور چاہے کوئی جدید فلسفہ علل اربع کو دلیل بنا کر یہ عقیدہ اپنائے یہ ہر صورت میں شرک ہے۔ لہٰذا اس معنی میں واسطہ سمجھتے ہوئے یا علی مدد کہنا حتماً شرک ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو خلق کرنے رزق دینے مارنے اور زندہ کرنے اور کائنات کا نظام چلانے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔

البتہ وہ خدا کے احکام پہنچانے اور لوگوں کو ہدایت کرنے میں حتمی اور یقینی طور پر واسطہ ہیں۔ اور اس بارے میں قرآن کریم کی بیشمار نصوص موجود ہیں۔ اور وہ اپنا یہ فرض ادا کر کے گئے ہیں۔ اور اپنی تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے ہیں۔ تاکہ ان کے پیروکار اور ماننے والے زبانی کلامی "یا علی مدد" کے سوکھے پھیکے نعرے نہ لگاتے رہیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات سے عملی طور پر مدد حاصل کریں اور وہ ہمیں یہ بتلا کر گئے ہیں۔ کہ اپنی طلب حاجات کس کے سامنے پیش کرنی چاہیئے۔؟ دعائیں کس سے مانگنا چاہیئے اور دعا مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس مسئلہ میں قرآن کریم، نہج البلاغہ اور امام سجاد علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ سجادیہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

پس ہدایت کے حصول کے لئے ان کے واسطہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر صحیح صحیح ایمان لایا جائے اور ان کے احکام اور فرمودات اور ان کے ارشادات اور انکی ہدایات پر

عمل کیا جائے تو ان کے یہ ارشادات وفرمودات انسان کو اپنی عملی زندگی میں مدد کرتے

ہوئے نظر آئینگے۔

طلب حاجات اور دعا کے بارے میں خدا کے ارشادات

جہاں تک خدا سے طلب حاجات کے لئے دعا کرنے کا تعلق ہے تو دعا کرنے

کے بارے میں خدا کا ارشاد یہ ہے۔

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی

سیدخلون جھنم داخرین (المومن-60)

اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو۔ میں تمہاری دعا کو قبول کرونگا۔

جولوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل وخوار ہو کر یقیناً جہنم میں داخل ہونگے

اس آیت میں خدا نے اپنے سے طلب حاجات کے لئے دعا کرنے کو عبادت

قرار دیا ہے اور اس سے طلب حاجات کے لئے دعا نہ کرنے والوں کو اپنی عبادت سے

استکبار کرنے والے اور اکڑنے والے کہا ہے اور انہیں جہنم کا مستحق گردانا ہے۔

اور امام زین العابدین علیہ السلام نے اسی آیت کے حوالے سے کہا ہے کہ بارالہا

تو نے اپنے سے دعا کرنے کو عبادت قرار دیا ہے اور اسکو ترک کرنے کو استکبار سے تعبیر کیا ہے۔

اور سورۃ بقرہ میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوت الداع اذا

دعان فلیستجیبوالی ولیومنوابی لعلھم یرشدون" (البقرۃ-186)

اے رسول جب میرے بندے میرا حال تم سے پوچھیں تو کہہ دو میں ان کے پاس

ہی ہوں۔ اور جب کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں ہر دعا کرنے والی کی دعا کو قبول کرتا ہوں

پس انہیں چاہیے کہ میرا ہی کہنا مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ سیدھی راہ پر آ جائیں۔

امام چہارم کا دعا کے بارے میں ارشاد اور شیعوں کیلئے سبق

امام چہارم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ کی ساتویں دعا میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"یامن تحل به عقد المکاره ویامن یفثا به حد الشدائد ، و یامن یلتمس منه المخرج الی روح الفرج ذلت لقدرتک الصعاب وتسببت بلطفک الاسباب، وجری بقدرتک القضاء و مضت علی ارادتک الاشیاء فهی بمشیتک دون قولک موتمرت و بارادتک دون نهیک منزجرة انت المدعو للمهمات وانت المفزع فی الملمات لا یندفع منها الا ما دفعت ولا ینکشف منها الا ما کشفت ..الخ

(صحیفہ کاملہ دعا نمبر 7 ص 138)

ترجمہ: اے وہ کہ جس کے ذریعہ مصیبتوں کے بندھن کھل جاتے ہیں۔ اے وہ کہ جس کے باعث سختیوں کی باڑھ کند ہو جاتی ہے۔ اے وہ جس سے (تنگی و دشواری سے) وسعت و فراخی کی آسائش کی طرف نکال لیجانے کی التجا کی جاتی ہے۔ تو وہ ہے کہ تیری قدرت کے آگے دشواریاں آسان ہو گئیں اور تیرے لطف سے سلسلہ اسباب برقرار رہا۔ اور تیری قدرت سے قضا کا نفاذ ہوا اور تمام چیزیں تیرے ارادے کے رخ پر گامزن ہیں وہ بن کہے تیری مشیت کی پابند اور بن روکے خود ہی تیرے ارادے سے رکی ہوئی ہیں۔ مشکلات میں تجھے ہی پکارا جاتا ہے اور بلیات میں تو ہی جائے پناہ ہے۔ ان میں سے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ٹال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے

(ترجمہ صحیفہ کاملہ دعا نمبر 7 ص 138)

امام عالی مقام کی دعا کے یہ الفاظ شیعان علی کے لیے صحیح عقیدہ جاننے کی ایک کسوٹی ہیں۔ امام علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی۔ مگر جسے تو ٹال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے۔ قرآن کی آیت ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف له الاهو کی صحیح ترین اور بہترین تفسیر ہے۔

اس طرح امام عالی مقام صحیفہ کاملہ ہی کی دعا نمبر 13 میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں

''اللھم یا منتھیٰ مطلب الحاجات ، یا من عنده نیل الطلبات، ویا من لا یبیع نعمه بالاثمان ویامن لا یکدر عطایا ہ بالامتنان و یامن یستغنی به ولا یستغنیٰ عنه . ویا من یرغب الیه ولا یرغب عنه و یامن لا تفنی خزانه المسائل. ویامن لا تبدل حکمته الوسائل ، ویامن لا تنقطع عنه حوائج المحتاجین، ویامن لا یعنیه دعا الداعین ،تمدحت بالغنا ء عن خلقک وانت اهل الغنیٰ عنهم ، ونسبتهم الی الفقر وهم اهل الفقر الیک فمن حاول سد خلته من عندک ورام صرف الفقر عن نفسه بک فقد طلب حاجته فی مظانها واتیٰ طلبته من وجهها ومن توجه بحاجته الی احد من خلقک او جعله سبب نجحها دونک فقد تعرض للحرمان واستحق من عندک فوت الاحسان ، الهم ولی الیک حاجة قد قصر عنها جهدی وتقطعت ، دونها حیلی وسولت لی نفسی رفعها الی من یرفع حوائجه الیک ولا یستغنی فی طلباته عنک وهی ذلة من ذلل الخاطئین وعثرة من عثرات المذنبین ثم انتبهت بتذکیر ک لی من غفلتی ونحضت بتوفیقک. من زلتی و رجعت ونکصت بتسدیدک عن عثرتی وقلت

سبحان ربی کیف یسئل محتاج محتاجا و الی یرغب معدم الی معدم الخ

(صحیفہ کاملہ فی طلب الحوائج ص 165-166)

اے معبود اے وہ جو طلب حاجات کی منزل منتہا ہے اے وہ جس کے یہاں مرادوں تک رسائی ہوتی ہے۔ اے وہ جو اپنی نعمتیں قیمتوں کے عوض فروخت نہیں کرتا اور وہ اپنے عطیوں کا احسان جتا کر مکدر نہیں کرتا۔ اے وہ جس کے ذریعہ بے نیازی حاصل ہوتی ہے۔ اور جس سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا۔ اے وہ جس کی خواہش اور رغبت کی جاتی ہے اور جس سے منہ موڑا نہیں جا سکتا اے وہ جس کے خزانے طلب وسوال سے خالی نہیں ہوتے۔ اور جس کی حکمت و مصلحت کو وسائل و اسباب کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اے وہ جس سے حاجت مندوں کا رشتہ احتیاج قطع نہیں ہوتا۔ اور جسے پکارنے والوں کی صدا خستہ نہیں کرتی۔ تو نے خلق سے بے نیاز ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور تو یقیناً ان سے بے نیاز ہے اور تو نے ان کی طرف فقر و احتیاج کی نسبت دی ہے اور وہ بے شک تیرے محتاج ہیں لہذا جس نے اپنے افلاس کے دفع کرنے کے لئے تیرا ارادہ کیا اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لئے تیرا قصد کیا اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا۔ اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا۔ اور جو اپنی حاجت کو لیکر مخلوقات میں سے کسی ایک طرف متوجہ ہوا یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت براری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرمان سے دوچار اور تیرے احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔

بارالہا میری تجھ سے ایک حاجت ہے جسے پورا کرنے سے میری طاقت جواب دے چکی ہے اور میری تدبیر چارہ جوئی بھی ناکام ہو کر رہ گئی ہے۔ اور میرے نفس نے مجھے یہ بات خوشنما صورت میں دکھائی کہ میں اپنی حاجت کو اس کے سامنے پیش کروں جو خود اپنی حاجتیں تیرے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے مقاصد میں تجھ سے بے نیاز نہیں ہے۔ یہ سراسر

خطا کاروں کی خطاؤں میں سے ایک خطا اور گنہگاروں کی لغزشوں میں سے ایک لغزش تھی۔
لیکن تیرے یاد دلانے سے میں غفلت سے ہوشیار ہوا۔ اور تیری توفیق نے سہارا دیا تو ٹھوکر کھانے سے سنبھل گیا۔ اور تیری رہنمائی کی بدولت اس غلط اقدام سے باز آیا اور واپس پلٹ آیا اور میں نے کہا واہ سبحان اللہ کس طرح ایک محتاج دوسرے محتاج سے سوال کرسکتا ہے۔ اور کہاں ایک نادار دوسرے نادار سے رجوع کرسکتا ہے۔ الخ۔

(صحیفہ کاملہ دعا فی طلب الحوائج ترجمہ سرکار علامہ مفتی جعفر حسین ص 165-166)

امام عالی مقام کی اس دعا کا ایک ایک فقرہ قابل غور ہے اور بار بار پڑھنے کے لائق ہے امام عالیمقام نے کتنے پیارے انداز میں کتنے موثر طریقے سے۔ کتنے عام فہم الفاظ میں خود اپنے اوپر رکھ کر اہل ایمان کو دعا کے پردے میں سبق دیا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعا امام علیہ السلام کو اپنا چوتھا امام مانتا ہے تو اسے امام علیہ السلام کی بات کا یقین کرنا چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ خدا کی قسم امام ہرگز لغزش نہیں کرسکتے۔ امام ہرگز غلطی نہیں کرسکتے۔ امام ہرگز گناہ نہیں کرسکتے اور کیسے لغزش کرسکتا ہے۔ اور غلطی کرسکتا ہے وہ شخص جسے خدا نے مصطفےٰ بنایا ہے جس کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے اور کیسے گناہ کرسکتا ہے وہ شخص جسے خدا نے مجتبیٰ بنایا ہے اور جس کا خدا نے اجتبےٰ کیا ہے جو "یطھر کم تطھیر" کی فرد ہے مگر خود اپنے اوپر رکھ کر اپنے ماننے والوں کو بتلا رہے ہیں۔ اور کس طرح دعا کے پردے میں شیعوں کو سمجھا رہے ہیں۔ اور کتنے اچھے انداز میں اپنے محبوں کو سبق دے رہے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کے سامنے اپنی حاجت برآری کے لئے دعا نہ کرنا اور کسی اور کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھنا۔ امام علیہ السلام نے اپنا فرض ادا کردیا ہے۔ لیکن اگر کوئی امام کی بات پر کان ہی نہ دھرے، امام کے ارشادات کی طرف رجوع ہی نہ کرے۔ اور نصیریوں مفوضہ، صوفیوں اور شیخیوں کے بہکانے میں آکر انکی ہی پیروی کرتے رہیں۔ تو وہ اس شرک میں مبتلا ہونگے جس شرک

میں وہ مبتلا ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کا دعا کا بارے میں ارشاد

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

" اخلصوا فی المسئلة لربک فان بیده العطاء و الحرمان و اکثر الاستخارة "

(نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31 ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ ص 664)

ترجمہ: صرف اپنے پروردگار سے سوال کرو کیونکہ دینا اور نہ دینا بس اسی کے اختیار میں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اپنے اللہ سے بھلائی کے طالب ہو"

یہ حکم ہے مولا علی کا یہ ارشاد ہے مولا علی کا یہ فرمان ہے مولا علی کا، مگر مفوضہ کے صوفیوں کے اور شیخیوں کے بہکائے میں آ کر بہت سے شیعوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مولا علی دیتے ہیں۔ مولا علی کا دیا ہوا سب کچھ ہے کیا واقعا یہ لوگ مولا علی کو اپنا مولا مانتے ہیں۔ اگر یہ ان کو مولا مانتے ہوتے تو ان کے حکم اور انکے فرمان پر عمل کرتے اور ہرگز یہ نہ کہتے۔ اس وصیت میں پھر آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں۔

" واعلم ان الذی بیده خزائن السموات و الارض قد اذن لک فی الدعا ، وتکفل لک بالاجابة. وامرک ان تسئاله لیعطیک وتسترحمة لیرحمک ولم یجعل بینک وبینه من یحجبه وعنک ولم یلجئک الی من یشفع لک الیه "الخ

یہ وصیت بڑی طویل ہے یہاں سے صرف صفحہ 672 اور صفحہ 673 کے الفاظ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں

ترجمہ: یقین رکھو کہ جس کے قبضہ قدرت میں آسمان وزمین کے خزانے ہیں اس نے تمہیں سوال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ تم اسی سے مانگوتا کہ وہ تمہیں دے۔ رحم کی اس سے درخواست کروتا کہ وہ تم پر رحم کرے۔ اس نے اپنے اور تمہارے درمیان دربان کھڑے نہیں کئے۔ جو تمہیں روکتے ہوں۔ نہ تمہیں اس پر مجبور کیا ہے کہ تم کسی کو اس کے یہاں سفارش کے لئے لاؤ۔ تب ہی کام ہو اور تم نے گناہ کئے ہوں تو اس نے تمہارے لئے توبہ کی گنجائش ختم نہیں کی ہے۔ نہ سزا دینے میں جلدی کی ہے۔ اور نہ توبہ وانابت کے بعد وہ کبھی طعنہ دیتا ہے (کہ تم نے پہلے یہ کیا تھا یہ کیا تھا) نہ ایسے موقعوں پر تمہیں رسوا کیا کہ جہاں تمہیں رسوا ہونا چاہئے تھا۔ اور نہ اس نے توبہ کے قبول کرنے میں کڑی شرطیں لگا کر تمہارے ساتھ سخت گیری کی ہے۔ نہ گناہ کے بارے میں تم سے سختی کے ساتھ تم سے جرح کرتا ہے۔ اور نہ اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہے بلکہ اس نے کنارہ کشی کو بھی ایک نیکی قرار دیا ہے۔ اور برائی ایک ہو تو اسے ایک برائی اور نیکی ایک ہو تو اسے دس نیکیوں کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ جب بھی اسے پکارو وہ تمہاری سنتا ہے۔ اور جب بھی راز و نیاز کرتے ہوئے۔ اس سے کچھ کہو وہ جان لیتا ہے۔ تم اس سے مرادیں مانگتے ہو اور اس کے سامنے دل کے بھید کھولتے ہو۔ اس سے اپنے دکھ درد کا رونا روتے ہو۔ اور کاموں میں مدد مانگتے ہو۔ اور اسکی رحمت کے خزانوں میں سے وہ چیزیں طلب کرتے ہو جن کے دینے پر اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے عمروں میں درازی جسمانی محنت و توانائی اور رزق میں وسعت، اور اس پر اس نے تمہارے ہاتھ میں اپنے خزانوں کو کھولنے والی کنجیاں دے دی ہیں اس طرح کہ تمہیں اپنی بارگاہ میں سوال کا طریقہ بتایا۔ اس طرح جب تم چاہو۔ دعا کے ذریعہ اس کی نعمت کے دروازوں کو کھلوا لو اس کی رحمت کے جھالوں کو برسالو۔

ہاں بعض اوقات قبولیت میں دیر ہوتو اس سے ناامید نہ ہو۔اس لیے کہ عطیہ نیت کیمطابق ہوتا ہے۔اوراکثر قبولیت میں اس سے دیر کیجاتی ہے کہ سائل کے اجر میں اور اضافہ ہو۔اورامیدوار کو عطیے اور ملیں۔اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز مانگتے ہواوروہ حاصل نہیں ہوتی۔مگر دنیا یا آخرت میں اس سے بہتر چیز تمہیں مل جاتی ہے یا تمہارے کسی بہتر مفاد کے پیش نظر تمہیں اس سے محروم کردیا جاتا ہے۔اس لئے کہ تم کبھی ایسی چیزیں بھی طلب کرتے ہو کہ اگر تمہیں دیدی جائیں تو تمہارا دین تباہ ہوجائے۔لہذا بس تمہیں وہ چیز طلب کرنا چاہیے جسکا جمال پائیدار ہو۔اور جس کا وبال تمہارے سر پر نہ پڑنے والا ہو۔رہا دنیا کا حال نہ یہ تمہارے لئے رہے گا۔اور نہ تم اس کے لیے رہوگے"

(نہج البلاغہ جلد سوم وصیت نمبر 31 ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب ص 672-673)

آئمہ اطہار کی تعلیم کردہ دعائیں کیا سبق دیتی ہیں۔

آئمہ اطہار علیہم السلام نے ہدایت خلق کے لیے جتنے طریقے اختیار کیے ان میں سے ایک اپنی دعاؤں کے ذریعہ اس بات کی تعلیم دینا ہے۔کہ اپنی حاجات طلب کرنے کے لئے مشکلات کے حل، پریشانیوں اور مصائب کے ٹالنے کے لئے خدا کے سوااور کسی کے سامنے اپنی حاجات کے لئے التجاء نہ کرے۔

دعائے کمیل وہ مشہور ومعروف دعا ہے جو امیر المومنین علیہ السلام نے کمیل ابن زیاد کو تعلیم فرمائی تھی اس کا فقرہ اس طرح ہے" الھی وربی من لی غیرک اسئلہ کشف ضری والنظر فی امری (دعائے کمیل)

اے میرے معبود میرے پروردگار تیرے سوا کون ہے جس سے میں سوال کروں التجا کروں درخواست کروں کہ میری تکلیف دور کردے اور میرے معاملہ پر نظر رکھے۔

دعائے یستشیر وہ معروف دعا ہے جس کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ یہ دعا مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے تعلیم فرمائی اور یہ حکم بھی دیا کہ میں اپنے جانشین کو بھی اسکی تعلیم دوں اس دعا کا ایک فقرہ اسطرح ہے۔

فانا اشهد بانک انت الله لا رافع لما وضعت ولا واضع لما رفعت ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت"

میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو ہی اللہ ہے جسے تو پست کردے اس کا کوئی بلند کرنے والا نہیں ہے اور جسے تو بلند کردے اس کا کوئی پست کرنے والا نہیں ہے جسے تو ذلیل کرے اسکو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ اور جسے تو عزت دے اسکا کوئی ذلیل کرنے والا نہیں ہے۔ جسے تو عطا کرے اسکا کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اور جسے تو روک دے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔

ابوحمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام رمضان المبارک کی راتیں نماز میں گزارتے اور سحری کے وقت یہ دعا پڑھتے، چونکہ یہ روایت ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے اس نے لئے یہ دعا 'دعائے ابوحمزہ ثمالی کے نام سے معروف ہے اس کے چند فقرے اس طرح ہے۔

"الحمد لله الذی اسئله فیعطینی وان کنت بخیلاً حین یستقرضنی. والحمد لله الذی انا دیه کلما شئت لحاجتی واخلو به حیث شیت لسری بغیر شفیع . فیقضی لی حاجتی الحمدلله الذی لا ادعوا غیره ولو دعوت غیره لم یستجب لی دعائی ، والحمد لله الذی لا ارجو غیره ولو رجوت غیره لاخلف رجائی (دعا ابوحمزہ ثمالی)

حمد ہے اس اللہ کے لئے کہ میں اس سے مانگتا ہوں تو وہ مجھے عطا کرتا ہے۔ اگرچہ جب وہ مجھ سے قرض کا طالب ہوتا ہے تو میں کنجوسی کرتا ہوں حمد ہے اس اللہ کے لئے جب چاہوں میں اسے اپنی حاجت کے لئے پکارتا ہوں اور جب چاہوں تنہائی میں بغیر کسی سفارش کے اس سے راز و نیاز کرتا ہوں تو وہ میری حاجت پوری کر دیتا ہے۔ حمد ہے اس اللہ کے لئے کہ میں جس کے سوا اور کسی سے دعا نہیں کرتا اور اگر میں اس کے غیر سے دعا کروں تو وہ میری دعا کو قبول نہ کریگا۔ حمد ہے اس اللہ کے لئے کہ میں جس کے غیر سے امید نہیں رکھتا اور اگر میں اس کے غیر سے امید رکھوں تو وہ میری امید کو پوری نہ کریگا۔

اسی دعا کا ایک حصہ یہ ہے۔

"یا مفزعی عند کربتی ، ویا غوثی عند شدتی .الیک فزعت وبک استغثت ولذت لا الوذ بسواک ولا اطلب الفرج الا منک فاغثنی وفرج عنی"

اے وقت مصیبت میں میری پناہ گاہ، اے سختی کے ہنگام میرے فریادرس میں تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں اور تجھ سے ہی دادخواہ ہوں، میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ اور تیرے سوا اور کسی سے پناہ نہیں مانگتا اور میں تیرے سوائے کسی اور سے کشائش کا طالب نہیں ہوں پس میری فریاد کو سن لے اور میرے لئے کشادگی کر اور مجھے رہائی بخش"

اپنے پیروکاروں کو تعلیم دینے کا ایک نیا انداز ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

"وارقنی الیقین وحسن الظن بک واثبت رجاءک فی قلبی واقطع رجائی عمن سواک حتیٰ لا ارجو غیرک ولا اثق الا ربک یا لطیفا لما تشاء الطف لی فی جمیع احوالی" (دعائے سحر)

بار الہا مجھ کو توفیق دے کہ تجھ پر یقین اور تیرے بارے میں اچھا گمان رکھوں۔

میرے دل میں اپنی امید کو نقش کردے کہ سوائے تیرے ہر ایک سے میری امید کٹ جائے یہاں تک کہ تیرے سوا کسی اور سے امید نہ لگاؤں اور تیرے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کروں۔

اے وہ کہ تو جس پر چاہے مہربانی فرماتا ہے مجھ پر میرے تمام حالات میں مہربانی فرما۔

آئمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیم کردہ یہ دعائیں ہمیں کیا سبق دیتی ہیں؟ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جو تعلیم آئمہ اطہار نے ہمیں دی تھی کیا ہم انکی تعلیم پر عمل کررہے ہیں؟ یا ہم نے انکی تعلیمات کو سراسر بھلا دیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم نے بہت سے باتیں ایسی اختیار کرلی ہیں کہ جو آئمہ اطہار کی ان تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ اور اگر خدا ان سے پوچھے اور عیسیٰ ابن مریم کی طرح انسے جواب طلب کرے کہ کیا تم نے ان سے یہ کہا تھا کہ مجھے چھوڑ کر دوسرں کے سامنے دعائیں کیا کرو دوسروں سے طلب حاجات کیا کرو تو یقیناً انکا جواب یہی ہوگا کہ پالنے والے تیری ذات پاک ہے ہم نے ان کو یہ سبق نہیں دیا تھا۔ اگر کوئی ایسی بات کہتا ہے تو وہ ہم پر تہمت لگاتا ہے۔ بارالہا تو انکی تہمتوں کی بنا پر ہماری گرفت نہ کرنا۔ خدائی حکم ''ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة کی شرح میں اتنا بیان ہی کافی ہے اب ہم اس کے آخری حصہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

باب ہشتم

''انه لا یحب المعتدین''

بیشک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس جملے کے پہلے حصہ میں دو باتیں بیان کی تھیں۔ ایک ادعو ربکم'' یعنی اپنے رب سے دعا کرو۔ اپنے رب سے اپنی حاجتیں طلب کرو لہذا ظاہری طور پر تجاوز کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے سے دعا کی جائے کسی

دوسرے سے اپنی احتیاج بیان کی جائے۔ کسی دوسرے سے اپنی حاجتوں کے لئے التجا کیجائے۔ دوسری بات تھی تضرعا وخفیۃ" یعنی گڑگڑا گڑگڑا کر گریہ زاری کیساتھ۔ چپکے چپکے، پوشیدہ طور سے۔ لہذا اس میں تجاوز اس طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی بلند آواز کیساتھ چیخ چیخ کر اسے پکارے، جو یا توریا کے طور پر ہوسکتا ہے یا اسے دور سمجھتے ہوئے ہوسکتا ہے۔ یا اسے گراں گوش کم سننے والا سمجھتے ہوئے ہوسکتا ہے۔ یہ آیت کے الفاظ کے ظاہر سے مطلب نکلتا ہے اور تفسیر عمدۃ البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے کہ:

"تحقیق کہ وہ خدا دوست نہیں رکھتا ہے حد سے گذرنے والوں کو کہ جو وہ کسی کی بد دعا کریں۔ یا بلند آواز سے دعا پڑھیں کہ جس میں ریا ہے۔ یا ایسی چیز خدا سے طلب کریں کہ جو لائق ان کے نہ ہو جیسے کہ انبیاء کا سا مرتبہ طلب کرنا اور آسمان پر جانا۔

اور جناب رسول خدا صلعم سے روایت ہے کہ فرمایا: حضرت نے قریب ہے کہ ایک قوم پیدا ہو کہ اپنے مرتبہ سے زیادہ مرتبہ دعا کرکے چاہیں۔ اور بندہ کو اسی قدر کفایت کرتا ہے کہ دعا میں کہے کہ خداوندا میں تجھ سے بہشت کو طلب کرتا ہوں اور اس چیز کو جو تیری رحمت کے نزدیک کرے اور بعد اس کے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ" انه لایحب المعتدین۔

اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ جناب رسول خدا جہاد میں تھے۔ اور ایک صحرا میں وارد ہوئے اور اصحاب اللہ اکبر، اور لا الہ الا اللہ کہنے میں مشغول ہو گئے۔ اور با آواز بلند کہتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے آدمیوں تم منع کرو اپنے نفسوں کو بلند آوازوں سے۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو۔ بلکہ تم اس کو پکارتے ہو کہ وہ سنتا ہے اور تم سے قریب ہے اور تمہارے ہمراہ ہے۔ اور بعد اس کے اصحاب ذکر خدا پوشیدہ کرتے تھے کہ کوئی انکے ذکر کو نہ سنتا تھا۔ (تفسیر عمدۃ البیان جلد اول ص 398)

کیا مسلمانوں کا معمول اس حکم خداوندی کے مطابق ہے؟

قرآن اس مطلب سے بھرا پڑا ہے کہ خدا سمیع العلیم ہے۔ خدا سمیع البصیر ہے، وہ سنتا بھی ہے وہ دیکھتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ لہذا مسلمانوں کے کسی بھی فرقے کو اس بارے میں انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ کہ وہ سننے والا دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔

اور ”فاذا سالک عبادی عنی فانی قریب“ کے مطابق وہ دور بھی نہیں ہے بلکہ قریب ہے۔ اور اتنا قریب ہے کہ اپنے قریب ہونے کو ایک مثال میں اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ: ”نحن اقرب الیه من الحبل الورید“ ’ہم تو اسکی شہ رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لہذا جب وہ دور بھی نہیں ہے اور اتنا قریب ہے کہ مثال میں اس سے زیادہ قرب کو بیان ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اور گران گوش بھی نہیں ہے۔ بلکہ رات کی تاریکی میں پتھر کے اوپر رینگنے والی چیونٹی تک کو دیکھتا ہے۔ اور اسکی پتھر پر چلنے کی آواز تک کو بھی سن لیتا ہے۔ تو چیخ چیخ کر کہنے والوں کے نزدیک یا تو خدا گراں گوش ہے یا پھر بہت دور ہے۔ جس تک وہ چیخ چیخ کر ہی اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں۔ یہی حال نعرہ رسالت کا ہے۔ اہل سنت میں دو فرقے ایسے ہیں جن میں سے ایک رسول اللہ صلعم کو حاضر و ناظر مانتا ہے اور دوسرا انہیں حاضر و ناظر نہیں مانتا۔ پس جو حاضر و ناظر نہیں مانتا ہے وہ تو یا رسول اللہ کا نعرہ لگاتا ہی نہیں ہے۔ نہ چیخ چیخ کر نہ آہستہ سے۔ لیکن جو رسول اللہ صلعم کو حاضر و ناظر مانتا ہے وہ خوب چیخ چیخ کر بلند آواز کیساتھ یارسول اللہ کے نعرے لگاتا ہے۔ حالانکہ وہ قرآن میں یہ پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے اونچی آواز کیساتھ نہ بولو جیسے کہ فرمایا۔

”یاایها الذین آمنو لاترفعوا اصواتکم فوق صوت البنی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون“

(الحجرات-3)

یعنی اے ایمان لانے والوں تم اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو۔ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو اس طرح ان کے سامنے زور زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا سب کیا کرایا اکارت ہو جائے۔ اور تم کو انکی خبر بھی نہ ہو۔

لہذا یہ بات حیرت اور تعجب سے خالی نہیں ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں تو ان کے حضور میں اتنا چیخ چیخ کر بلند آواز کے ساتھ یا رسول اللہ کیوں کہتے ہیں۔؟ دراصل یہ نعرہ اتنی زور سے دوسرے فرقے کو چڑانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔

ہاں جو لوگ آنحضرت کو حاضر و ناظر نہیں مانتے اگر وہ چیخ چیخ کر بلند آواز سے یا رسول اللہ کہیں تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اس لئے چیخ چیخ کر اور بلند آواز سے یا رسول اللہ کہہ رہے ہیں۔ تاکہ انکی آواز مدینہ پہنچ جائے مگر وہ یہ نعرہ لگاتے ہی نہیں۔

البتہ نعرہ تکبیر وہ بھی پورے زور کے ساتھ چیخ چیخ کر اور بلند آواز سے بلند کرتے ہیں۔ شاید وہ خدا کو بھی حاضر و ناظر نہیں سمجھتے یا گراں گوش سمجھتے ہیں یعنی بہرہ سمجھتے ہیں یا بہت دور اور غائب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر کی مذکورہ حدیث کے مطابق بلند آواز کے ساتھ چیخ چیخ کر نعرہ تکبیر لگانا تب ہی درست ہو سکتا ہے جب کہ خدا گراں گوش یا غائب اور بہت دور ہو۔ دراصل انکے پاس یہی ایک نعرہ ہے لہذا اسی پر اتنا زور صرف کرتے ہیں۔

شیعوں نے بھی اہل سنت کی دیکھا دیکھی جہاں نعرہ تکبیر اللہ اکبر چیخ چیخ کر اور بلند آواز کے ساتھ لگانا شروع کیا وہاں زور زور سے اور چیخ چیخ کر یا رسول اللہ کے نعرے بھی لگانا شروع کر دیئے ہیں۔ اور ان میں بھی دونوں طرح کے افراد ہیں۔ حاضر و ناظر ماننے والے بھی اور حاضر و ناظر نہ ماننے والے بھی۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو

حاضر و ناظر نہیں مانتے وہ تو شاید غیر شعوری طور پر اس لئے چیخ چیخ کر بلند آواز کے ساتھ یا رسول اللہ کہتے ہیں کہ انکی آواز مدینہ تک پہنچ جائے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے نعرہ اللہ اکبر کے بارے میں بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنے کو ایسا قرار دیا جیسا کہ وہ خدا کو گراں گوش یا بہرہ اور غائب اور بہت دور سمجھتے ہیں لہذا چیخ چیخ کر نعرہ تکبیر اللہ اکبر بلند کر رہے ہیں۔ مگر جو شیعہ کہلانے والے فرقے آنحضرت کو حاضر و ناظر مان کر چیخ چیخ کر اور بلند آواز کے ساتھ یا رسول اللہ کہتے ہیں ان پر سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت نمبر 3 کا حکم نافذ ہے۔

دراصل شیعوں میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت جہاں اہل سنت کی نقل ہے وہاں یہ نعرہ حیدری یا علی اور یا علی مدد کی تمہید کے طور پر بھی لگایا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی سنی یہ نہ کہے کہ شیعہ صرف حضرت علی کو مانتے ہیں اور خدا کو اور اسکے رسول کو نہیں مانتے اگر مانتے ہوتے تو یہ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت ان ہی کی طرح لگاتے۔ پس شیعوں میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت جہاں سنیوں کی نقل ہے وہاں سنیوں میں بھی بہت سے سنی بھی شیعوں کی نقل کرتے ہوئے نعرہ حیدری لگانے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ شیعہ خود یہ نعرے نصیریوں کی اور مفوضہ کی اور صوفیوں کی اور شیخیوں کی نقل کرتے ہوئے لگاتے ہیں۔ اور نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت اسی نعرہ حیدری کی تمہید میں لگاتے ہیں۔ تاکہ سنی بھی کچھ نہ کہ سکیں اور نعرہ حیدری، نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کے ساتھ لگا ہوا پار اتر جائے۔

چونکہ بریلوی اور دیوبندی حضرات صرف ہندو پاکستان میں ہی ہیں۔ اور یہ مذاہب یہیں کی پیداوار ہیں۔ بریلوی حضرات احمد رضا خان بریلوی کے پیرو ہیں اور دیوبندی حضرات مدرسہ دیوبند کے پیروکار ہیں۔ لہذا ان دونوں کے درمیان یا رسول اللہ کہنے پر بڑی بحثیں اور مناظرے ہوئے ہیں۔ پس بریلوی حضرات بڑے زور شور کے ساتھ

نعرہ رسالت یا رسول اللہ لگاتے ہیں۔ یہ نعرہ صرف ہندوستان میں ہی لگایا جاتا ہے،
ہندوستان کے علاوہ دنیا میں اور کہیں نہیں لگایا جاتا اور نہ ہی مسلمانوں کی کسی کتاب میں نعرہ
رسالت یا رسول اللہ لگانے کے بارے میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ بریلوی حضرات نعرہ تکبیر بھی یا
رسول اللہ کی تمہید میں ہی لگاتے ہیں۔ تا کہ دیوبندی یہ نہ کہیں کہ بریلوی حضرات اللہ کو نہیں
مانتے صرف یا رسول اللہ کو مانتے ہیں اور شیعہ حضرات نعرہ حیدری کی تمہید میں نعرہ تکبیر اور
نعرہ رسالت لگانے لگ گئے ہیں تا کہ اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر انہیں یہ طعنہ نہ دیں
کہ یہ حضرات صرف حضرت علی کو مانتے ہیں۔ اللہ کو اور رسول کو نہیں مانتے۔

پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں ہماری مجالس عزا کا معمول یہ تھا کہ مقرر
بھی آغاز میں صرف بر محمد و آل محمد صلوات کہتا تھا۔ درود کی فرمائش ہوتی تھی۔ اچھے نکتہ اور
فضائل کے بیان پر درود پڑھتے تھے اور درود کا پڑھنا بذات خود عبادت ہے۔ جس کا حکم قرآن
میں ہے، پیغمبر کی حدیث میں ہے اور آئمہ کے فرمان میں ہے۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں یہ بات کہ ہندوستان میں ہماری مجالس عزا
میں نہ نعرے تکبیر لگایا جاتا تھا نہ نعرہ رسالت لگتا تھا نہ نعرہ حیدری لگتا تھا، صرف درود پڑھا جاتا
تھا۔ اور صرف محمد و آل محمد پر صلوات کی فرمائش ہوتی تھی اور ہم ان نعروں سے قطعی طور پر
نا آشنا تھے۔ پاکستان آنے کے بعد کچھ عرصہ تو ہماری مجالس عزا کا وہی معمول رہا مگر جب
معاشرہ مخلوط ہو گیا تو اب یہ حالت ہو گئی کہ اچھے بھلے علماء بھی عوام کی خوشنودی حاصل کرنے
کے لئے مجلس شروع کرنے سے پہلے نعرہ تکبیر لگواتے ہیں پھر نعرہ رسالت لگواتے ہیں اور
پھر نعرہ حیدری لگواتے ہیں۔ اور تقریر کے درمیان میں بھی اگر کسی ملنگ کے کوئی بات پسند آ
گئی، جو اکثر غلو و تفویض کے مضمون پر مشتمل ہوتی ہے تو وہ بھی درمیان سے ہی نعرہ حیدی
ٹھونک دیتا ہے اور نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بھی بھول جاتا ہے۔

بہر حال درود کے پڑھنے کے ثواب سے تو شیعہ اور سنیوں کی کتابیں چھلک رہی ہیں۔ لیکن نعرہ رسالت یا نعرہ حیدری لگانے کے بارے میں کسی کی بھی اور کسی بھی کتاب میں کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی ملک میں نہ نعرے لگائے جاتے ہیں۔

اب ہم ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ والے باب کا بیان یہاں پر ختم کرتے ہیں اور اس سے اگلے باب کو شروع کرتے ہیں۔

باب نہم

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔

اور زمین میں اسکی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرنا آیت کا ظاہر یہ کہتا ہے کہ دنیا پہلے معرض فساد میں تھی۔ پھر کوئی بات ایسی واقع ہوئی کہ جس سے روئے زمین کی اصلاح ہو گئی لہذا خدا یہ حکم دے رہا ہے تمام مسلمانوں کو کہ اب تم زمین کی اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں پھر سے فساد برپا نہ کر دینا۔

کافی اور تفسیر عیاشی میں "ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا" کی تفسیر میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمین حالت فساد میں تھی خدائے تعالی نے جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کی اور پھر یہ حکم دیدیا کہ اب اصلاح ہو جانے کے بعد زمین میں فساد مت کرو۔

اور تفسیر قمی میں اس کے معنی یہ منقول ہیں کہ خدائے تعالی نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اور جناب علی مرتضی کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کر دی تھی مگر لوگوں نے جب بعد رسول خدا جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اطاعت چھوڑ دی تو پھر اسکو خراب کر دیا۔ ہم باب پنجم۔ الا لہ الخلق والامر" میں یہ بیان کر آئے ہیں۔ کہ حاکم حقیقی

صرف خدا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کو بھی حق حکومت حاصل نہیں ہے۔ سوائے اس کے جس کو وہ اپنی طرف سے اولی الامر مقرر کردے لہذا پیغمبر اکرم صلعم کے برسر اقتدار آنے سے پہلے زمین حالت فساد میں تھی۔ لیکن خدا نے اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو اپنی طرف سے اولی الامر مقرر کرکے اور انکی نیابت میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے جانشینوں کو اولی الامر بنا کر کو حکومت الٰہیہ کا نظام قائم کردیا تھا۔ اور اسطرح زمین جو پہلے حالت فساد میں تھی اور طاغوتوں کے زیر استداب تھی انکی اصلاح ہوگئی تھی۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد خدا کے بنائے ہوئے اولی الامر سے منہ موڑ لیا اور خود سے برسر اقتدار آنے والے اپنا حکم چلانے لگے۔ اور مسلمانوں نے انکی اطاعت و پیروی شروع کردی۔ لہذا زمین پھر دوبارہ حالت فساد میں ہوگئی یعنی خدا کو اور اس کے بنائے ہوئے اولی الامر کو چھوڑ کر دوسروں کی اطاعت کی جانے لگی۔

خداوند تعالیٰ نے سورۃ انفال میں اس حادثہ کے بارے میں بطور پیشین گوئی کے اسطرح خبر دی ہے کہ: واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب" (الانفال-25)

اور اس فتنے سے ڈرتے رہو (اور اس سے بچو) جو خصوصیت کے ساتھ کچھ انہیں لوگوں پر نہ پڑیگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہونگے۔ اور یہ جان لو کہ اللہ سزا و عقاب کے معاملہ میں بہت سخت ہے۔

آیت کا ظاہر یہ کہتا ہے کہ وہ ظلم کرنے والے تو ظلم کرکے چلتے بنیں گے (جنہوں نے اقتدار پر قبضہ کیا وہ بھی اور جنہوں نے ان کے اقتدار کو تسلیم کیا وہ بھی نہ رہینگے) لیکن اس مصیبت کو بعد میں آنے والے بھی بھگتتے رہینگے ہر کوئی اپنے آپ کو اقتدار کا حقدار سمجھے گا۔ اور زمین ظلم و جور سے بھر جائیگی۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے انتقال کے بعد ہی لوگوں کو وہ فتنہ پیش آیا جس سے بچنے کا خدائے تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔ وہ یہ تھا کہ علی مرتضیٰ کو لوگوں نے چھوڑ دیا اور غیر شخص سے بیعت کرلی۔ حالانکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے صاف ارشاد فرمایا تھا۔ کہ علی کا اور آل محمد میں سے جو وصی ہونگے انکا اتباع کرنا۔ پیغمبر کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا بیان ہم اپنی دوسری کتابوں مثلاً حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں" اور "امامت قرآن کی نظر میں"۔ اور" ولایت قرآن کی نظر میں" میں تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔ لہذا اس مقصد کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ آئمہ اہل بیت سے حکومت نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام میں فساد برپا ہے اور اسکی اصلاح ناممکن ہے جب تک کہ اس کے حقیقی وارث کے پاس حکومت نہیں پہنچ جاتی۔

باب دھم

" وادعوه خوفا و طمعاً. ان رحمت الله قريب من المحسنين"

اور (عذاب الہی) کے خوف اور (اسکی رحمت کی) آس لگا کر اس سے دعائیں مانگتے رہنا۔ بیشک نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت بہت قریب ہے۔

اس سے پہلے" ادعو ربكم تضرعا و خفية " کے ذریعہ بھی حکم دیا تھا۔ کہ تم اپنے رب سے گڑگڑا گڑگڑا کر گریہ وزاری کے ساتھ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور سے دعائیں مانگا کرو۔ وہاں پر خدا نے اپنی حاجات کے لئے سوال کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ اب " لا تفسدو فى الارض بعد اصلاحها. کہنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ" وادعوه خوفا

وطمعا" تم خوف اور امید کے ساتھ اس سے دعائیں مانگو۔ یہ خوف کس چیز کا عذاب کا خوف یا سزا کا خوف یا فساد کا خوف۔ اسی طرح امید اور آس ثواب کی بھی ہوسکتی ہے جزا کی بھی ہوسکتی ہے اور زمین کی دوبارہ اصلاح کی بھی ہوسکتی ہے۔

لہذا عذاب کے خوف سے دعا مانگنا بھی ٹھیک ہے اور سزا کے خوف سے دعا مانگنا بھی ٹھیک اور زمین میں جو فساد برپا ہو چکا ہے اس کے خوف سے دعا مانگنا بھی درست ہے۔ اور طمعا یعنی ثواب کی امید اور آس لگا کر دعا کرنا بھی ٹھیک ہے اور اس زمین کے وارث کے ظہور کی امید رکھتے ہوئے، دعائیں مانگنا بھی ٹھیک ہے" عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف" یہ خوف ورجا کی حالت میں دعائیں مانگنا نیکی ہے اور نیکی کرنے والوں سے اللہ کی رحمت قریب ہے۔ اور ہر مومن کو یہی امید رکھنی چاہے کہ جب قیامت کے قریب ہونے کا ایمان رکھنا درست ہے تو اس زمین کے وارث کے ظہور فرما کر زمین کی اصلاح کرنے کا ایمان رکھنے کو قریب جاننا بھی درست ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

تحفہ اشرفیہ

بجواب

تحفہ حسینیہ

مخالفین شیعہ کا

مدلل و مسکت جواب ہے

ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

العقائد الحقیہ

والفرق بین الشیعہ والشیخیہ

شیعہ عقائد کا شیخی عقائد

سے فرق جاننے

کیلئے دستاویزی کتاب ہے

ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

امامت قرآن کی نظر میں

مذہب شیعہ کے اہم عقیدہ

امامت پر قرآن کریم سے

ثبوت و دلائل پر

مشتمل کتاب ہے

ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

مؤلف کی تالیفات ایک نظر میں

نمبر	نام کتاب			
1	نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نوع نبی و امام		مطبوعہ	موجود ہے
2	شیخیت کیا ہے اور شیخی کون		مطبوعہ	موجود ہے
3	العقائد الحقیہ والفرق بین الشیعۃ والشیخیہ		مطبوعہ	موجود ہے
4	خلافت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
5	ولایت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
6	امامت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
7	حکومت انبیاء اور دنیاوی حکومتیں		مطبوعہ	موجود ہے
8	فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن		مطبوعہ	موجود ہے
9	شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے		مطبوعہ	موجود ہے
10	شعار شیعہ اور رمز تشیع کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟		مطبوعہ	موجود ہے
11	بشریت انبیاء ورسل کی بحث		مطبوعہ	موجود ہے
12	تحفہ اشرفیہ بجواب تحفہ حسینیہ		مطبوعہ	موجود ہے
13	آیت محرہ قران کا درس توحید		مطبوعہ	موجود ہے
14	معجزہ اور ولایت تکوینی کی بحث		مطبوعہ	موجود ہے
15	شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں		مطبوعہ	ختم شد
16	ترجمہ تنبیہ الانام بر مفاسد ارشاد العوام		مطبوعہ	ختم شد
17	شیعہ جنت میں جائینگے مگر کونسے شیعہ		مطبوعہ	ختم شد
18	شیعہ علماء سے چند سوال		مطبوعہ	ختم شد
19	تبصرۃ الھموم علی اصلاح الرسوم وایضاح الھموم		مطبوعہ	ختم شد
20	سوچیے کل کیلئے کیا بھیجا ہے		مطبوعہ	ختم شد
21	شیخیت کا شیعیت اور شیعہ علماء سے ٹکراؤ		غیر مطبوعہ	کمپوز ہوگئی
22	شیعہ عقائد کا خلاصہ اور انکا فلاسفہ وصوفیہ وشیخیہ کے عقائد سے مقابلہ		غیر مطبوعہ	کمپوز ہوگئی
23	اسلام پر سیاست وفلسفہ وتصوف کے اثرات		غیر مطبوعہ	قلمی
24	عظمت ناموس رسالتؐ		غیر مطبوعہ	قلمی
25	عظمت ناموس صحابہؓ		غیر مطبوعہ	قلمی
36	الشیخیہ الاحقاق ھم المفوضۃ المشر کون	فارسی	غیر مطبوعہ	قلمی